یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.
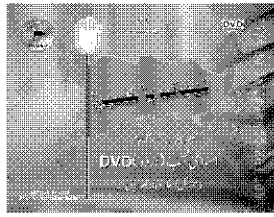
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

امام علیؑ
ولادت سے شہادت تک
مشہور عربی کتاب امام علیؑ
مِن المهدِ الی اللحدِ کا اردو ترجمہ
مؤلف
آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی اعلی اللہ مقامہ
مترجم:
حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری

علیؑ

ولادت سے شہادت تک

مؤلف

آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی مرحوم

مترجم

علامہ محمد حسن جعفری

مصحح

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

فون: 35425372

نام کتاب : علیؑ : ولادت سے شہادت تک

مؤلف : آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی مرحوم

مترجم : علامہ محمد حسن جعفری

مصحح : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

اشاعت : اکتوبر 2015ء

ہدیہ : /500 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

ترتیب

***

عرضِ ناشر

بندہ حقیر پر تقصیر کو علمِ اجتہاد کے شہر قم المقدسہ میں کئی سال حصولِ تعلیم کے لیے رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علمائے اعلام اور بزرگانِ دین سے ملنے کا موقعہ نصیب ہوا ہے۔ ایرانی تہذیب و ثقافت کو قریب سے دیکھا۔ علمی و روحانی محافل و مجالس میں شرکت کی۔ ایرانی قوم گوناگوں کمالات کی مالک ہے۔ علمی و فکری لحاظ سے وہ اعلیٰ ورثہ کے حامل ہیں۔ ایرانی عوام اپنے علما و فضلا کا بہت زیادہ احترام بجالاتے ہیں۔

قم المقدسہ واقعاً علماء کا شہر ہے۔ آپ کو ہر گلی کوچے میں علما کے گھر نظر آئیں گے جو دین کی سربلندی کے لیے شبانہ روز کوشاں ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو بامقصد و بامراد بنانے میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ میں ایک دن اپنے علمی و فکری اور روحانی و قلبی دوست آقائے جنتی کے گھر جا رہا تھا کہ راستے میں مرحوم آیت اللہ سید کاظم قزوینی کے دفتر کی طرف رہنمائی کرتا ہوا بورڈ آویزاں نظر آیا۔ یوں تو میں نے مجالس و محافل میں آیت اللہ مرحوم کا ذکر علماء اور خطباء حضرات سے سن رکھا تھا لیکن مجھے تفصیلی حوال سے آگاہی نہ تھی۔ میں نے مرحوم آقا قزوینی کے بارے میں اپنے دوست حجۃ الاسلام جنتی سے پوچھا تو انھوں نے بڑی دلچسپی اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ مرحوم مرنجا مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے پوری زندگی مکتب اہلِ بیتؑ کی ترویج و تبلیغ میں گزاری۔ آپ ایک کہنہ مشق خطیب تھے۔ آپ نے کئی ایک موضوع پر علمی و تحقیقی کتابیں تحریر کیں۔

آپ کو ادبی علوم پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی علمی خطابت کے ذریعے ہزاروں لوگوں کو آلِ اطہارؑ کے قریب کیا، بیسیوں مساجد تعمیر کروائیں، بے شمار مدارس تعمیر کروائے۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کو روزگار مہیا کیا۔ آپ نے دنیا کے اکناف و اطراف میں جا کر محبانِ اہلِ بیتؑ کے عقائد و نظریات درست کروائے۔ آپ علمِ مناظرہ پر ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ قبرِ حسینؑ

پر مصائبِ اہلِ بیتؑ بیان کرتے تو حشر بپا ہو جاتا اور غمِ حسینؑ میں ہر آنکھ اشک بار ہو جاتی۔

برادر بزرگوار جنسی کی گفتگو نے مجھے مرحوم آقا قزوینی کے روحانی طور پر بہت قریب کر دیا تھا۔ پھر میری آپ کے فرزند سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ سیّدِ بزرگوار اپنے والد مرحوم کے افکار کو مرتب کر کے عوام الناس تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ آپ نے مجھے ایک نشست میں اپنے والد کے کئی ایک کراماتی قصّے بھی سنائے۔ خصوصی طور پر کتاب: فاطمة الزهرا من المهد الى اللحد کے سکھانے کی غرض سے بیان فرمائی کہ علامہ کو صدام حسین کے حکم پر زندان میں بند کر دیا تھا۔ کئی سال زندان کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد ایک شام پولیس کے کچھ لوگ علامہ کو زندان سے نکال کر بغداد سے باہر لے گئے۔ گاڑیاں ایک مقام پر جا کر روک دی گئیں۔ وہ لوگ گڑھا کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ علامہ سمجھ گئے کہ مجھے ابھی مار کر یہ دفن کر دیں گے۔

علامہ اسی لمحے سیدۃ فاطمۃ الزہراؑ سے متوسل ہوئے کہ اے خاتونِ جنت! مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دیں تو میں آپؑ پر ایک مبسوط علمی کتاب لکھوں گا۔ اسی دوران میں ان لوگوں کو وائرلیس پر پیغام ملا کہ علامہ کو قتل مت کرو، انھیں واپس لے آؤ۔ وہ علامہ کو واپس لے کر زندان پہنچے۔ آپ کو دو مہینے بعد زندان سے رہائی ملی تو آپ شہر قم کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ آپ نے وہاں یہ کتاب تحریر کی جسے عالمی شہرت حاصل ہوئی۔

زیرِ نظر کتاب علامہ کی عربی زبان میں علی من المهد الى اللحد کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کو اُردو قالب میں ڈھالنے کے لیے ہمارے دوست حجۃ الاسلام علامہ حسن جعفری نے زحمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے اور ہماری توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے۔

والسلام مع الاکرام

طالبِ دُعا

ریاض حسین جعفری، فاضل قم

عرضِ مترجم

مسلم اوّل شاہِ مرداں علیؑ
عشق را سرمایہ ایمان علیؑ

خطیبِ منبر سلونی، ایمانِ کامل، بابِ شہرِ علم نبیؐ و بابِ خانۂ حکمت پیغمبرؐ، نفسِ رسولؐ، زوجِ بتولؑ، سلطانِ اولیاء، مظہر العجائب، شیرِ خدا، سردارِ اوصیاء، امیر المومنین کی ذاتِ والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس خوش نصیب نے آپؑ کا ذکرِ خیر کیا وہ خود لائقِ تعارف بن گیا۔

آپؑ ۳۰ عام الفیل اور ماہِ رجب کی ۱۳ کی شب کو طلوعِ فجر کے وقت بیت اللہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی طور پر ماں نے حیدر نام رکھا اور باپ نے اَسد قرار دیا۔ اہلِ خاندان نے زید نام رکھنا چاہا، ابوطالب کی دُعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی، جس پر مرقوم تھا کہ اس کا نام نامِ خدا پر علیؑ رکھو، تاکہ نامِ خدا کی برکت سے اس کی بلندی برقرار رہے اور اس کی بقا سے نامِ خدا کی بقا وابستہ ہے۔

تربیت کا کام خانہ کعبہ سے ہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنبھال لیا تھا۔ آپؐ نے بچپن ہی میں علیؑ کو آغوش میں لے لیا تھا اور آنحضرتؐ نے اُنھیں شب و روز ساتھ رکھا اور کبھی زَقَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ زَقًّا کا مرقع پیش کیا اور کبھی وَکُنْتُ اَتَّبِعُہٗ اِتِّبَاعَ الْفَصِیْلِ بِاَثَرِ اُمِّہٖ کا منظر نمایاں کیا۔

جب حکمِ الٰہی کے تحت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے حضرت علیؑ نے آپؐ کی تائید و تصدیق کی اور آپؐ نے ذی العشیرہ میں نصرت کا جو وعدہ کیا

تھا اس پر پوری زندگی قائم رہے۔ خواہ وہ شعب ابی طالبؑ کا ابتلا بھرا دور ہو یا شبِ ہجرت کا خونیں ماحول ہو آپؑ نے ہر جگہ قربانی کی لازوال داستانیں رقم کیں۔

ہجرت کے بعد جب اسلامی غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں آپؑ نے اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور صنادید عرب کو جہنم واصل کیا اور ہر جگہ اسلام اور مسلمانوں کو کامیابی دلائی۔

جنگِ بدر کی فتح کے بعد قدرت نے حضرت علی علیہ السلام کو اس عظیم کارنامے کا انعام دیا اور یکم ذی الحجہ کو حضرت علی علیہ السلام کا عقد جنابِ فاطمہ علیہا السلام سے ہوا۔ بی بیؑ کی خواستگاری کرنے والوں میں بڑے بڑے صحابہ پیش ہوئے تھے، لیکن قدرت نے فیصلہ کر دیا کہ نُور کا عقد صرف نُور سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی ہمسر نہ ہوتا"۔

تین ہجری میں کفار نے بدر کا بدلہ لینے کا پروگرام بنایا اور تین ہزار افراد کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا۔ چند اصحاب کی غلطی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوئی اور مسلمان پیغمبرؐ کو چھوڑ کر اُحد کی پہاڑیوں پر دوڑ گئے تھے۔ اس جنگ میں حضرت حمزہؓ و مصعبؓ جیسے عظیم القدر افراد کے علاوہ ستر مسلمان شہید ہوئے۔ میدان میں شمعِ نبوت کی حفاظت کے لیے معدودے چند اصحاب باقی بچے۔ یہ ابوطالبؑ کے بیٹے کا جگر تھا جس نے خون کا دریا عبور کر کے شمعِ نبوت کی حفاظت کی تھی اور اسی جنگ میں منادی نے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ کی صدا بلند کی تھی۔

پھر پانچ ہجری میں باقی عرب جمع ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینہ کے گرد خندق کھدوائی، لیکن مشرکین کا بہت بڑا پہلوان عمرو بن عبدود خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے لشکرِ اسلام کے سامنے پہنچ کر مبارزہ طلبی کی۔ کسی نے اس کی بہادری کی داستان سنا کر مجاہدین کو دم سادھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس موقع پر حضرت علیؑ ہی تھے جنھوں نے ذی العشیرہ کے وعدہ کو نبھایا اور تن تنہا اس سے نبرد آزما ہوئے اور دشمن دین کو تہِ تیغ کیا۔ رسولِ اکرمؐ نے اسی ضربت کو ثقلین کی عبادت سے

افضل قرار دیا۔ الغرض اس جنگ میں کُلِ ایمان نے کُلِ کفر پر غلبہ حاصل کیا۔

سات ہجری میں خیبر کا معرکہ پیش آیا جس کی فتح کا سہرا بھی امیرالمومنینؑ کے سر بندھا۔

آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا، بہت سے مشرکین نے کلمۂ اسلام پڑھنے میں ہی عافیت جانی۔ ایسے افراد میں ابوسفیان اور اس کا گھرانا بھی شامل تھا۔

فتح مکہ کے بعد جنگِ حنین پیش آئی جس میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار افراد پر مشتمل تھی اور مسلمانوں میں غرور پیدا ہو گیا تھا لیکن جیسے ہی جنگ شروع ہوئی تو سب نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس جنگ میں شیرِ خدا کی شجاعت نے ہی فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

نو ہجری میں تبوک کا واقعہ پیش آیا اور یہ عہدِ پیغمبرؐ کی واحد جنگ ہے جس میں حضرت علیؑ شامل نہیں ہوئے تھے۔ اسی موقع پر رسولِؐ خدا نے حضرت علیؑ کے متعلق یہ تاریخی اعلان کیا: "تمہیں مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

تبوک کے بعد سورۂ برأت کی تبلیغ کا مرحلہ پیش آیا۔ اس کام پر پہلے تو ایک اور صحابی کو مامور کیا گیا لیکن وحی الٰہی کے تحت یہ خدمت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے سپرد کی گئی۔ آپؑ نے مشرکین کے سامنے برأتِ مشرکین کا اعلان کیا۔

نو ہجری میں نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کی نوبت آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنی آیت کے تحت اَبْنَآءَ نَا میں حسنؑ و حسینؑ اور نِسَآءَ نَا میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور اَنْفُسَنَا میں حضرت علیؑ کا انتخاب کیا۔

ان نورانی چہروں کو دیکھ کر عیسائیوں نے اپنی شکست کا اعتراف کیا اور یوں اسلام کو روحانی فتح نصیب ہوئی۔

دس ہجری میں رسولِؐ خدا نے حجۃ الوداع سے واپسی پر حکمِ خدا کے تحت غدیرِ خم میں قیام کیا اور پالانوں کا منبر بنوا کر تمام مسلمانوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے"۔

اس پر تمام اصحاب نے بیعت کی اور مشہور صحابیوں نے آپؑ کو مبارک باد دی۔

گیارہ ہجری میں رسولِ مقبولؐ کی وفات ہوئی اور پورے عالمِ اسلام پر غم کا پہاڑ ٹوٹا۔
حضرت علیؑ نے ہی آنحضرتؐ کو غسل وکفن دیا اور اپنے ہاتھوں سے آنحضرتؐ کو لحد میں اُتارا۔ اس کے بعد پھر "چراغوں میں روشنی نہ رہی" کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔
رسولِ خدا کی اکلوتی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ آپؑ کو آپؑ کے باپ کے ترکہ سے محروم کیا گیا تھا اور آپؑ کا پہلو شکستہ کیا گیا تھا۔
شیرِ خدا نے اس سخت ترین موقع پر بھی فرمانِ رسولؐ کی لاج رکھی اور تلوار نہ اُٹھائی۔
بعد ازاں پچیس برس تک آپؑ خاموش رہے۔
بالآخر خلیفہ سوم کے بعد مسلمانوں نے آپؑ کا انتخاب کیا، لیکن جیسے ہی آپؑ خلیفہ بنے تو بدر و اُحد کے کینے دوبارہ تازہ ہو گئے۔

ایک زوجۂ رسولؐ کی زیرِ قیادت آپؑ کے خلاف جنگِ جمل لڑی گئی۔ اس کے بعد بنی امیہ کی رشوت نے اپنا کام دکھایا اور تمام دشمنانِ علیؑ ایک جگہ جمع ہوئے اور جنگِ صفین برپا کی گئی۔ اور جب جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوئی تو عمرو عاص نے نیزوں پر قرآن بلند کرائے جس کی وجہ سے مجبوراً جنگ بندی کرنا پڑی اور پھر حکمین کے غیر شرعی فیصلے نے تاریکیوں میں مزید اضافہ کیا۔ اور اُدھر بہت سے نادان عابد و زاہد افراد نے آپؑ کے خلاف شورش بپا کی۔ اس گروہ کو تاریخ میں خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آخرکار خوارج سے نہروان کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی اور یوں آپؑ نے فتنۂ خوارج کا استحصال کیا۔
پھر ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم لعین نے ماہِ رمضان کی انیس کی شب حالتِ نماز میں آپؑ پر وار کیا اور دو دن بعد آپؑ شہید ہو گئے اور نجف کی سرزمین کو آپؑ کے مدفن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔
آپ کی ذات والا صفات کے اتنے اَبعاد ہیں کہ ہر پہلو پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔
کتاب ہذا حضرت آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی کے خطابات پر مشتمل ہے۔
اس سے قبل بندہ نے مرحوم کی کتاب سیدہ زینب کبریٰؑ از ولادت تا وفات کا ترجمہ

کیا ہے۔اب بندہ کی طرف سے مرحوم علامہ کی یہ دوسری کتاب ہے۔

جب کہ علامہ مرحوم کی مشہور کتاب فاطمہ زہرا از ولادت تا شہادت کا ترجمہ میرے برادر علامہ الطاف حسین کلاچی زیدہ مجدہ کر رہے ہیں۔ خداوند عالم ان کو اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

ان تمام تر علمی ودینی خدمات کا سہرا حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ ریاض حسین جعفری کے سر ہے جنھوں نے منہاج الصالحین نامی اشاعتی ادارہ قائم کر کے چند ہی برسوں میں اتنی کتابیں شائع کی ہیں جو کہ مشہور ترین ادارے نصف صدی میں بھی شائع نہیں کرا سکے۔

قوم کو کتابوں کے تحائف دینے میں علامہ ریاض حسین جعفری کو خداوند عالم نے جو اعزاز عطا کیا ہے وہ کسی دوسرے کے مقدر میں نہیں لکھا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ کاوش قبول فرمائے اور ہمیں قیامت کے دن شفاعت امیرالمومنینؑ سے بہرہ مند فرمائے اور ادارہ منہاج الصالحین اور اس کے بانی کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

والسلام

حررہ احقر الزمن

محمد حسن جعفری

ہدیۂ اخلاص

بحضور حضرت صاحب الامر والزمان عجل اللہ فرجہ الشریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے قائم آلِ محمدؑ! ابوالائمہ امیر المومنین علیہ السلام کے مناقب اور احوالِ زندگی پر مشتمل اس حقیر سے رسالہ کو آپؑ کی خدمتِ اقدس میں نذر کرتا ہوں، کیونکہ آپؑ خدا کی زمین پر اُسی کے امین اور بندوں پر خدا کی حجت ہیں۔

اے خاتم الاوصیاء! اے نبیؐ اُمت! اے امام منتظرؑ، اے صاحب الامر! اے ہمارے آقا و مولا حضرت مہدی علیہ السلام! میں اپنی طرف سے اس صحیفۂ ولایت کو آپؑ کے حضور پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

اے کریم کائنات! میں آپؑ کے اوصافِ عالیہ سے توقع رکھتا ہوں کہ اس ناچیز سی خدمت کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ناچیز اس مقام پر برادرانِ یوسفؑ کا یہ جملہ دُہرانا چاہتا ہے:

يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ○

اور اس کے ساتھ یہ درخواست بھی کرتا ہوں

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

آپؑ کی حکومتِ حقّہ کا منتظر

محمد کاظم قزوینی

کربلا، عراق

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کما یرضٰی وصلی اللہ علٰی سیدنا محمد المصطفٰی والہ سادات الورٰی

میں روزِ اوّل سے ہی اولیائے الٰہی کی زندگی کا شیدائی ہوں، کیونکہ اُنھوں نے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اَوامر الٰہی اور ارادۂ پروردگار کی اطاعت کے بلند ترین نمونے ہیں اور اُن ہستیوں میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی ذات اطاعتِ الٰہی کا مظہر اَتم ہے۔ سچ یہ ہے کہ مجھے اپنی عربی زبان میں ایسے الفاظ ہی نہیں ملتے، جن کے ذریعے سے آپؑ کی شخصیت کے کمالات کو بیان کیا جاسکے۔

میں نے یہ الفاظ فرطِ عقیدت میں لکھے ہیں اور نہ ہی ان سے غلو کرنا مقصود ہے اور ان الفاظ سے مجھے کسی دنیاوی فائدہ کی بھی توقع نہیں ہے۔ میں نے ان الفاظ سے حقیقت اور واقعیت کا اظہار کیا ہے۔

مجھے اپنے قارئین کے متعلق یقین ہے کہ جیسے ہی وہ آپؑ کی عظیم شخصیت کا سلسلہ وار مطالعہ کریں گے تو وہ بھی میرے ان تاثرات کی تائید کریں گے اور اس کتاب کے مطالعہ سے حق اصلی شکل وصورت میں دکھائی دے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپؑ کی عظمت کو لفظ ''عظیم'' سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ یہ لفظ ویسے بھی اتنا عام ہو چکا ہے کہ ہر کس و ناکس پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لفظ ''عظمت'' کلی مشکک ہے اور عظمت کے بہت سے درجات ہیں اور ان میں قلت و کثرت اور ضعف و شدت کا تفاوت پایا جاتا ہے اور یہی حال فضائل و مناقب کا ہے۔

میں آپ کے اوصاف بیان کرنے سے قاصر ہوں اور میں آپ کے مقام کی عظمت کے بیان کی استطاعت ہی نہیں رکھتا۔ میں جتنے بھی بلند ترین الفاظ کا انتخاب کروں اور طائرِ فکر کو پرواز میں لاؤں پھر بھی آپ کی ذات والاصفات میرے بیان کردہ اوصاف سے کہیں بلند و بالا دکھائی دیتی ہے۔ آپ کی بارگاہ میں طائرِ فکر پرواز ہی نہیں کر سکتا۔

اپنی اس عاجزی کو دیکھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ زیادہ ادیبانہ طرزِ گفتگو کی بجائے سادہ ترین الفاظ میں ہی آپ کی زندگی کے چند گوشوں پر تحریر کروں، تاکہ ہر قاری اُسے آسانی سے سمجھ سکے اور مطالب کے سمجھنے میں کسی کو دشواری نہ ہو اور بھاری بھرکم الفاظ فہمِ مطالب میں مانع نہ ہوں۔

انسانی صفات کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم کو فضائل اور دوسری قسم کو رذائل کہا جاتا ہے۔

انسانی نفوس فطری طور پر فضائل کو پسند کرتے ہیں اور جو ذات فضائل سے آراستہ ہو اُس سے محبت کرتے ہیں۔ فضائل میں علم، شجاعت اور کرم جیسے اوصافِ حمیدہ شامل ہیں۔

اس کے برعکس ہر انسان رذائل، یعنی بری صفات سے نفرت کرتا ہے اور رذائل میں لتھڑے ہوئے شخص سے ہر طبعِ سلیم رکھنے والا شخص کراہت محسوس کرتا ہے۔ رذائل میں جہالت، بزدلی اور بُخل جیسی صفات مذمومہ شامل ہیں۔

فضائل اور رذائل لوگوں میں قلت و کثرت اور ضعف اور شدت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات کرم کی صفت اپنے آخری درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح سے بُخل کی مذموم صفت آخری حدوں تک پہنچ کر قارون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی حال تمام فضائل اور رذائل کا ہے۔

جب ہم امیرِ کائنات حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی ذات میں تمام صفاتِ حمیدہ اُوجِ کمال پر دکھائی دیتی ہیں اور آپ کی ذات والاصفات تمام رذائل سے دُور نظر آتی ہے۔

جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے یہ صرف حُسنِ عقیدت کا اظہار نہیں ہے اور یہ خوبی پہلی

دعویٰ ہرگز نہیں ہے۔ کتاب ہذا کے مضامین اس کے لیے شواہد و براہین کا کام دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب سب سے بڑی حجت ہے اور خدا سے بڑھ کر اور کون سچا ہوسکتا ہے؟ اور اس کے بعد تاریخ صحیح کو مضبوط دلیل کا درجہ حاصل ہے۔

اس مقام پر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور کوئی بھی اسے عاجز نہیں کرسکتا۔ خدا کی مشیت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ بندوں کے سامنے انسانیت کے اعلیٰ ترین نمونوں کو پیش کرے اور وہ نمونے اتنے بے مثال ہوں کہ ان پر خدا کو ناز ہو اور انسانوں کو بھی ناز ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے سامنے اپنی قدرتِ کاملہ کے دو نمونے پیش کیے ہیں جن کی انسانیت کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

خدا کی قدرت کا پہلا شاہکار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور قدرتِ الٰہیہ کے دوسرے شاہکار کا نام حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔

میرے دل میں مدت سے یہ خواہش کروٹیں لے رہی تھی کہ میں بھی خریدارانِ یوسفؑ میں اپنا نام لکھاؤں اور امام علیہ السلام کے کچھ مواہب و مناقب لکھوں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ میں سمجھتا ہوں کہ انسانیت کو اپنی صلاح و فلاح کے لیے آپؑ کی سیرت اور رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن اس ناپیدا کنار سمندر کو کوزے میں بند کرنا ناممکن ہے۔ آپؑ کی زندگی کے دسیوں پہلو ہیں اور ہر پہلو اس قابل ہے کہ اس پر دسیوں مجلات لکھی جاسکتی ہیں۔ یہی سوچ کر میں اس کام کی جرأت نہ کرسکا۔

پھر ۱۳۸۶ھ کو رمضان کا چاند طلوع ہوا۔ اس مہینہ کی برکت یہ ہے کہ مسلمانوں میں عباداتِ الٰہی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور دین کی طرف توجہ میں اضافہ ہوتا ہے اور اس ماہ میں ہر مسلمان نیک اعمال بجا لانے کی مقدور بھر کوشش کرتا ہے۔ کربلا معلیٰ میں مقیم ہمارے نوجوانوں نے ماہِ مبارک کی راتوں میں دروس کا اہتمام کیا اور دروس میں خطاب کرنے کی سعادت قسامِ ازل نے میرے مقدر میں لکھی۔

میں نے سوچا کہ اس ماہ کے دروس میں ایسے عنوان پر بحث کی جائے، جس سے خدا

کی رضا حاصل ہو اور سننے والوں کو اجر وثواب ملے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اس مبارک مہینہ کے شبانہ دروس میں امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت پر گفتگو کی جائے اور اسی عنوان کو اپنی گفتگو کا محور قرار دیا جائے، کیونکہ اس سے دینی، علمی، روحانی اور تربیتی فوائد کا حصول یقینی ہے اور یہ موضوع تمام بندگانِ خدا کے لیے فائدہ مند ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام پر گفتگو درحقیقت اسلام حقیقی پر گفتگو ہے، کیونکہ آپؑ کے حالاتِ زندگی کے بیان سے اسلام کے آغاز سے علم وابستہ ہے اور اُن سے اسلام کی اثرانگیزی کھل کر سامنے آتی ہے اور پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی مساعی کا کھل کر اظہار ہوتا ہے۔

ہم اپنی گفتگو میں امام مہدی علیہ السلام کی زندگی کے چند پہلوؤں پر بحث کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ آپؑ نے کس طرح سے خون کا دریا تیر کر اسلام کو بچایا تھا اور آپؑ نے پرخطر حوادث کا مقابلہ کس انداز سے کیا تھا؟

جی ہاں! اسلام کی تاریخ میں ایسے پرخطر مواقع بھی آئے جب لوگوں کے چہروں کی رنگت اُڑ گئی تھی اور دل حلقوم تک جا پہنچے تھے تو ان خونی مناظر میں ابوطالبؑ کے لعل کا کردار کیا تھا؟

ہم ان حوادث کے سلسلہ کی ابتدا ایامِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کریں گے اور اس ضمن میں ہم آنحضرتؐ کی مخفی اور کھلی عداوت کا تذکرہ بھی کریں گے اور اسلام کو درجہ بدرجہ ملنے والی کامیابیوں کا ذکر بھی کریں گے۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد حالات نے اور گھمبیر شکل اختیار کر لی تھی اور تمام کفار غرقِ آہن ہو کر نُورِ خدا کو بجھانے کے درپے ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے غزوات اور قربانیوں کا دور شروع ہوا۔ عرب کی دھرتی انسانی خون سے لالہ زار ہو گئی اور عرب کی وادیاں قبرستانوں میں بدل گئی تھیں۔ ان مشکل ترین مراحل میں حضرت علی علیہ السلام نے جو قائدانہ کردار ادا کیا تھا اور دین کی بقا کے لیے آپؑ نے جو جدوجہد کی تھی اُس کا قدرے تفصیلی ذکر کیا جائے گا۔

حیاتِ پیغمبرؐ میں اسلام کے مجاہدِ اعظم کی زندگی کا ایک اَلم ناک اور طویل باب یہ بھی ہے کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد اسلام کے اس مجاہدِ اعظم نے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی اور روح فرسا

حالات پر صبر کا مظاہرہ کیا تھا۔ آپؑ نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس کی بجائے آپؑ نے اسلام اور مسلمانوں کے وسیع تر مفادات کے تحفظ کے لیے صبر وسکوت کو ترجیح دی تھی۔ اسی حال میں آپؑ نے تقریباً چوتھائی صدی تک زندگی بسر کی۔ آپؑ کا زیادہ تر وقت اپنے بیت و عصمت میں بسر ہوتا تھا۔ آپؑ کے پاس کسی طرح کے حکومتی اور سیاسی اختیارات نہیں تھے۔ اس عرصہ میں آپؑ پر کسی طرح کی مسئولیت کا کوئی بوجھ نہیں تھا، کیونکہ مسئولیت کے لیے قدرت وقوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

آخرکار خلیفہ ثالث کی زندگی کا چراغ گل ہونے سے اُس طویل اور سیاہ رات کا خاتمہ ہوا۔ پھر چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ اب تک سیاست مداروں نے جس شخصیت کو گمنام رکھنے کی پوری کوشش کی تھی اب تمام مسلمانوں کی زبان پر اسی شخصیت کا ہی نام تھا اور غدیر کے اعلان کے بعد سے جو خلافت چھنی گئی تھی پھر وہی خلافت آپؑ کے قدموں میں تھی۔

پھر اس کے بعد آپؑ کی مسئولیت کا دور شروع ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ قانونِ اسلامی کے احکام اور مختلف حالات میں اَحکامِ الٰہی کی تطبیق کے زمانہ کا آغاز ہوتا ہے اور اسی زمانہ میں مخالف نظریات سے ٹکراؤ کا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے آپؑ کو بے انتہا مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہم قدم بہ قدم امیرالمومنینؑ کی تاریخ بیان کریں گے اور آپؑ کی شہادت تک آپؑ کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کریں گے۔ آپؑ نے عدالتِ الٰہی کے جو نمونے قائم کیے تھے ان پر بھی ہم اختصار سے بحث کریں گے اور ہم آپؑ کی ان وصیتوں کو بھی بیان کریں گے جو آپؑ نے اپنی وفات سے قبل ارشاد فرمائی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہم امام علی علیہ السلام کے کچھ کلمات اور آپؑ کے فضائل اور مکارمِ اخلاق کا تذکرہ بھی کریں گے۔

ہم مجبور ہیں کہ ہر حادثہ کی مکمل تفصیل کی بجائے صرف ان جملوں پر قناعت کریں گے، جن کا براہِ راست امام علیہ السلام سے اِرتباط ہو اور غزوات کے مکمل بیان کی بجائے ہم حضرتؑ کے کردار پر ہی بحث کریں۔

ہمیں یقین ہے کہ انسان اپنی پوری کوشش کے باوجود آپؑ کی زندگی کے تمام گوشوں کا

احاطہ نہیں کرسکتا۔ انسانی زبان وقلم اس سے عاجز ہے، کیونکہ آپؑ کی ذات والاصفات کی مثال سمندر کی سی ہے، جس کے اطراف تک رسائی ناممکن ہے اور اس کی گہرائی کا ماپنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

جب بھی کوئی انسان امام علیہ السلام کی شخصیت پر بحث کرنے لگتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے سامنے غیر متناہی جہان کھڑا ہے اور وہ اس کی فضا میں پرواز کر رہا ہے لیکن تھوڑی سی پرواز کے بعد اس کے پروں کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔

جہاں آپؑ کی ذات لامتناہی ہے اور ہمارے افکار کی سرحدیں انتہائی محدود ہیں تو پھر حق یہ ہے کہ اگر ہم آپؑ کا مکمل ادراک نہیں کرسکتے تو کم از کم اس کے کچھ پہلوؤں کو تو اُجاگر کیا جائے۔

آیئے اب ہم آپ کو صحن سید الشہداء ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام کے سامنے واقع جامع صافی میں لے چلتے ہیں اور حسب ذیل گفتگو سے آپ کے اذہان عالیہ کو معطر کرتے ہیں۔

□□□

خدا کی قدرت لامحدود ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ الْکِرَامِ الْبَرَرَۃِ

ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اس ماہِ مبارک کے دروس میں ہم اُس شخصیت پر گفتگو کریں گے جس کی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اور وہ شخصیت ہمارے آقا ومولا امیرِ کائنات ابوالحسن حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ہے اور ہم اپنی گفتگو کا آغاز کعبہ میں حضرتؑ کی ولادت باسعادت سے کریں گے۔

البتہ واقعہ بیان کرنے سے پہلے اگر تمہیدی گفتگو کی جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہوگا۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کی کتاب قرآنِ کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور اُمتِ قرآن ہونے کی وجہ سے ہمیں خارق عادت واقعات اور ماوراء الطبیعیات پر بھی ایمان رکھنا پڑتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں بہت سے خارقِ عادت واقعات بیان کیے گئے ہیں اور ان واقعات کو آپ "ماورائیات" اور "میٹافزکس" اشیاء کا نام دے سکتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں، جن کا تعلق "ماورائیات" سے ہے اور بحیثیت مسلمان ہم ان واقعات کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا انکار کرسکتے ہیں، کیونکہ ہم قرآن کو ہر طرح کے شک وشبہ سے بلند وبرتر سمجھتے ہیں اور ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ باطل کا قرآن میں گزر نہیں ہے اور باطل قرآن کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے۔

مثلاً آگ کی فطرت میں جلانا شامل ہے اور آگ کی طرف جلانے کے عمل کی نسبت ایک بدیہی الثبوت معاملہ ہے۔ جب کہ قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے بت خانہ میں داخل ہو کر بت توڑے تو اُس وقت کے لوگوں نے حضرتؑ کو جلانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آپؑ کے جلانے کے لیے آگ روشن کی گئی اور آپؑ کو منجنیق میں بٹھا کر آگ میں ڈالا گیا۔ اس وقت خدا نے یہ ندا دی:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (سورۂ انبیاء: آیت ۶۹)

"اے آگ! ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک ہو جا اور سلامتی بن جا"۔

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ جب خدا نے آگ سے فرمایا: "ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک بن جا" تو نارِ نمرود میں اتنی ٹھنڈک پیدا ہوئی جو کہ آپؑ کے لیے ناقابلِ برداشت تھی تو خدا نے فوراً آگ سے کہا کہ ابراہیمؑ کے لیے سلامتی بن جا۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا تذکرہ کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ وہ اژدہا بن جاتا تھا اور اس نے اژدہا بن کر جادوگروں کی مصنوعی رسیوں کو نگل لیا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی عصا بن گیا۔

قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑے معجزات عطا کیے تھے۔ آپ پیدائشی اندھوں کو بینائی اور مبروص افراد کو تندرستی عطا کرتے تھے اور مُردوں کو دوبارہ زندہ کرتے تھے۔

چنانچہ قرآن کریم کے تین مقامات پر اس معجزے کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح کے حالات و واقعات انبیائے کرامؑ کی زندگی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، جن سے انسان کو خدا کی لامتناہی قدرت کا یقین ہو جاتا ہے اور انسان تسلیم کر لیتا ہے کہ تمام موجودات خدا کے حکم و ارادہ کی پابند ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے موقع پر دیوارِ کعبہ کے شق ہونے میں بھی کوئی شک نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ خدا کی قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ ہے۔

علیؑ مولودِ کعبہ

جب حضرت فاطمہؑ بنت اسد کو حمل کے نویں ماہ دردِ زہ محسوس ہوئی تو آپ اپنے گھر

سے نکل کر مسجد الحرام آئیں اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپؑ نے تسہیلِ ولادت کے لیے دُعا کی اور دُعا میں یہ کہا:

یارب انی مومنہ بك وبکل کتاب انزلتہ وبکل رسول ارسلتہ ..... ومصدقۃ بکلامك وکلا م جدی ابراھیم الخلیل علیہ السلام وقد بنٰی بیتك العقیق واسألك بحق انبیائك المرسلین وملائکتك المقربین وبحق ھذا الجنین الذی فی أحشائی..... اِلّا یسّرت علیّ ولادتی

”پروردگارا میں تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور تیری نازل کی ہوئی ہر کتاب اور تیرے بھیجے ہوئے ہر رسول پر ایمان رکھتی ہوں۔ میں تیرے اور اپنے جدِّ نامدار ابراہیم علیہ السلام کے کلام پر ایمان رکھتی ہوں۔ اسی نے تیرے اس قدیم گھر کو بنایا تھا۔ میں تجھے تیرے انبیائے مرسلین اور ملائکہ مقربین کے حق کا واسطہ دیتی ہوں اور تجھے اس امانتِ الٰہیہ کا واسطہ دیتی ہوں جو کہ میرے صدفِ عصمت کی زینت ہے، میرے لیے ولادت کے مرحلہ کو آسان فرما“۔

سیّدہ کی دعا ختم ہوئی اور رُعب اسداللہ سے ”دیوارِ کعبہ کا کلیجہ پھٹ گیا“۔ دیوارِ کعبہ اس مقام سے شق ہوئی جسے ”مستجار“ کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد بی بی کعبہ میں داخل ہوئیں۔ پھٹی ہوئی دیوار دوبارہ مل گئی اور سیّدہؑ نے وہاں حضرت علی علیہ السلام کو جنم دیا۔ (بحار، جلد۹)

ہم سب اس بات سے آگاہ ہیں کہ کعبہ کا دروازہ موجود تھا جہاں سے انسان کعبہ میں داخل ہوسکتا تھا، لیکن قدرت نے دروازہ نہ کھلوایا، اس کے بجائے دیوارِ کعبہ شق ہوئی تاکہ علیؑ کی آمد کی واضح نشانی دکھائی جائے اور کل کلاں کوئی یہ نہ کہے کہ فاطمہ بنت اسد معروفِ طواف تھیں۔ جب وقتِ ولادت قریب آیا تو آپؑ دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں۔

اس معجزہ کا عجیب پہلو یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی کئی بار تعمیر تو ہوئی، لیکن وہ نشان دیوارِ کعبہ

میں آج بھی موجود ہے۔ حکومت نے اس شگاف کو چاندی اور شیشہ سے بھرا ہے، مگر اس نشان کو آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ بہت سے حجاج کرام اس دیوار کا بوسہ لیتے ہیں اور اس سے اپنے سینوں کو مس کرتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر خدا سے دعا مانگتے ہیں۔

شیخ طوسی "امالی" میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت عباس بن عبدالمطلب اور یزید بن قعنب بیٹھے ہوئے تھے اور بنی ہاشم اور بنی عبدالعزیٰ بیت اللہ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم وہاں آگئیں۔ اُس وقت اُنھیں حمل کے نو ماہ پورے ہو چکے تھے۔

بی بی بیت اللہ کے سامنے کھڑی ہوئیں۔ اُنھیں دردِ زہ لاحق تھا۔ اُنھوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر دعا کی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

الغرض بی بی کعبہ کے اندر چلی گئیں۔ پھٹی ہوئی دیوار دوبارہ مل گئی جب کہ دروازہ بند تھا۔ حضرت ابوطالبؑ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ وہ اپنے ساتھ اپنے خاندان کے افراد کو بھی لے کر آئے اور کوشش کی کہ کسی طرح سے کعبہ کا دروازہ کھل جائے اور خواتین کو بی بی کی مدد کے لیے بھیجا جائے، لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔

اس سے اُنھیں یقین ہو گیا کہ یہ معاملہ خدا کی طرف سے ہے۔ بی بی نے اندرونی حالات یوں بیان کیے کہ جب میں کعبہ میں داخل ہوئی تو میں کچھ دیر اندر سرخ مرمر پر بیٹھی۔ اتنے میں میرا فرزند علیؑ پیدا ہوا۔ مجھے اس کی ولادت سے کسی درد اور تکلیف کا احساس نہ ہوا۔

الغرض امیر المومنینؑ کی والدہ ماجدہ تین دن تک کعبہ میں رہیں۔ یہ خبر پورے مکہ میں پھیل گئی اور تمام لوگ اس واقعہ کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ لوگ مسجد الحرام میں جمع ہوئے تاکہ اس حادثہ کی نوعیت معلوم کریں۔

جب تیسرا دن ہوا تو حضرت فاطمہ بنت اسد اسی مقام سے باہر آگئیں جہاں سے وہ داخل ہوئی تھیں اور آپ نے اپنے ہاتھوں پر چاند سے بھی زیادہ حسین بچہ کو اُٹھایا ہوا تھا۔

وہاں پر موجود مجمع بی بی کی طرف بڑھا۔ اس وقت بی بی نے مسجد الحرام کے صحن میں یہ خطبہ دیا:

مادرِ امیر المومنینؑ کا خطبہ

حضرت فاطمہ بنت اسدؑ نے حاضرین سے خطاب کیا اور ارشاد فرمایا:

معاشر الناس! ان الله عزوجل اختارنی من خلقه وفضلنی علی المختارات ممن معنی من قبلی وقد اختار الله آسية بنت مزاحم فانها عبدت الله سرا فی موضع لا يحب ان يعبد الله فيها الا اضطرارا

ومريم بنت عمران حيث هانت السيرت ولادة عيسٰی فحفرت الجذع اليابس من النخلة فی فلاة من الارض حتّٰی تساقط عليها رطبا جنيا وان الله اختارنی ﴿فضلنی﴾ عليها وعلی کل من معنی قبل من نساء العالمين لانی ولدت فی بيته العقيق وبقيت فيه ثلاثة ايام اکل من ثمار الجنة وارزاقها..... الی آخرہ

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی مخلوق میں سے چُنا ہے اور مجھے پہلی خواتین پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسیہ بنت مزاحم کا انتخاب کیا۔ اس نے چھپ کر ایسی جگہ پر خدا کی عبادت کی تھی جس میں اضطراری حالت کے بغیر خدا نہیں چاہتا کہ اس مقام پر اس کی عبادت کی جائے۔

اللہ نے مریمؑ بنت عمران کا انتخاب کیا، جب اُن کے ہاں عیسٰیؑ کی ولادت ہوئی تھی تو اُنھوں نے بھوک مٹانے کے لیے ویران جگہ پر ایک خشک کھجور کو ہلایا تھا اور اُس سے تازہ کھجوریں گری تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر بھی فضیلت دی اور مجھ سے پہلے تمام جہانوں میں جتنی بھی عورتیں گزری ہیں، اُن سب پر مجھے فضیلت دی، کیونکہ میں نے اپنے بچہ کو خدا کے قدیم گھر میں جنم دیا ہے اور میں نے وہاں تین دن قیام کیا۔ اس عرصہ میں میں جنت کا رزق اور وہاں کے ثمرات کھاتی رہی......"۔

اس تفصیل کے بعد اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا اور خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ پر تعجب کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اگر خدا اپنے ولی کی ولادت کے لیے زمین کے افضل ترین حصہ کا انتخاب کرلے تو پھر اُس میں تعجب کا کیا مقام ہے؟ اور اگر خدا اپنے ولی کے زچہ خانہ کو ممتاز کرنا چاہے تو پھر اُس میں شک کیسا اور حیرت کیسی؟

اگر خدا اپنے مقرب بندوں پر عطیات و احسانات کی بارش کرے، تا کہ وہ خدا کے ہاں ان کی محبوبیت کی دلیل بن جائے تو پھر اس میں کون سی قباحت ہے اور اس میں کیا رکاوٹ ہے؟

حضرت علی علیہ السلام کی حرم میں ولادت کا تذکرہ شیخ مفیدؒ (المتوفی ۴۱۳ھ) نے اپنی کتاب ارشاد میں کیا ہے۔ اس طرح سے شیخ طوسیؒ اور ماہر انساب علی بن ابی الغنائم اور شہیدؒ نے مزار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ سیّد ابن طاؤسؒ نے مصباح میں اور علامہ حلیؒ (المتوفی ۷۲۶ھ) نے اپنی کتاب ''کشف الحق وکشف الیقین'' میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

قرنِ دوم کے شاعر سیّد حمیری نے حضرتؑ کی ولادت پر حسب ذیل نظم قلم بند کی تھی ۔

ولدته فی حرم الاله وامنه	والبیت حیث فناؤه والمسجد
بیضاء طاهرة الثیاب کریمة	طابت وطاب ولیدها والمولد
مالف فی خرق القوابل مثله	الا ابن آمنة النبی محمد

''ان کی والدہ ماجدہ نے انھیں خدا کے حرم اور مقام امن میں جنم دیا تھا۔
وہ خاتون انتہائی عفیفہ و پاک باز تھیں۔ وہ خاتون خود بھی پاک تھیں، ان کا نومولود بھی پاک تھا اور زچہ خانہ بھی پاک تھا۔ جیسے آج تک دائیوں کے کپڑوں میں اس جیسے طاہر کو نہیں لپیٹا گیا۔ البتہ فرزند آمنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں''۔

اسی طرح سے شاعر محمد بن منصور سرخسی نے بھی حضرتؑ کی اس فضیلت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ موصوف چھٹی صدی ہجری کے فرد تھے۔ انھوں نے یہ کہا تھا:

ولدته منجبة وكان ولادها   فی جوف کعبة افضل الاکنان

حضرتؑ کی ولادتِ کعبہ کا ذکر صرف شیعہ علماء تک محدود نہیں ہے۔ بہت سے سُنّی علماء نے بھی اس حقیقت کو نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کو مسعودی نے مروج الذہب اور اثبات الوصیہ میں اور عبدالحمید خان دہلوی نے اُسے سیرت الخلفاء میں لکھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے محدثین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

عبدالباقی العمری اور عبدالمسیح انطاکی نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے: وسطِ کعبہ میں آپؑ کی ولادت کا واقعہ متفق علیہ ہے۔ اور یہ آپؑ کی وہ خاصیت ہے جس میں کوئی بھی آپؑ کا شریک نہیں ہے۔ آپؑ سے پہلے کوئی کعبہ میں پیدا ہوا اور نہ ہی آپؑ کے بعد کسی کی کعبہ میں ولادت ہوئی۔

محمود آلوسی نے عبدالباقی العمری کے قصیدہ کی شرح میں یہ الفاظ لکھے: "امیرالمومنین علی علیہ السلام کا کعبہ میں پیدا ہونا دنیا کا مشہور واقعہ ہے اور اسے شیعہ سُنّی علماء نے نقل کیا ہے...... جیسا کہ آپؑ کی ولادت مشہور ہے۔ اتنی کسی کی بھی ولادت کو شہرت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

سچ یہ ہے کہ ابوالائمہ کی ولادت کے لیے کعبہ سے بہتر جگہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ نے آپؑ کی ولادت اس جگہ کرائی جو کہ اہلِ ایمان کا قبلہ ہے۔ پاک ہے وہ ذات، جس نے اشیاء کو اُن کے مناسب مقام پر رکھا ہے اور وہ احکم الحاکمین ہے۔

حضرت ابوطالبؑ نے اپنی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسدؑ کو نومولود کی مبارک دی اور اپنے فرزند کو اُٹھا کر سینہ سے لگایا، پھر ان کی والدہ کے حوالے کیا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ابنِ عم کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ آنحضرتؐ کے جمالِ مبارک پر نومولود کی نظر پڑی تو مسکرانے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسا کہ ایک سال کا بچہ مسکرا رہا ہو۔

آنحضرتؐ نے اپنے ابنِ عم کو اُٹھایا اور آپؑ کو بوسے دیئے اور آپؐ نے اس مولود ذی جود کی ولادت پر خدا کی حمد کی۔ آپؐ علمِ الٰہی سے جانتے تھے کہ یہی مولود آپؐ کا بھائی اور وزیر ہوگا اور یہی بچہ اوّل المومنین ہوگا اور یہی معصوم بچہ مستقبل میں دینِ خداوندی کی ترویج و تبلیغ کرے گا۔

الغرض اس معصوم بچے نے رسول خدا ﷺ کو سلام کیا، اور اس کے بعد نومولود نے ان آیات کی تلاوت کی:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (سورۂ مومنون: آیت ۱ تا ۱۱)

"یقیناً اُن اہلِ ایمان نے فلاح پائی ہے، جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے اور جو لغویات سے منہ موڑنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ کا عمل انجام دینے والے اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور اُن کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت ہوتی ہیں ان کے لیے وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ جو ان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے جنسی تسکین تلاش کرے تو وہ زیادتی کرنے والے ہیں اور وہ جو کہ اپنی امانتوں اور معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں اور جو کہ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہوں گے جو کہ فردوس کی وراثت پائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے"۔

رسول اکرم ﷺ نے جب اپنے بھائی کی زبان سے یہ آیات سنیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

انت واللہ امیرھم تمیرھم من علومک فیمتا رون وانت واللہ دلیلھم ربک یھتدون

"فلاح پانے والوں کا امیر تُو ہے اور تُو انھیں اپنے علوم کا رزق فراہم کرے گا اور وہ حاصل کریں گے۔ خدا کی قسم! تُو اُن کا رہبر ہے اور تیرے ہی ذریعہ سے وہ ہدایت پائیں گے"۔

رئیس مکہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے بیٹے کی ولادت کی خوشی میں بہت بڑی خیرات کا اہتمام کیا اور منادی کرائی: "لوگو! آؤ میرے فرزند کی پیدائش کے ولیمہ میں شرکت کرو"۔

بیضۃ البلد ابوطالبؑ نے اپنے فرزند کی پیدائش پر تین سو اُونٹ اور ایک ہزار گائے اور بکریاں ذبح کرائیں اور اہلِ مکہ کو عظیم ولیمہ دیا اور لوگوں سے فرمایا:

"جو میرے فرزند کے ولیمہ میں شرکت کا خواہش مند ہے تو وہ آئے اور بیت اللہ کے گرد سات اَشواط پر مشتمل طواف کرے اور میرے فرزند پر سلام کرے۔ اللہ نے میرے بیٹے کو شرف عطا کیا ہے"۔ (بحارالانوار، جلد۹)

دوسوال اور اُن کے جوابات

اس مقام پر دوسوال پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے تین دن کی عمر میں کس طرح کلام کیا؟

۲۔ اُنھوں نے پیدائش کے بعد قرآن کیسے پڑھا، جبکہ اس وقت تک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزولِ قرآن کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرتؑ کا تین دن کی عمر میں کلام کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے بی بیؑ پر اعتراض کیا اور کہا:

"اے خواہرِ ہارونؑ! تیرا والد بُرا تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی (پھر تو کنواری ہو کر ماں کیسے بن گئی؟)"

بتولؑ بی بی نے خود کلام نہیں کیا تھا اُنھوں نے اپنے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف

اشارہ کیا۔

یہودی کہنے لگے: ہم پنگوڑے میں لیٹے ہوئے ایک معصوم بچے سے کیونکر کلام کریں؟

قرآنِ کریم بیان کرتا ہے کہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوری تقریر کی اور ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ..... الی آخرہٖ

"میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے"۔ (سورۂ مریم: آیت ۳۰)

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پنگوڑے میں کلام کر سکتے ہیں تو حضرت علی علیہ السلام تین دن کی عمر میں کلام کیوں نہیں کر سکتے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس لیے کلام کیا تھا کہ وہ نبی تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے اس لیے کلام کیا تھا کہ آپؑ نبیؐ کے خلیفہ اور وصی تھے۔ آپؑ کی گفتگو قدرتِ خداوندی کی شاہد تھی اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝

"ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا"۔

جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موقع محل کے مطابق تیئیس برس تک نازل ہوتا رہا۔

قرآن کے نزول کے دو مرحلے ہیں: ایک مرحلہ کو "اِنزال" اور دوسرے مرحلہ کو "تنزیل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"اِنزال" کسی چیز کے یکبارگی نزول کو کہا جاتا ہے اور "تنزیل" رفتہ رفتہ نزول کو کہا جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ قدر میں لفظ انزلنا ہے جو کہ انزال سے مشتق ہے، جس کا معنی یکبارگی نازل کرنا ہے۔

اہلِ بیت علیہم السلام نے اس مشکل کو یوں حل فرمایا کہ خدا نے قرآن کو آسمانِ دنیا پر

یکبارگی نازل کیا تھا۔ یہ مرحلہ انزال کا مرحلہ ہے۔ پھر موقع محل کے مطابق ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُسے نازل کیا یہ تنزیل کا مرحلہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے قرآن آسمانِ دنیا پر اُتارا جاچکا تھا پھر خدا نے جس بچہ کی ولادت کے لیے خانہ کعبہ کا انتخاب کیا اگر اس پر قرآن کی کچھ آیات کا الہام کر دیا ہو تو پھر اس میں تعجب کیسا؟ [1]

آپؑ کی ولادت ۱۳ رجب کو ہوئی اور عام الفیل کا تیسواں برس تھا۔
ایک قولِ ضعیف یہ بھی ہے کہ آپؑ کی ولادت اس سے پہلے ہوئی تھی۔

---

[1] اس طرح کے اعتراض صرف اس لیے کیے جاتے ہیں چونکہ قرآن پڑھنے کی نسبت حضرت علی علیہ السلام کی طرف ہے، اس لیے لوگوں کو اس طرح کے اعتراض سُجھائی دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کو ہم ایک اور طریقہ سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ تمام مسلمان یہ مانتے ہیں کہ اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاتعداد معجزات عطا کیے تھے۔ آپؐ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپؐ جب مقام اعجاز پر کنکروں اور سنگریزوں کو اپنے ہاتھ پر اُٹھاتے تو وہ کلمہ پڑھنے لگ جاتے تھے۔ حالانکہ پتھر بے جان ہیں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کا معجزہ ہے کہ وہ آپؐ کے ہاتھ پر پہنچ کر بولنے لگ جاتے تھے اور کلمہ پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ جس نبیؐ کے ہاتھ کا یہ کمال ہو کہ بے جان پتھر بھی بولنے لگ جائیں، اب اگر اسی نبیؐ کے ہاتھ پر جان دار علیؑ قرآن پڑھنے لگے تو اس میں تعجب کیوں ہے اور حیرانگی کی کیا بات ہے؟

مسلمِ اوّل شاہِ مرداں علیؑ

آج کی شب ہمارا عنوان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی تربیت کس نے کی اور کس انداز میں کی؟

تاریخ اسلام بیان کرتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی تربیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ سایہ ہوئی تھی۔ خدا جانے کائنات کے عظیم مربی نے اپنے بھائی کی تربیت کیسے کی تھی اور لائق و فائق بھائی نے اس تربیت سے کیا کچھ حاصل کیا تھا؟

ہمارے پاس اس کے لیے مناسب الفاظ موجود نہیں ہیں۔ آیئے اس داستان کو خود امیرالمومنین علیہ السلام کی زبانی سماعت فرمائیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی تربیت کی کہانی خود اُن کی زبانی

آپؑ نے اپنے مشہور خطبہ "قاصعہ" میں اپنی تربیت کی کہانی کو یوں بیان فرمایا:

أَنَا وَضَعْتُ فِي الصِّغَرِ بِكَلَاكِلِ الْعَرَبِ وَكَسَرْتُ نَوَاجِمَ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ وَقَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ وَالْمَنْزِلَةِ الْخَصِيْصَةِ وَضَعَنِيْ فِيْ حِجْرِهِ وَأَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِيْ إِلَى صَدْرِهِ وَيَكْنُفُنِيْ فِيْ فِرَاشِهِ وَيُمِسُّنِيْ جَسَدَهُ وَيُشِمُّنِيْ عَرْفَهُ وَكَانَ يَمْضَغُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيْهِ وَمَا وَجَدَ لِيْ كَذْبَةً فِيْ قَوْلٍ، وَلَا خَطْلَةً فِيْ فِعْلٍ، وَلَقَدْ قَرَنَ اللهُ بِهِ طَرِيْقَ الْمَكَارِمِ، وَمَحَاسِنَ أَخْلَاقِ الْعَالَمِ، لَيْلَهُ وَنَهَارَهُ، وَلَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ بِحِرَاءَ فَأَرَاهُ وَلَا يَرَاهُ غَيْرِيْ وَلَمْ يَجْمَعْ بَيْتٌ وَاحِدٌ فِيْ

الْإِسْلَامِ غَيْرَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ ، وَخَدِيْجَةَ وَاَنَا ثَالِثُهُمَا اَرٰى نُوْرَ الْوَحْيِ وَالرِّسَالَةِ ، وَاَشُمُّ رِيْحَ النُّبُوَّةِ ، وَلَقَدْ سَمِعْتُ رَنَّةَ الشَّيْطَانِ حِيْنَ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ، فَقُلْتُ ، يَارَسُوْلَ اللهِ مَا هٰذِهِ الرَّنَّةُ فَقَالَ : هٰذَا الشَّيْطَانُ قَدْ اَيِسَ مِنْ عِبَادَتِهٖ اِنَّكَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ ، وَتَرٰى مَا اَرٰى اِلَّا اِنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ وَلٰكِنَّكَ لَوَزِيْرٌ، وَاِنَّكَ لَعَلٰى خَيْرٍ۔

''میں نے تو بچپن ہی میں عرب کا سینہ پیوند زمین کر دیا تھا اور قبیلہ ربیعہ و مضر کے اُبھرے ہوئے سینگوں کو توڑ دیا تھا۔ تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام اُن کے نزدیک کیا تھا؟

میں ابھی بچہ ہی تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔ آپؐ مجھے اپنے سینہ سے چمٹائے رکھتے تھے۔ بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسمِ مبارک کو مجھ سے مَس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپؐ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ اُنھوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا اور نہ ہی میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپؐ کی دودھ بڑھائی کے وقت سے ہی فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت مَلَک (روح القدس) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا جو اُنھیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں اُن کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اُونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔

آپ ہر روز میرے لیے اَخلاقِ حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ آپؐ ہر سال (کوہ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے۔ وہاں میرے علاوہ اُنھیں کوئی نہیں دیکھتا تھا۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور (اُم المومنین) خدیجہؑ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام موجود نہ تھا۔ البتہ ان میں میں تیسرا تھا۔ میں وحی و رسالت کا نُور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپؐ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی۔ میں نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! یہ چیخ کیسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

(اے علیؑ) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں اُسے تم بھی دیکھتے ہو۔ فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر اور جانشین ہو اور یقیناً تم بھلائی کی راہ پر ہو"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۰)

علامہ حلیؒ نے اس خطبہ کو کشف الیقین میں بھی نقل کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مادرِ امیرالمومنینؑ سے فرماتے تھے کہ اس کا جھولا میرے بستر کے قریب رکھو۔

آنحضرتؐ اپنے بھائی کی تربیت و کفالت کیا کرتے تھے۔ آپؐ بچپن میں ننھے بھائی کو خود نہلاتے تھے اور اُنھیں اپنے ہاتھ سے دودھ پلاتے تھے اور سونے کے وقت خود جھولا جھلاتے تھے اور اُنھیں لوریاں سناتے تھے، اور آپؐ انھیں اپنے سینہ پر اُٹھاتے تھے اور کہا کرتے تھے:

"یہ میرا بھائی اور میرا وارث ہے اور یہ میرا اصفی ہے، یہ میرا سرمایہ ہے اور یہ میرے لیے حفاظتی چٹان ہے اور یہ میرا پشت پناہ ہے۔ میرا وصی ہے اور میرا داماد ہے اور یہ میری وصیتوں کا امین ہے اور میرا جانشین ہے"۔

آنحضرتؐ اپنے چھوٹے بھائی کو ہمیشہ کندھوں پر اُٹھائے رہتے تھے اور اُنھیں پہاڑوں کی گھاٹیوں اور مکہ کی وادیوں کی سیر کراتے تھے۔ (بحار، ج۹)

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام پر اپنا خصوصی کرم کیا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کا بچپنا تھا کہ مکہ میں سخت قحط پڑ گیا جب کہ حضرت

ابوطالبؑ کثیر العیال تھے۔

اس وقت رسولِ خدا اور آپؐ کے چچا عباس کے مالی حالات اچھے تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچا عباس سے فرمایا کہ ابوطالبؑ کثیر العیال ہیں اور ہر طرف قحط کا دور دورہ ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں اور ان کا بوجھ ہلکا کریں۔ میں ان کے ایک بیٹے کو اپنی گود میں لے لوں گا اور ایک بیٹے کو آپ اپنی آغوش میں لے لیں۔

عباس نے کہا: یہ تجویز مناسب ہے۔ چنانچہ دونوں حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ جب تک حالات بہتر نہیں ہوتے تب تک ہم آپ کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: آپ عقیلؓ کو میرے پاس رہنے دو، اس کے علاوہ آپؐ جو چاہیں فیصلہ کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا بازو تھاما اور اُنھیں سینہ سے لگایا اور حضرت عباسؓ نے جنابِ جعفرؓ کو سینہ سے لگایا۔

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام مسلسل رسولِ خدا کی تربیت میں رہے، یہاں تک کہ آپؐ کو خدا نے نبوت پر مبعوث فرمایا۔ حضرت علیؑ آپؐ کے پیروکار تھے۔ وہ فوراً آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب کیا اور ان کی خوب تربیت کی اور حضرت علیؑ بھی آپؐ کے انتہائی فرماں بردار تھے۔ اُن کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ رسولؐ خدا کی رضا کو مدنظر رکھیں۔

آغازِ وحی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آوازیں سنائی دیتی تھیں اور آپؐ کو خواب دکھائی دیتے تو آپؐ انھیں اُم المومنین حضرت خدیجہؑ اور حضرت علی علیہ السلام کے سامنے بیان کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؑ انھیں تسلیاں دیتی تھیں اور حضرت علی علیہ السلام آپؐ کو مبارک دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے دادا (عبدالمطلب) نے آپؐ کے متعلق جھوٹ نہیں کہا تھا اور کاہنوں نے آپؐ کے متعلق جو کچھ بیان کیا تھا وہ بھی غلط نہیں ہے۔ الغرض وقت کی نبضیں دھڑکتی رہیں

یہاں تک کہ وہ وقت بھی آپہنچا جب خدا نے آنحضرتؐ کو تبلیغ رسالت کا حکم دیا۔

اس وقت عورتوں میں سے حضرت خدیجہؑ آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور مردوں میں سے حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے۔ اس وقت آپؑ کی عمر صرف دس برس کی تھی۔

حضرت خدیجہؑ دیکھتی تھیں کہ ان کے شوہر نامدار حضرت علیؑ پر بے حد شفقت کرتے ہیں اور ہر طرح سے اُن کا خیال رکھتے ہیں تو حضرت خدیجہؑ بھی حضرت علیؑ کو اپنی آنکھ کا تارا سمجھتی تھیں اور ہمیشہ حضرت علیؑ کو صاف ستھرے کپڑے پہناتی تھیں اور آپؑ کو نہلا دُھلا کر آپؑ کے بال سنوارتی تھیں۔ الغرض حضرت خدیجہؑ نے آپؑ کو وہ پیار دیا جو کوئی ماں اپنے بیٹے کو دے سکتی ہے۔

علم نفسیات و تربیت کے ماہرین یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ انسان کا کردار اور اُس کے اَخلاق کا دارومدار اُس کی بچپن کی تربیت پر ہوتا ہے اور ہر شخص کی زندگی اس کے تربیت کرنے والے کی عکاس ہوتی ہے اور کسی بھی بچے کی تربیت کو دیکھ کر اس کے مستقبل کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔ جس بچے کو بچپن میں حقارت اور نفرت ملے تو جب وہ بڑا ہوگا تو وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہوگا۔

الغرض ہر انسان کی شخصیت کی بلندی اور پستی میں تربیت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اگر کسی بچے کی تربیت بہتر انداز سے کی جائے تو اُس میں شرافتِ نفس، بلند ہمتی اور روحانی بلندی دکھائی دے گی۔

مناقب میں ابی رافع سے منقول ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ سے فرمایا تھا کہ میری خواہش ہے کہ آپ اپنا ایک فرزند میرے حوالے کریں، جو میرے معاملات میں میرا ہاتھ بٹائے۔ میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

حضرت ابوطالبؑ نے جواب دیا کہ آپؐ میرے جس بیٹے کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں۔

رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کا انتخاب کیا۔ چنانچہ حضرت علیؑ منبع نبوت سے سیراب ہوئے

اور اُن کی زندگی کے شجر کی رسولِؐ خدا نے آبیاری کی تھی اور رسولِ اکرمؐ نے آپؑ کی ایسی تربیت کی کہ آپؑ تمام دنیا کی امامت و قیادت کے مستحق قرار پائے۔ حضرت علی شجرۂ نبوت کی شاخ برومند ثابت ہوئے۔

سوال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا ہی انتخاب کیوں کیا تھا؟ اس کی دو ممکنہ وجوہات ہوسکتی ہیں:

① آنحضرتؐ نے آپؑ میں غیر معمولی فہم و ذکاوت کا مشاہدہ کیا، جبھی تو ان کا انتخاب کیا تھا۔

② یا پھر وحی الٰہی کے اشاروں کے تحت آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب کیا تھا۔

اگر اُسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست سے تعبیر کیا جائے تو آپؐ کی فراست کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا اور آپؐ کے گمان کو ناکام نہیں کہا جاسکتا۔

اور اگر رسولِؐ خدا نے آپ کا انتخاب وحی الٰہی کے اشاروں پر کیا تھا تو پھر اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا چاہتا تھا کہ جانشین پیغمبرؐ کی تربیت پیغمبرؐ خدا کے ہاتھوں کرائی جائے اور اُسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا عکس بنایا جائے اور اُنھیں میدانِ مباہلہ میں ”نفسِ رسولؐ“ کا لقب دیا جائے۔

چنانچہ ایسے ہی اَرفع و اعلیٰ مقاصد کے لیے رسولِؐ خدا نے آپؑ کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی شخصیت کا آئینہ دار بنانے میں کوئی کمی نہیں کی تھی اور آپؐ نے حضرت علیؑ کو فضائل و مکارم کے سانچے میں ڈھالا تھا۔

رسولِؐ خدا کی تربیت نے حضرت علیؑ کی ذات پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا اور آپؑ میں وہ تمام صلاحیتیں اُجاگر ہوئی تھیں جن سے کوئی بھی انسان انسانیت کی معراج حاصل کرتا ہے۔ اس عظیم تربیت کے نتیجے میں آپؑ خدائی نعمات و عطیات کے مرکز قرار پائے تھے اور آپؑ ولایت، خلافت اور وصایت کے عظیم مناصب کے مستحق ٹھہرے تھے۔ خدا کی طرف سے آپؑ کو عظمت عطا ہوئی اور رسولِؐ خدا کی طرف سے وصایت و خلافت نصیب ہوئی۔ آپؑ کی ذات جوانمردی اور کرم کا اعلیٰ ترین نمونہ ثابت ہوئی۔ آپؑ کی شخصیت میں خود اعتمادی، احساسِ

شخصیت اور عظمت نفس کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور آپؑ بڑی سے بڑی ذمہ داری کا بوجھ اُٹھا سکتے تھے اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے پر تیار رہتے تھے اور اس کا اظہار دعوتِ ذوالعشیرہ میں ہوا۔

دعوتِ ذوالعشیرہ

امالی شیخ میں ابن عباسؓ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (آپؐ اپنے قرابت داروں کو ہوشیار کریں) کی آیتِ مجیدہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے مجھے فرمایا:

> "مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا ہے کہ آپؑ اپنے قرابت داروں کو دعوتِ اسلام دیں۔ مجھے حکمِ پروردگار پر عمل کرنا ہے، اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُن کی طرف سے مجھے پذیرائی نہیں ملے گی۔ آپؑ ایک صاع آٹے کی روٹیاں پکوائیں اور بکری کی ران کا سالن تیار کرائیں اور ایک پیالہ دودھ کا مہیا کریں۔ پھر عبدالمطلب کی تمام اولاد کو دعوت طعام دیں تا کہ میں ان تک خدا کا پیغام پہنچاؤں"۔

میں نے عالی قدر کے فرمان پر عمل کیا اور رشتہ داروں کو دعوت دی۔ چالیس کے لگ بھگ افراد جمع ہوئے۔ اُن میں ابوطالبؑ، حمزہؓ، عباسؓ اور ابولہب بھی شامل تھا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ میں طعام لے آیا۔ رسولِ اکرمؐ نے دیگچی میں سے ایک بوٹی نکالی اور دانتوں سے چبا کر اسے برتن میں ڈال دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا نام لے کر کھانا تناول فرمائیں۔

ہر شخص نے جی بھر کر کھانا کھایا اور ہر شخص اچھی طرح سے سیر ہوا جب کہ تھال میں پڑا ہوا کھانا ویسے کا ویسا بچا ہوا تھا۔ اس پر لوگوں کی انگلیوں کے نشانات تھے۔

اُس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں علیؑ کی جان ہے، جو کھانا تیار کرایا گیا تھا وہ صرف ایک آدمی کے لیے کافی ہوسکتا تھا۔ بعدازاں میں دودھ کا پیالہ لایا، سب نے باری باری جی بھر کر دودھ پیا اور سب کے سب خوب سیراب ہوئے۔

اس کے بعد رسولؐ خدا نے اس مجمع کو خطاب کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے سبقت کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

یہ سننا تھا کہ حاضرین اُٹھ کر چلے گئے اور حبیبؐ خدا گفتگو نہ کر سکے۔

دوسرے دن رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا کہ کل اس شخص نے پہل کی تھی اور مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا تھا اور لوگ اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ آج پھر کل کی طرح دعوت کا اہتمام کرو اور لوگوں کو دوبارہ دعوت دو۔ چنانچہ میں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ کھانا تیار ہو گیا اور کھانے والے بھی پہنچ گئے۔ حضوؐر نے آج بھی کل کے عمل کو دُہرایا۔ سب اچھی طرح سے سیر و سیراب ہوئے۔ پھر آنحضرتؐ نے گفتگو کی اور فرمایا:

"اے اولادِ عبدالمطلب! میں پورے عرب میں کسی ایسے جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس ایسا پیغام لایا ہو جو میرے کلام سے افضل ہو۔ میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی سعادت اور بھلائی کا پیغام لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو مجھ پر ایمان لائے اور میرے معاملات میں میری مدد کرے؟ جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وزیر اور میرے بعد میرے اہل میں میرا جانشین ہوگا"۔

حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ یہ اعلان سن کر تمام افراد نے خاموشی اختیار کی۔ اس وقت میں اُٹھا، میں سن و سال کے اعتبار سے سب سے چھوٹا تھا اور آشوبِ چشم میں مبتلا تھا اور میری پنڈلیاں کمزور تھیں۔

میں نے کہا: اے اللہ کے نبیؐ! میں حاضر ہوں۔ اللہ نے آپؐ کو جو پیغام دے کر مبعوث کیا ہے اُس میں میں آپؐ کا وزیر رہوں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

اِنَّ هٰذَا اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَوَزِیْرِیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْكُمْ فَاسْمَعُوْا لَهُ وَاَطِیْعُوْا

"یقیناً یہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وزیر اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ

ہے۔ تم لوگ اس کا فرمان سنو اور اطاعت بجا لاؤ"۔

لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے حضرت ابوطالبؑ سے کہا: تجھے محمدؐ نے حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کا فرمان سنو اور اُس کی اطاعت بجا لاؤ۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"تم میں سے کسی کو میری مدد کے لیے کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر تم میں سے کوئی کھڑا نہ ہوا تو پھر کوئی تمہارا غیر ضرور کھڑا ہوگا۔ پھر تم پچھتاؤ گے"۔

آپؐ نے تین مرتبہ یہ کلمات دُہرائے۔

حضرت علی علیہ السلام اُٹھے اور اُنھوں نے بیعت کی۔ پھر نبی اکرمؐ نے اُن سے فرمایا: یا علیؑ! میرے قریب آؤ۔

حضرت علی علیہ السلام حضور سرورِ کائناتؐ کے قریب ہوئے۔ انھوں نے منہ کھولا۔ نبی اکرمؐ نے ان کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور اُن کے کندھوں اور سینے کے درمیان لعابِ دہن ڈالا۔

ابولہب نے کہا: تم نے تو اپنے ابنِ عم سے انتہائی بُرا سلوک کیا ہے۔ اُس نے تیری بات قبول کی ہے اور تو نے اُس کے چہرے اور منہ کو تھوک سے بھر دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اُسے علم و فہم اور حکمت و دانائی سے بھرا ہے۔ (بحار: جلد ۹)

مامون عباسی کا مناظرہ

بادشاہ مامون الرشید نے سبقتِ اسلام کے عنوان پر فقہائے اہلِ سنت سے ایک یادگار مناظرہ کیا تھا۔ ہم بقدرِ ضرورت اس کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں:

مامون: اسحاق! یہ بتاؤ کہ جس دن اللہ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا تھا اُس دن سب سے افضل عمل کیا تھا؟

اسحاق: کلمۂ شہادت کا اِخلاص۔

مامون: کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس دن سبقتِ اسلام افضل ترین عمل تھا؟

اسحاق: جی ہاں، میری مراد یہی ہے۔

مامون: قرآنِ کریم نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُوْلٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○

''سبقت حاصل کرنے والے ہی مقرب بارگاہ ہیں''۔

آپ بتائیں کہ کیا کسی نے علیؑ سے پہلے اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کی ہے؟

اسحاق: امیرالمومنین! علیؑ اسلام لائے تو وہ کم سن بچے تھے اور وہ اسلام لانے کے مکلف ہی نہ تھے جب کہ ابوبکر نے اس وقت اسلام قبول کیا جب کہ وہ سن و سال کے لحاظ سے کامل تھے اور وہ شریعت کے مکلف تھے۔

مامون: مجھے یہ بتائیں کہ ان دو میں سے اسلام قبول کرنے میں سبقت کس نے حاصل کی؟ اس کے بعد میں نابالغ اور بالغ پر بحث کروں گا۔

اسحاق: حضرت علی حضرت ابوبکر سے پہلے اسلام لائے تھے۔

مامون: علیؑ کی سبقت اسلامی تو مسلّم ہوگئی۔ اب یہ بتاؤ کہ علیؑ نے جو اسلام قبول کیا تھا انھیں رسول اکرمؐ نے اس کی دعوت دی تھی یا خدا کی طرف سے الہام پا کر انھوں نے ایسا کیا تھا؟

یہ سن کر اسحاق نے سر جھکا لیا۔

مامون: اسحاق! الہام کا نہ کہنا ورنہ علیؑ کو رسولِ خدا سے مقدم ماننا پڑے گا، کیونکہ رسولؐ کو اسلام کی پہچان اس وقت ہوئی جب جبریلؑ آپؐ پر نازل ہوئے۔

اسحاق: جی ہاں، رسولِ خدا نے انھیں دعوت دی تھی۔

مامون: اچھا یہ بتاؤ جب رسولِ خدا نے علیؑ کو دعوت دی تو اللہ کے حکم سے دعوت دی تھی یا ازراہِ تکلف انھوں نے ایسا کیا تھا؟

اسحاق سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

مامون: سیدھی سی بات ہے کہ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسولِ خدا نے انھیں ازراہِ تکلف دعوت دی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مقبول کی زبانی یہ الفاظ کہلائے ہیں:

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ

"میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"۔

اسحاق: جی ہاں! امیر المومنین! نبی اکرمؐ نے خدا کے حکم سے اُنھیں دعوت دی تھی۔

مامون: کیا خدا کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے نبیؐ کو ایسے شخص کو دعوت کا حکم دے جس پر تکلیف شرعی عائد ہی نہ ہوتی ہو؟

اسحاق: خدا کی پناہ، ایسا نہیں ہوسکتا۔

اس طرح سے بادشاہ مامون الرشید نے سبقت اسلام پر دلائل قاہرہ دے کر فقہائے اہلِ سنت کو لاجواب کردیا۔

دعوت ذوالعشیرہ کے وقت حضرت علی علیہ السلام نے بلندیوں کی سمت میں بڑا قدم نہیں اُٹھایا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اُنھیں اس وقت دعوتِ اسلام دی تھی، جب خدا نے اُنھیں غارِ حرا میں مبعوث کیا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب آنحضرتؐ حرا سے رسالت کا بوجھ اُٹھا کر اُترے تھے اور آپؐ نے جب اپنے گھر کا رُخ کیا اور حضرت خدیجہؓ نے دروازہ کھولا تو اُنھوں نے بے ساختہ کہا: یہ کیسا نُور ہے؟

آپؐ نے فرمایا: یہ نبوت کا نور ہے۔ خدیجہؓ! گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔

حضرت خدیجہؓ نے گواہی دی۔ بزمِ خواتین میں سے حضرت خدیجہؓ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ پھر آپؐ نے علیؑ کو اس گواہی کے لیے طلب کیا تو اُنھوں نے فوراً یہ گواہی دی۔ مردوں میں سے حضرت علی علیہ السلام پہلے انسان ہیں، جنھوں نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔

ویسے بھی علیؑ کے اسلام اور باقی لوگوں کے اسلام لانے میں بھی بڑا فرق ہے۔ باقی لوگ جنھوں نے نبی اکرمؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا وہ اس سے قبل غیر موحد تھے۔ ان میں سے کوئی پہلے یہودی تھا تو کوئی نصرانی، کوئی مشرک تھا اور کوئی بت پرست۔ وہ لوگ پہلے کافر یا مشرک تھے پھر مسلمان ہوئے تھے، لیکن علیؑ اعلانِ نبوت سے قبل فطرتِ الٰہی پر قائم تھے۔

آپؑ کے دامن پر شرک و کفر کا کوئی داغ نہیں تھا۔ آپؑ پہلے بھی موحد تھے اور پھر بھی موحد ہی رہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کو جو علوم و معارف تعلیم کیے تھے اس سے آپؑ کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہوا تھا۔ یعنی زمین آمادہ تھی، تخم ریزی کی ضرورت تھی، جیسے ہی آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو علیؑ نے بڑھ کر آپؐ کی تائید و تصدیق کی۔

حضرتؑ کی سبقتِ اسلامی کی کتب اہلِ سنت سے گواہی

آپؑ کی سبقتِ اسلامی کا واقعہ اتنا مسلّم ہے کہ علمائے اہلِ سنت نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس موضوع کی مناسبت سے ہم چند اعترافات کو ذیل میں بیان کرتے ہیں:

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُکُمْ وُرُوْدًا عَلَی الْحَوْضِ اَوَّلُکُمْ اِسْلَامًا عَلِی ابن اَبِی طَالِب

"تم میں سے حوضِ کوثر پر سب سے پہلے علیؑ وارد ہوں گے اور وہی اسلام میں تم میں سے اوّل ہیں"۔

نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

اِنَّ هٰذَا اَوَّلُ مَنْ اٰمِنَ بِی وَهٰذَا اَوَّلُ مَنْ يُّصَافِحُنِی يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهٰذَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَر

"بے شک یہ وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور یہی قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے مصافحہ کرے گا اور یہی صدیق اکبر ہے"۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ صَلَّتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَیَّ وَعَلٰی عَلِیٍّ سَبْعَ سِنِيْنَ لِاَنَّا كُنَّا نُصَلِّیْ وَلَيْسَ مَعَنَا اَحَدٌ يُصَلِّیْ غَيْرُنَا

"ملائکہ میرے اور علیؑ پر سات برس تک درود بھیجتے رہے، کیونکہ ہم اس عرصہ میں نماز پڑھتے تھے اور ہمارے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھتا تھا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَنَا عَبْدُ اللهِ وَاَخُو رَسُولِ اللهِ وَاَنَا الصِّدِّيقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُولُهَا بَعْدِي اِلَّا كَاذِبٌ مُفْتَرِي وَلَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِيْنَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَلّٰى مَعَهٗ

"میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسولؐ اللہ کا بھائی ہوں۔ میں صدیق اکبر ہوں اور میرے بعد جو بھی صدیق اکبر کا دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا اور افترا پرداز ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات برس پہلے رسولؐ خدا کے ساتھ نماز پڑھی اور میں آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والا پہلا شخص ہوں"۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

اَنَا اَوَّلُ رَجُلٍ اَسْلَمَ مَعَ رَسُولِ اللهِ

"میں رسولؐ خدا پر اسلام لانے والا پہلا شخص ہوں"۔

آپؑ نے فرمایا:

اَسْلَمْتُ قَبْلَ اَنْ يُّسْلِمَ النَّاسُ بِسَبْعِ سِنِيْنَ

"میں لوگوں کے اسلام لانے سے سات برس پہلے اسلام لایا تھا"۔

آپؑ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي لَا اَعْرِفُ عَبْدًا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَبَدَكَ قَبْلِي غَيْرَ نَبِيِّكَ ﴿قَالَهٗ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ﴾ ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ صَلَّيْتُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ النَّاسَ

"پروردگار! اِس اُمت میں سے میں کسی کو نہیں جانتا، جس نے تیرے نبیؐ کے علاوہ مجھ سے پہلے تیری عبادت کی ہو"۔ (آپؑ نے اس جملہ کو تین مرتبہ دُہرایا)

پھر کہا: میں نے لوگوں سے پہلے نماز پڑھی ہے۔

آپؑ نے فرمایا:

بَعَثَ رَسُولُ اللهِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَاَسْلَمْتُ يَوْمَ الثَّلَاثَا

''رسولِ اکرم سوموار کے دن مبعوث ہوئے تھے اور میں منگل کے دن اسلام لایا تھا''۔

آپؑ نے اپنی سبقت اسلامی کو اِن اشعار میں فرمایا:

سَبَقْتُکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ طُرًّا
غُلَامًا مَا بَلَغْتُ اَوَانَ حِلْمِی

''میں نے تم سب سے پہلے اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کی ہے۔ اس وقت میں بچہ تھا اور حدِ بلوغت پر بھی نہیں پہنچا تھا''۔

آپؑ نے یہ اشعار بھی ارشاد فرمائے:

اَنَا اَخُو الْمُصْطَفٰی لَا شَکَّ فِی نَسَبِی
بِہٖ رُبِّیْتُ وَسِبْطَا ، ھُمَا وَلَدِی
صَدَّقْتُہٗ وَجَمِیعَ النَّاسِ فِی بِہِمْ
مِنَ الضَّلَالَۃِ والاشراک والمنکر

''میں مصطفیٰ کا بھائی ہوں میرے نسب میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں آنحضرتؐ کے پاس ہی پلا بڑھا اور رسولؐ کے نواسے میرے فرزند ہیں۔ میں نے آنحضرتؐ کی اس وقت تصدیق کی تھی جب تمام لوگ گمراہی، ضلالت اور شرک کی وادیوں میں گم تھے''۔

جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے رسولِ اعظم کے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے۔ رسولِ خدا اشعار سن کر مسکرائے اور فرمایا: اے علیؑ! آپؑ نے سچ کہا ہے''۔

حضرت علی علیہ السلام کی سبقتِ اسلامی کا اعتراف تمام صحابہ اور تابعین کو تھا اور پچاس سے زائد شعراء نے اس واقعہ کو اپنے اَشعار میں پیش کیا ہے۔

قارئین کرام! اس کی تفصیل کے لیے ہمارے بزرگوار شیخ امینی رحمۃ اللہ کی کتاب ''الغدیر'' کی تیسری جلد کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت امینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان پر انتہائی خوب صورت گفتگو کی ہے (ویسے تو اُن کی

ساری گفتگو خوب صورت ہے) اُنھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

"جب ہم حضرت علیؑ کو مسلمِ اوّل کہتے ہیں تو اُس سے ہماری مراد وہ نہیں ہوتی جسے ابن کثیر اور اُس کی جماعت نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اسلام قبول کرنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے کافر تھے (نعوذ باللہ)۔ سوال یہ ہے کہ علی علیہ السلام نے کب کفر کیا تھا کہ اُنھیں اسلام لانا پڑا تھا؟ اور اُنھوں نے کب شرک کیا تھا کہ اُنھیں ایمان لانے کی احتیاج محسوس ہوئی؟ آپؑ کی تو ولادت باسعادت بھی روشِ حنفیت پر ہوئی تھی۔ آپؑ کی پرورش آغوشِ نبوت میں ہوئی اور دستِ رسالتؐ نے آپؑ کے دہنِ مبارک میں لقمے دیئے تھے اور نبیؐ کے خُلقِ عظیم سے آپؑ کی تربیت ہوئی تھی۔ جس وقت رسولِؐ خدا نے اعلانِ نبوت نہیں کیا تھا اُس وقت بھی حضرت علیؑ رسولِؐ خدا کی اقتدا کرتے تھے۔ آپؑ وہی چاہتے تھے جو رسولِؐ خدا چاہتے تھے۔ آپؑ کی تمام خواہشات رسولِؐ خدا کی چاہت میں ڈوبی ہوئی تھیں"۔

آپؑ کے ایمان، اسلام، سبقت اور اوّلیت کا وہی مفہوم ہے جو کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خدا نے فرمایا: اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اسلامِ ابراہیمؑ کے متعلق اللہ نے فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

"جب اس کے رب نے کہا کہ اسلام لا یعنی سراپا تسلیم ہو جا، تو اُس نے کہا: میں رب العالمین کے حضور سراپائے تسلیم ہوں"۔

حضرت علی علیہ السلام کے اسلام کی اوّلیت کی وہی حیثیت ہے جس کی ترجمانی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرمائی۔ اُنھوں نے یہ فرمایا تھا:

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ

"میں اوّل المومنین ہوں"۔

آپؑ کے ایمان کی وہی حیثیت ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ کے ایمان کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

"رسولؐ ایمان لایا اُس پر جو کہ اُس کی طرف اُس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریمؐ کو یہ کہنے کا حکم دیا:

اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلم بنوں"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے حضور اسلام لاؤں"۔ (یعنی سراپائے تسلیم ہو جاؤں)

(جس طرح سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت رسولِ اکرم ﷺ کا اسلام و ایمان مسبوق بالکفر نہیں تھا اسی طرح سے حضرت علی علیہ السلام کا اسلام بھی مسبوق بالکفر نہیں تھا)۔

مشہور مفسر ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

"میں اس مرد کے متعلق بھلا کیا کہہ سکتا ہوں، جس نے ہدایت میں سب سے سبقت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اُس کی عبادت کی جب کہ اہلِ زمین پتھروں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے خالق کے منکر تھے۔ عقیدۂ توحید میں آپؑ پر کسی نے سبقت حاصل نہیں کی البتہ وہ ذات اس سے مستثنیٰ ہے، جس نے ہر چیز میں سبقت حاصل کی تھی اور وہ ذات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے"۔

محدثین کی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہی وہ شخصیت ہیں، جنھوں

نے سب سے پہلے رسولِ اکرمؐ کی پیروی کی تھی اور آپؐ پر ایمان لائے تھے اور معدودے چند افراد کے علاوہ اس رائے کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔

جو بھی شخص محدثین کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا تو اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی۔ چنانچہ واقدی، ابن جریر طبری کا بھی یہی نظریہ ہے اور الاستیعاب کے مولف نے بھی اسی نظریہ کی تائید کی ہے۔

ابوطالبؑ محافظِ رسولؐ

ہم نے پہلے بھی یہ عرض کیا تھا کہ کسی بھی انسان کی تربیت میں تین عناصر کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے:

① والدین ② تربیت دینے والا ③ وہ گھر جہاں انسان آنکھ کھولتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بچپن ہی میں رسولِ خدا سے توحید کے اسباق سیکھے تھے اور آپؑ نے اپنی کم سنی، لڑکپن، جوانی اور پختہ عمر میں رسولِ خدا سے علوم الٰہیہ کا استفادہ کیا تھا اور اس کام کے لیے قدم قدم پر حضرت ابوطالبؑ نے اپنے فرزند کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

حضرت ابوطالبؑ مربیٔ نبوت تھے۔ آپؑ نے اپنے والد حضرت عبدالمطلبؑ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد آنحضرتؐ کو اپنی کفالت و حضانت میں لیا تھا۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر آٹھ سال بھی نہیں ہوئی تھی۔ ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کو اپنے ساتھ لیا اور گھر لے آئے اور اپنا فرزند سمجھ کر آنحضرتؐ کی کفالت کی تھی۔

ابوطالبؑ اور ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسدؑ آنحضرتؐ سے بے حد پیار کرتے تھے اور خورد و نوش اور لباس میں اُنھیں اپنے بیٹوں پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ آپؑ نے سفر و حضر میں آنحضرتؐ کی خدمت کا مکمل حق ادا کیا تھا۔

رسولِ خدا اور حضرت خدیجہؑ کی شادی میں بھی آپؑ نے اہم کردار ادا کیا تھا اور آپؑ نے شادی میں حائل تمام رکاوٹوں کو دُور کیا تھا۔

رسولِ خدا نے جیسے ہی اعلانِ نبوت کیا تو ہر طرف سے مخالفت کی صدائیں اُٹھنے لگیں۔

اُن پُرخطر لمحات میں حضرت ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کے محافظ کا کردار ادا کیا تھا۔

حضرت ابوطالبؑ رسولِ خدا کی نبوت و رسالت پر پورا ایمان رکھتے تھے اور اس بات کو ہر صاحبِ انصاف تسلیم کرتا ہے۔ اس کے چند ثبوت ملاحظہ فرمائیں:

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوطالبؑ نے دیکھا کہ رسولِ خدا اور حضرت علیؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت علیؑ رسولِ خدا کی دائیں طرف کھڑے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے فرزند جعفرؓ سے فرمایا: آگے بڑھو اور اپنے ابنِ عم کی بائیں طرف کھڑے ہو جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جعفرؓ کھڑے ہوئے اور علیؑ کے پہلو میں آ کر کھڑے ہو گئے۔

جب رسولِ خدا نے محسوس کیا کہ ایک مقتدی کا اضافہ ہو چکا ہے تو آپؐ ان دونوں کے آگے چلے گئے اور نماز تمام کی۔ جب یہ نماز مکمل ہوئی تو حضرت ابوطالبؑ نے خوش ہو کر یہ اشعار پڑھے:

اِنَّ عَلِيًّا وَجَعفَراً ثِقَتِی عِنْدَ ملم الزَّمَانِ وَالنُّوبِ
لَا تَخذِ لا وَانصُرا ابنَ عَمِّكُمَا اَخِی لِاُمِّی مِن بَيْنِهِمْ وَاَبِی
وَاللهِ لَا اَخذُلُ النَّبِی وَلَا يَخْذُلُهٗ مِنْ بن ذُوحَسَبِ

"علیؑ اور جعفرؓ مشکلاتِ زمانہ میں میری قوت ہیں اور قابلِ بھروسہ ہیں۔
خبردار! اپنے ابنِ عم اور میرے سگے بھتیجے کو کبھی تنہا نہ چھوڑنا۔ خدا کی قسم!
میں نبیؐ کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑوں گا اور میرا کوئی بھی صاحبِ فضیلت فرزند انھیں تنہا نہیں چھوڑے گا"۔

حضرت ابوطالبؑ بعض اوقات رسولِ خدا کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے تھے اور کہتے تھے: جب میں انھیں دیکھتا ہوں تو مجھے بے ساختہ اپنے بھائی عبداللہ یاد آ جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ حضرت ابوطالبؑ اور حضرت عبداللہ دونوں سگے بھائی تھے۔

حضرت عبدالمطلبؑ اور حضرت ابوطالبؑ کو حضرت عبداللہ سے بے حد پیار تھا۔ جب آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت کیا تو ہر طرف سے مخالفت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ حضرت

ابوطالبؑ نے دیکھا کہ رحمۃ للعالمین کی زندگی خطرے میں ہے اور بالخصوص اس بات کا اندیشہ ہے کہ کوئی آنحضرتؐ پر شب خون نہ مارے۔

حضرت ابوطالبؑ نے یہ انتظام کیا کہ وہ رات کے وقت آپؐ کے بستر تبدیل کرتے تھے اور آپؐ کے بستر پر اپنے فرزند علیؑ کو سُلاتے تھے، تاکہ اگر کوئی حملہ کرے تو ابوطالبؑ کا بیٹا قتل ہو جائے اور اللہ کی امانت میں خیانت نہ ہو۔ (ابوطالبؑ کا ایمان (محمدؐ) بچ جائے)۔

ایک بار حضرت علی علیہ السلام نے اپنے والد کے جذبۂ ایمانی کے امتحان کے لیے ان سے عرض کیا: بابا جان! میں تو قتل ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوطالبؑ نے اپنے فرزند کے سامنے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

اصبرن یابنی فالصبر احجیٰ ۔ کل حی مصیرہ لشعوب

قد بذلناک والبلاء شدید لفداء الحبیب وابن الحبیب

لفداء الاغر ذی الحسب الثاقب والباع والکریم النجیب

"اے میرے پیارے فرزند! صبر سے کام لو۔ صبر ہی بہترین سرمایہ ہے۔ ہر زندہ شخص کا انجام موت ہے۔ ہم نے تجھے حبیب بن حبیب پر قربان کر دیا ہے، کیونکہ اس وقت آزمائش بڑی سخت ہے۔ ہم نے تجھے بلند حسب رکھنے والے کریم و نجیب کی قربانی بنایا ہے"۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب اپنے والد ماجد کے اس ایثار کو دیکھا تو انھوں نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

أَتَامُرُنِی بِالصَّبرِ فِی نَصرِ احمد ووالله ما قلت الذی قلت جازعا

ولکننی اجبت ان ترنصرتی وتعلم انی لم ازل لک طائعا

سا سعٰی لوجه الله فی نصر احمد بنی الهدیٰ المحمود طفلا ویافعا

"کیا آپؑ مجھے نصرتِ احمدؐ کے لیے صبر کا حکم دیتے ہیں؟ خدا کی قسم! میں نے جو کچھ کہا ہے وہ کسی خوف کی وجہ سے نہیں کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؑ دیکھیں کہ میں کس قدر اُن کی مدد کرتا ہوں اور آپ یہ بھی معلوم

کرسکیں کہ میں ہمیشہ سے آپؑ کا اطاعت گزار رہا ہوں۔ میں احمدؐ کی مدد
کرنے سے خدا کی رضا تلاش کرتا ہوں۔ حضرت محمدؐ ہدایت کے پیغمبر
ہیں، اور بچپن اور جوانی میں قابلِ ستائش ہیں"۔

قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ تشریف لے گئے اور آپؐ نے وہاں نماز شروع کی۔ صحنِ کعبہ میں قریش کے مشاہیر جمع تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو اُٹھ کر اس کی نماز خراب کرے؟

اس وقت عبداللہ زبعری اُٹھا اور اُس نے گوبر اور خون اُٹھایا اور رسولِ خدا کے چہرے پر مَل دیا۔

آپؐ نے نماز ختم کی اور اسی حالت میں اپنے چچا ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا: چچا جان! دیکھئے لوگوں نے مجھ سے کیا سلوک کیا ہے؟

ابوطالبؑ نے عرض کیا: جانِ عم! یہ سلوک کس نے کیا؟

آپؐ نے فرمایا: عبداللہ بن زبعری نے یہ گستاخی کی ہے۔

ابوطالبؑ تلوار لے کر اُٹھے اور رسولِ خدا کو ساتھ لیا اور صحنِ کعبہ میں تشریف لائے جہاں مشاہیر قریش جمع تھے۔ جب اُنھوں نے حضرت ابوطالبؑ کے جلال کو دیکھا تو اُٹھ کر جانے لگے۔ ابوطالبؑ نے گرجدار آواز میں فرمایا: خبردار! کسی نے اُٹھنے کی کوشش کی تو میں تلوار سے اس کا کام تمام کردوں گا۔

آپؑ کی دھمکی موثر ثابت ہوئی۔ سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپؑ نے رسولِ خدا سے عرض کیا: بیٹا! یہ زیادتی کس نے کی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: عبداللہ بن زبعری نے یہ جسارت کی ہے۔

حضرت ابوطالبؑ نے گوبر اور خون اُٹھایا اور وہاں پر موجود سب کے چہروں، ڈاڑھیوں اور کپڑوں پر مَل دیا۔

حضرت ابوطالبؑ کا ایمان و اسلام متواتر اور مسلم ہے۔ بہت سے اہلِ سنت بھائیوں نے ایمانِ ابوطالبؑ پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان میں حسب ذیل کتابیں بڑی مشہور ہیں:

① کتاب اسنی المطالب ② ابوطالب مومن قریش ③ الحجۃ علی الذاہب الی تکفیر ابی طالب [1]
مزید تفصیل کے لیے شیخ امینی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکہ آرا کتاب "الغدیر" کی ساتویں جلد کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہت سے قصائد اور اَبیات کہے ہیں اور ان میں آپؐ کی نبوت و رسالت کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ امینی مرحوم فرماتے ہیں کہ کچھ مورخین کا بیان ہے کہ ابوطالبؑ نے مدحِ رسولؐ میں تین ہزار قصائد کہے ہیں۔ ہم ذیل میں اُن کے چند اَشعار نقل کرتے ہیں جن میں ان کے ایمان کی تصریح پائی جاتی ہے اور وہ نصرتِ پیغمبرؐ کے جذبات کے عکاس ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے بادشاہِ حبشہ نجاشی کو ایک خط تحریر کیا جس میں اُنھوں نے یہ اشعار لکھے تھے:

لیعلم خیار الناس ان محمدا نبی کموسٰی والمسیح بن مریم
اتانا بھدی مثل ما اتیابہ فکل بامر اللہ یھدی ویعصم

"اچھے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بن مریم کی طرح کے نبی ہیں۔ وہ ہمارے پاس ہدایت کا وہی پیغام لائے ہیں جسے موسیٰؑ و عیسیٰؑ نے پیش کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک خدا کے فرمان کے مطابق ہدایت کرتا ہے اور رہنمائی کرتا ہے"۔

حضرت ابوطالبؑ کے یہ اَشعار ملاحظہ فرمائیں:

الا ابلغا عنی علی ذات بینھا لویا وخصا من لوی بنی کعب
اَلَم تعلمُوا اِنَّا وَجدنَا مُحَمَّدًا رَسُولاً کَموسٰی خط فی اوّل الکُتُبِ

"میری طرف سے لوی بن کعب تک یہ پیغام پہنچا دو کہ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی رسولؐ پایا ہے جیسا کہ موسیٰؑ رسول تھے اور

[1] پاکستان کی فاضل شخصیت جناب صائم چشتی نے بھی اس عنوان پر کتاب لکھی ہے جس کا نام "ایمان ابوطالبؑ" ہے۔

سابقہ کتابوں میں اُن کا نام موجود ہے"۔

جب رسول اکرم ﷺ کو مشرکین کی طرف سے دھمکیاں ملنے لگیں تو حضرت ابوطالبؑ نے ان مشرکین کی گیدڑ بھبکیوں کے جواب میں یہ اشعار کہے تھے:

یرجون ان نسخی بقتل محمد   ولم تختضب سمر العوالی من الدم

کذبتم وبیت اللہ حتّٰی تفلقوا   جماجم تلقی بالحطیم وزمزم

"کیا وہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم محمدؐ کو قتل کے لیے پیش کر دیں گے حالانکہ ابھی تک تو گندمی رنگ کے نیزے خون سے سرخ ہی نہیں ہوئے ہیں۔
بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے۔ ابھی تک تو بہت سی کھوپڑیاں حطیم وزمزم میں گرائی جائیں گی"۔

حضرت ابوطالبؑ نے رسولؐ خدا کو مخاطب کر کے اُنھیں اپنی نصرت اور حمایت کا یوں اظہار کیا تھا:

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم   حتّٰی اوسد فی التراب دفینا

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ   وابشر بذاک وقر منک عیونا

ودعوتنی وعلمت انک ناصحی   ولقد دعوت وکنت ثم امینا

ولقد علمت بان دین محمد   من خیر ادیان البریۃ دینا

"خدا کی قسم! یہ لوگ اپنی تمام تر جمعیت سمیت آپؐ تک نہیں پہنچ پائیں گے، جب تک میں زمین کی دبیز تہوں میں دفن نہ ہو جاؤں۔
آپؐ کھل کر اپنے اَحکام کو بیان کریں۔ آپؐ پر کوئی پابندی نہیں ہے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھیں۔ آپؐ نے مجھے دعوت دی ہے اور مجھے معلوم ہے کہ آپؐ میرے خیر خواہ ہیں۔ آپؐ نے دعوت دی ہے، آپؐ امین ہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین کائنات کے بہترین اَدیان میں سے ہے"۔

حضرتِ ابوطالبؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی نعت میں یہ اشعار پڑھے تھے:

لقد اکرم الله النبی محمدا　　فاکرم خلق الله فی الناس احمد
وشق له من اسمه لیجله　　فذوا العرش محمود وهذا محمد

"اللہ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو عزت سے نوازا ہے، خلقِ خدا میں محمدؐ ہی خدا کے سب سے صاحبِ عزت فرد ہیں۔ خدا نے ان کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ عرش کا مالک محمود ہے اور یہ محمدؐ ہے"۔

"قصیدہ لامیہ" میں حضرت ابوطالبؑ نے جہاں دشمنانِ مصطفیٰ کو چیلنج کیا تو وہاں آنحضرت ﷺ کی مدح میں بھی یہ اشعار کہے تھے:[1]

کذبتم وبیت الله نبزی محمدا　　ولما نطاعن دونه ونناضل
ونسلمه حتّٰی نصرع حوله　　ونذهل عن ابنائنا والحلائل
وابیض لیتسقی الغمام بوجهه　　ثمال الیتامٰی عصمة للارامل
یلوذبه الهلاك من آل هاشم　　فهم عنده فی رحمة وفواضل
الم تعلموا ان ابننا لامکذب　　لدینا ولا نعباء بقول الا باطل
فایده رب العباد بنصرة　　واظهر دینا حقه غیر باطل

"بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم محمدؐ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔ ابھی تک تو ہم نے اُن کی حفاظت کے لیے تیر چلائے ہیں اور نہ ہی نیزے چلائے ہیں۔ ہاں! محمدؐ کو تمھارے سپرد اس وقت کیا جائے گا جب ہم سب کی لاشیں اُس کے اردگرد پڑی ہوں گی اور یہ وہ وقت ہوگا جب ہم مرکر اپنے بیوی بچوں کو فراموش کرچکے ہوں گے۔

محمدؐ حسین اور سفید چہرے والا ہے۔ اس کے چہرے کو بادل دیکھ کر برسنے لگ جاتے ہیں۔ وہ یتامٰی کا مربی اور بیوگان کا سہارا ہے۔ آلِ ہاشم کے تنگدست افراد محمدؐ کی پناہ لیتے ہیں اور اس سے شفقت اور نعمات حاصل کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے ہاں ہمارے بیٹے کی

---

[1] حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان اشعار پر تضمین لکھی تھی۔

تکذیب نہیں کی جاتی اور ہم فضول باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ بندوں کے رب نے اپنی مدد سے اس کی تائید کی ہے اور اس دینِ حق کو غلبہ دیا ہے جو کہ باطل نہیں ہے"۔

حضرت ابوطالبؑ نے رسولِ خدا کا خود دفاع ہی نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو بھی رسولِ اکرمؐ کے دفاع کی وصیت کی تھی۔ انھوں نے وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا:

اوصی بنصر بنی الخیر اربعة ابنی علیا وشیخ القوم عباسا
وحمزة الاسد الحامی حقیقته وجعفر ان تذودوا دونه الناسا
کونوا فداء لکم امی وما ولدت فی نصر احمد دون الناس اتراسا

"میں نبی اکرمؐ کی مدد کے لیے چار افراد کو وصیت کرتا ہوں۔ اپنے بیٹے علیؑ اور سردارِ قوم عباس کو وصیت کرتا ہوں اور حقائق کے محافظ شیر حمزہؑ اور جعفرؑ کو وصیت کرتا ہوں کہ تم ان سے دشمنوں کا دفاع کرو۔ تم لوگ محمدؐ کی حفاظت کے لیے ڈھال بن جاؤ۔ میری ماں اور اس کی تمام اولاد تم پر قربان ہو"۔

حضرت ابوطالبؑ کے ان اشعار کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

ان ابن امنة النبی محمدا عندی یفوق منازل الاولاد
راعیت منه قرابة موصولة وَحَفَظْتُ فِیهِ وَصِیَّةُ الاَجْدَادِ

"فرزندِ آمنہ محمدؐ پیغمبر مجھے میری اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ میں نے اُن کے متعلق قرابت کی پاسداری کی ہے اور اپنے بزرگوں کی وصیت کو یاد رکھا ہے"۔

ان کے علاوہ بھی آپؑ کے اور بھی دسیوں اشعار ہیں جو کہ آپ کے جذبۂ ایمانی اور ایثار پر دلالت کرتے ہیں۔ علمائے اسلام نے محنتِ شاقہ کر کے حضرت ابوطالبؑ کے اشعار پر مشتمل دیوان تشکیل دیا ہے۔ اس طرح کے اشعار آپ کو دیوانِ ابوطالبؑ میں مل جائیں گے

اور کتب تراجم و تاریخ میں حضرت ابوطالبؑ کے اشعار موجود ہیں۔

ہر انصاف پسند سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ خدارا بتائیں کیا یہ قربانیاں اور یہ اشعار حضرتِ ابوطالبؑ کے اسلام و ایمان کی دلیل نہیں ہیں؟ اور کیا اسلام اِس کے علاوہ اور کسی چیز کا نام ہے؟

ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر ابوقحافہ، خطاب یا عفان نے اس طرح کی معمولی سی بھی قربانی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو آج کے متعصب افراد انھیں اوّل المسلمین کا خطاب دیتے، لیکن اس تعصب کا کیا کیا جائے جو دنیا کو حضرت علی علیہ السلام سے ہے۔ ابوطالبؑ کو آج مشرک اس لیے کہا جا رہا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے والد گرامی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کفیلِ رسولؐ اور محافظ پیغمبرؐ پر الزامات صرف اس لیے لگائے جا رہے ہیں کہ وہ حضرت علیؑ کے والد تھے اور دشمنانِ علیؑ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ وہ علیؑ کے نسب کو کفرِ جاہلیت سے منزہ دیکھیں۔

ان لوگوں کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اُنھیں بھی مرنا ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ وہاں خدا اُن سے ان گستاخیوں کا محاسبہ کرے گا۔

شبِ ہجرت اور حضرت علی علیہ السلام

ارشادِ خداوندی ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَ اللهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۷)

"انسانوں میں سے وہ بھی ہے جو اپنی جان کو خدا کی رضا کی تلاش میں فروخت کر دیتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے"۔

آج کا ہمارا موضوعِ سخن یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے رسولؐ خدا کی حفاظت اور دفاع کے لیے کیا قربانیاں دی تھیں۔

گذشتہ شب ہم نے آپ کے والد ماجد حضرت ابوطالبؑ کی کچھ قربانیوں کا ذکر کیا تھا اور یہ بیان کیا تھا کہ اُنھوں نے پیغمبر اکرمؐ کا کس طرح سے دفاع کیا تھا اور آج رات ہم وضاحت سے یہ بیان کریں گے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اسلام کی بقا کے لیے کتنی آزمائشات کا مقابلہ کیا تھا۔ یقیناً کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

ولولا ابوطالب وابنه لما مثل الدين شخصا وقاما

فذاك بمكة آوى وحامى وهذا بيثرب جسّ الحماما

فلله ذا فاتحا للهدىٰ ولله ذا للمعالي ختاما

"اگر دنیا میں ابوطالبؑ اور اُن کا بیٹا نہ ہوتا تو دین کبھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہوتا۔ باپ نے مکہ میں رسولِ اکرمؐ کو پناہ دی اور اُن کا دفاع کیا اور بیٹے نے یثرب میں موت کے دریا کو عبور کیا۔ کیا کہنا اُس کا جس نے ہدایت

کے دروازے کھولے اور کیا کہنا اُس کا جس پر بلندیوں کا اختتام ہوا"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا تھا، تاکہ وہ رسولِ اکرمؐ کے بہترین وزیر اور مددگار ثابت ہوں اور دینِ اسلام کے بلند درجہ مجاہد ثابت ہوں۔

یقیناً حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کیا۔ ہم نے دعوتِ ذوالعشیرہ کا واقعہ بیان کیا ہے اور اس ضمن میں یہ واضح کیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے نصرتِ رسولؐ کا مکمل کر وعدہ کیا تھا۔ یہ وعدہ بچکانہ گفتگو پر مبنی نہ تھا۔ آپؑ نے یہ وعدہ پوری طرح سے سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ آپؑ کے اس وعدہ سے آپؑ کی شخصیت اور عبقریت کا اظہار ہوتا ہے اور آپؑ نے یہ وعدہ کر کے عملی طور پر لوگوں کو بتایا تھا کہ آپؑ کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسا ہے اور آپؑ کو اپنی ذات اور اپنے قلبِ مطمئن پر پورا اعتماد ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا عرصہ شروع ہوا تو حضرت علی علیہ السلام قدم قدم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور ہر طرح کی اذیتیں جھیلتے تھے۔ حالات وواقعات کی سختی میں تپ کر آپؑ کندن ہوتے گئے اور آپؑ کو مسلسل تجربات نے اس قابل بنادیا تھا کہ آپؑ اسلام کی کشتی کے ناخدا کے مکمل معاون بن سکیں۔

اگر مجھے حضرتؑ کی ذات پر افترا کا خوف نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ علیؑ کا دل دنیا کے تمام انسانوں کے دلوں سے زیادہ قوی تھا اور علیؑ انتہائی مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بات ناممکن تھی کہ انسان ہو اور اس کے دل میں خوف کا کبھی گزر تک نہ ہو اور بڑے خطرات میں گھر کر بھی اس کے اعصاب میں کمزوری واقع نہ ہو اور تاریک حال و مستقبل بھی اُسے مضطرب نہ کر سکے اور وہ غرائز کے تسلط سے آزاد ہی نہ ہو بلکہ غرائز اس کے تسلط میں دکھائی دیں۔

ہر شخص میں حبِ ذات اور حبِ حیات کا غریزہ پایا جاتا ہے لیکن علیؑ وہ عظیم انسان ہیں جو ان غرائز سے بلند و بالا ہیں۔

حضرت علیؑ بچپن میں کتنے بہادر تھے اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ جب حضرت علی علیہ السلام طلحہ بن ابی طلحہ کے مقابلے میں گئے تھے تو اس نے آپؑ کو یا قُضَم کہہ کر خطاب کیا تھا۔ آخر یا قُضَم سے کیا مراد ہے اور یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں قیام پذیر تھے تو مشرکین مکہ حضرت ابوطالبؑ کے ڈر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ خود تو آنحضرتؐ کے سامنے نہ آئے انھوں نے اپنے چھوٹے بچوں سے کہا کہ جب تم محمد مصطفیٰ کو گلی کوچوں میں دیکھو تو ان پر پتھر اور مٹی کے ڈھیلے برساؤ۔

چنانچہ مشرکین مکہ کے بچوں نے آنحضرتؐ کو ستایا۔ رسولؐ خدا نے اپنے چچا سے ان کے بچوں کی شکایت کی۔ حضرت ابوطالبؑ نے مشرکین مکہ کو بلا کر فرمایا: تمہیں حیا نہیں آتی۔ اب تم نے اپنے بچے رسولؐ خدا کے پیچھے لگا دیے ہیں۔

مشرکین مکہ نے جواب دیا: ابوطالبؑ! اگر ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہو تو ہم مجرم ہیں لیکن کیا کریں وہ تو بچے ہیں، ہم بچوں کا کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: اچھا تم چلے جاؤ، کل کلاں میرے پاس شکوہ لے کر نہ آنا۔

مشرکین چلے گئے۔ ابوطالبؑ نے حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا: اے علیؑ! تم نے دیکھا کہ مشرکین کے بچوں نے تمہارے سردار کی کس طرح سے توہین کی ہے؟

چنانچہ دوسرا دن ہوا، رسولؐ خدا گھر سے نکلے اور حضرت علی علیہ السلام بھی آپؐ کے ساتھ چلے، راستے میں مشرکین کے بچوں نے اپنی عادت کے مطابق آپؐ کی بے ادبی کی تو حضرت علیؑ نے ان پر حملہ کیا اور انھیں سخت چوٹیں پہنچائیں۔

بچے روتے ہوئے زخمی حالت میں اپنے ماں باپ کے پاس گئے اور کہا: علیؑ نے ہمیں مار مار کر ہمارا بھرکس نکال دیا ہے اور ہمیں زخمی کر دیا ہے۔

مشرکین شکایت لے کر ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا: آپ کے بیٹے نے ہمارے بیٹوں کو لہولہان کر دیا ہے۔

ابوطالبؑ نے مسکرا کر کہا: ہمارے کسی بڑے نے تو یہ کام نہیں کیا۔ کیا کریں علیؑ چھوٹا

بچہ ہے، ہم بچوں کا کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت علیؑ نے مشرکین کے بچوں کو لہولہان کیا تھا اور عربی زبان میں لہولہان کرنے والے کو قُضَم کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؑ جنگِ بدر میں طلحہ بن ابی طلحہ کے مقابلہ میں گئے تھے تو اسے پچھلا وقت یاد آیا اور اس نے انھیں یَا قُضَم کہہ کر خطاب کیا تھا۔

مشرکینِ مکہ نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو ختم کرنے کے لیے بہت سے حربے استعمال کیے، لیکن ان کے تمام حربے ناکام ہوئے۔ آخرکار وہ حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کریں کہ وہ ہمارے خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہے اور ہمارے نوجوانوں کو ان کے آباؤ اجداد کے طریقے سے منحرف نہ کرے۔

حضرت ابوطالبؑ نے اُن کی کوئی بات نہ مانی اور آنحضرتؐ کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا۔ ابوطالبؑ کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد اُنھوں نے اَعصابی جنگ شروع کی اور رسولِ خدا کو دھمکیاں دینے لگے اور آپؐ پر دیوانہ پن اور جادوزدہ ہونے کی تہمتیں عائد کرنے لگے اور موقع ملنے پر آپؐ پر پتھر برساتے تھے اور آپؐ کے کپڑوں پر غلاظت پھینکتے تھے۔

جب اِن حربوں سے کچھ حاصل نہ ہوا تو اُنھوں نے بنی ہاشم کے معاشی و اقتصادی بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور اس ظالمانہ فیصلہ کی عبارت لکھی گئی۔

حضرت ابوطالبؑ نے جب یہ سختیاں ملاحظہ کیں تو آپؑ رسولِ خدا اور اپنے خاندان کو لے کر شعب ابی طالب میں آگئے جہاں بھوک اور افلاس ان کا مقدر بنی۔ مگر رسولِ خدا اور حضرت ابوطالبؑ نے ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ رسولِ خدا پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (سورۂ ہود: آیت ۱۱۲)

"جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اُس کے مطابق استقامت اختیار کریں"۔

آخرکار تین برس کے کرب ناک لمحات گزارنے کے بعد مقاطعہ ختم ہوا اور ابوطالبؑ اپنے خاندان کو لے کر مکہ میں آئے، لیکن شعب ابی طالبؑ کی سختیوں نے حضرت خدیجہؑ اور ابوطالبؑ کو سخت کمزور کر دیا تھا۔ شعب ابی طالبؑ سے رہائی کے تھوڑا عرصہ بعد محسنۂ اسلام اُم المعصومین حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی وفات ہوئی۔ پھر کچھ دنوں بعد حضرت ابوطالبؑ بھی

جہانِ فانی سے رخصت فرما گئے۔

یہ دونوں ہستیاں رسولؐ خدا کے لیے دو پروں کے مانند تھیں۔ ان کی وفات نے رسولؐ اسلام کو غم و اندوہ میں مبتلا کر دیا۔ رسولؐ خدا نے اس سال کا نام "عام الحزن" (غم کا سال) رکھا تھا۔ ان عظیم مددگاروں کی وفات سے جہاں قلبِ رسولؐ کو صدمہ پہنچا تو وہاں پر مشرکین نے اپنے لیے میدان کو خالی سمجھ لیا اور اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ اب آنحضرتؐ کی زندگی کا چراغ گل کر دینا چاہیے۔

علیؑ بسترِ رسولؐ پر

اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مشرکینِ مکہ کا "دارالندوہ" میں اجتماع ہوا، اور وہاں رسولؐ اکرم سے نمٹنے کے لیے مختلف تجاویز زیرِ بحث آئیں۔ آخرکار بڑے غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر قبیلہ سے ایک شخص لیا جائے اور وہ گروہ مل کر آنحضرتؐ پر شب خون مارے اور اُنھیں شہید کر دے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے چالیس افراد کا جتھہ تعینات کیا گیا اور وہ آنحضرتؐ کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر جبرئیلؑ کو نازل کیا اور اُس نے آپؐ کو مشرکین کے منصوبہ کی خبر دی اور اس کے ساتھ آنحضرتؐ کو خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ اب مکہ میں رہنا بے سود ہے۔ آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا: اے علیؑ! روح الامین نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ قریش نے منصوبہ بنایا ہے کہ وہ آج رات مجھے قتل کر دیں اور خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ میں مکہ چھوڑ دوں اور اسی رات غارِ ثور چلا جاؤں۔ خدا نے مجھے یہ حکم بھی دیا ہے کہ میں تجھے یہ حکم دوں کہ آج کی شب تُو نے میرے بستر پر سونا ہے، تاکہ حملہ آور یہ سمجھیں کہ میں گھر میں ہوں اور اپنے بستر پر سو رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ تمہاری کیا مرضی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام کے ایثار کے قربان جایئے۔ اُنھوں نے یہ نہیں پوچھا کہ یارسولؐ اللہ! کیا میں محفوظ رہوں گا۔ اس کے بجائے اُنھوں نے یہ عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا میرے سونے

سے آپؐ کی جان بچ جائے گی؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! یہ سنا تو حضرت علی علیہ السلام مسکرانے لگے اور سجدۂ شکر بجالائے کہ میری قربانی سے رسولؐ اسلام کی جان بچ سکتی ہے۔

دنیائے اسلام میں سب سے پہلے سجدۂ شکر حضرت علی علیہ السلام نے کیا تھا۔ سجدہ سے فارغ ہوئے تو عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ میرے کان، آنکھیں اور دل آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ جو بھی حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا اور آپؐ کے مقاصد کو پورا کروں گا۔ خدا سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اپنی توفیقات سے مالا مال فرمائے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج رات تم نے میری شبیہ بن کر سونا ہے۔ آپؑ نے آج رات میری حضرمی چادر اُوڑھنی ہے اور اس انداز سے سونا ہے کہ کوئی فرق نہ کر سکے کہ نبیؐ سو رہا ہے یا علیؑ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کا امتحان لیتا ہے۔ سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاءؑ کی ہوتی ہیں۔ پھر جو اُن کے مشابہ ہوں پھر جو اُن مشابہ افراد کے مشابہ ہوں۔ آج خدا آپؑ سے وہی امتحان لے رہا ہے جو اُس نے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے لیا تھا۔ لہٰذا صبر کرنا، صبر کرنا۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہوتی ہے۔

بعدازاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں اپنے سینہ سے لگایا اور رونے لگے اور رسولؐ خدا کو خطرات میں گھرا دیکھ کر حضرت علیؑ بھی رونے لگے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ آج کی شب میرا بستر فرشِ گل نہیں رنگین مقتل ہے۔ ممکن ہے کہ جب کفار میری جگہ تمھیں دیکھیں تو تمھیں قتل کر دیں۔ کیا اس کے باوجود بھی میرے بستر پر سونے کے لیے آمادہ ہو؟

شیر خدا نے پوری جرأت و شہامت سے جواب دیا: میں اس بات پر راضی ہوں کہ میری روح اور میری جان آپؐ پر قربان ہو۔ مجھے اگر زندگی عزیز ہے تو صرف اس لیے کہ آپؐ کی خدمت کروں اور آپؐ کے اوامر و نواہی کی پابندی کروں اور آپؐ کے چاہنے والوں کی مدد

کروں اور اُن سے محبت کروں اور آپؐ کے دشمنوں سے جہاد کروں اور اگر یہ مطمح نظر نہ ہوتا تو میں اس دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی جینا پسند نہ کرتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تم سو جاؤ اور جب حالات بہتر ہوجائیں تو مدینہ آجانا۔ الغرض آنحضرتؐ غار کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے بستر پر آپؐ کی چادر تان کر سو گئے۔

قریش کے سنگدل قاتلوں نے آپؐ کے گھر کا گھیراؤ کیا اور اُنھوں نے دیوار سے کچھ پتھر بھی پھینکے۔ پتھروں سے حضرت علی علیہ السلام کو تکلیف ہوئی لیکن وہ کچھ نہ بولے، تاکہ کفار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کا علم نہ ہو۔

خونخوار قاتل رات کی تاریکی ہی میں حملہ کرنا چاہتے تھے، لیکن ابولہب نے انھیں منع کیا اور کہا کہ اس گھر میں خواتین بھی موجود ہیں۔ اگر غلطی سے کوئی خاتون قتل ہوگئی تو اس سے پورے عرب میں ہماری رُسوائی ہوگی۔

قاتل ساری رات انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح نمودار ہوئی۔ اس وقت وہ تلواریں سونت کر گھر میں داخل ہوئے اور آنحضرتؐ کے بستر کی طرف بڑھے۔ قتل کے لیے آنے والوں میں خالد بن ولید بھی موجود تھا۔

ابوجہل نے قاتلوں کی جماعت سے کہا کہ اُسے نیند کی حالت میں قتل نہ کرو۔ پہلے پتھر مارو تاکہ وہ جاگ جائے۔ اس کے بعد اُسے قتل کرو، تاکہ اُسے قتل کی اذیت کا پورا احساس ہو اور اسے معلوم ہوجائے کہ تلوار کے وار کتنے اذیت ناک ہوتے ہیں۔

قاتلوں نے پتھر پھینکے۔ حضرت علی علیہ السلام نے چہرے سے چادر ہٹائی اور اُن سے فرمایا کہ تمھارا کیا کام ہے؟ تم یہاں کیوں آئے ہو؟

قاتلوں نے پہچان لیا کہ یہ تو علیؑ ہے اور وہ جسے قتل کرنے آئے تھے وہ تو موجود ہی نہیں ہے۔

ابوجہل نے کہا: لوگو! دیکھو محمدؐ خود فرار کرگیا ہے اور اپنی جگہ پر تمہیں دھوکا دینے کے لیے علیؑ کو سُلا کر گیا ہے۔ اگر محمدؐ کا دعویٰ سچا ہوتا کہ خدا اس کا محافظ ہے تو پھر اُسے یہاں سے

بھاگنے کی کیا ضرورت تھی اور ابنِ عم کو بستر پر لٹانے کی کیا پڑی تھی؟

خونخوار قاتلوں نے پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہے؟

شیرِ خدا نے فرمایا: کیا تم اُنھیں میرے حوالے کر گئے تھے؟

قاتلوں نے کہا کہ تو نے پوری رات ہمیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔ ہم سمجھتے رہے کہ محمدؐ سوئے ہوئے ہیں۔ پھر اُنھوں نے چاہا کہ حضرت علی علیہ السلام پر تشدد کیا جائے۔ ابولہب نے اُنھیں اس سے منع کیا اور کہا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے روانہ ہوئے اور آپؐ نے غارِ ثور میں پناہ لی اور مسلسل تین دن تک غار میں قیام پذیر رہے۔ حضرت علی علیہ السلام وہاں اُنھیں کھانا پانی پہنچاتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے ہجرت کے لیے تین اُونٹ کرائے پر حاصل کیے۔ ایک رسولِؐ خدا کے لیے اور ایک حضرت ابوبکر کے لیے اور ایک اُن کے رہنما کے لیے۔

آپؐ تین دنوں کے بعد غار سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت علی علیہ السلام کو مکہ میں ٹھہرایا، تاکہ وہ آپؐ کے بعد آپؐ کے قرض ادا کریں اور لوگوں کی امانتیں واپس کردیں۔

آپؐ جب روانہ ہونے لگے تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: یا علیؑ! آپؑ میرے بستر پر میری حضرمی چادر اوڑھ کر سو جائیں۔ خدا نے چاہا تو آپؑ کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے حضورؐ کے فرمان کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے فرمایا: میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے لیکن تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے لمبی رکھی ہے کیا تم میں سے لمبی عمر والا اپنی عمر دوسرے کو دینے پر آمادہ ہے؟

دونوں فرشتوں نے زندہ رہنے کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اُن کو وحی فرمائی: تم علیؑ ابن ابی طالبؑ کی مانند کیوں نہ بنے؟ میں نے محمدؐ مصطفیٰ اور علی مرتضیٰؑ کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے۔ محمدؐ ہجرت کر کے روانہ ہو چکے ہیں اور علیؑ اُن کی جان بچانے کے لیے اُن کے

بستر پر سو گیا ہے۔ تم دونوں زمین پر جاؤ اور علیؑ کو دشمنوں سے بچاؤ۔

حکم خدا سن کر دونوں زمین پر آئے۔ جبرئیلؑ حضرت علیؑ کے سرہانے کھڑے ہو گئے اور میکائیلؑ پائنتی کی طرف۔

اُس وقت حضرت جبرئیلؑ نے حضرت علیؑ کو مبارک دیتے ہوئے کہا:

بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُكَ يَا بنَ أَبِي طَالِبٍ يُبَاهِيَ اللهُ بِكَ مَلَائِكَتَهُ

"تمہیں مبارک ہو اے ابوطالبؑ کے لعل! آپؑ جیسا کون ہو سکتا ہے۔ خداوند متعال آپؑ کے ذریعے سے فرشتوں پر مباہات کر رہا ہے"۔

جب رسولؐ خدا مدینہ کی طرف محو سفر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر شانِ علیؑ کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۷)

"انسانوں میں وہ بھی ہے جو اللہ کی مرضات کی تلاش میں اپنی جان بیچ دیتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزِ غار کی صبح کو جبرئیلؑ میرے پاس آئے۔ میں نے جبرئیلؑ سے کہا: آج آپ خوش خوش دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جبرئیل امینؑ نے کہا: میں خوش کیوں نہ ہوں جب کہ خدا نے آپؐ کے بھائی اور وصی اور آپؐ کی اُمت کے امامؑ کے متعلق میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی ہے۔

میں نے پوچھا: خدا نے علیؑ کو کیا اعزاز بخشا ہے؟

جبرئیلؑ نے کہا: آج رات علیؑ کے ایثار پر خدا نے ملائکہ پر مباہات کی ہے اور فرمایا ہے: "اے میرے ملائکہ! زمین پر نگاہ کرو۔ میرے نبیؐ کے بعد میری حجت نے اپنی جان رسولؐ اسلام پر نچھاور کر رکھی ہے اور میری عظمت کے اظہار کے لیے اُس نے اپنے رخساروں کو خاک آلودہ کیا ہے۔ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ میری مخلوق کا امامؑ اور میرے بندوں کا مولا ہے"۔

حضرت علی علیہ السلام اپنی اس خداداد کامیابی پر ہمیشہ فخر کرتے تھے اور اس موضوع پر آپؑ نے یہ اشعار بھی فرمائے تھے:

وقیت بنفسی خیر من وطاء الحصی	ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر
محمد لما خاف ان یمکروا به	فوقاه ربی ذوالجلال من المکر
وبتُّ اراعیهم متی یقتلوننی	وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر
وبات رسول الله فی الغار آمنا	هناک وفی حفظ الاله وفی ستر
اقام ثلاثا ثم زمت قلائص	قلائص یفر بن الحصی اینما تزی

”میں نے اپنی جان دے کر اس ذات کو بچایا جو تمام انسانوں سے بہتر تھی۔ میں نے محمد مصطفیٰؐ کو اُس وقت بچایا جب کفار اُن کے متعلق بُرا ارادہ رکھتے تھے۔ ربِ ذوالجلال نے اُنھیں کفار کی سازش سے محفوظ رکھا۔ میں ساری رات انتظار کرتا رہا کہ وہ مجھے کب قتل کرتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو قتل اور مقید ہونے پر آمادہ کر چکا تھا۔

رسولِ خدا نے وہ رات غار میں امن سے بسر کی اور اُنھوں نے خدا کی حفاظت و نگرانی میں گزاری۔ رسولِ خدا نے تین دن غار میں قیام کیا۔ پھر تیز رفتار اُونٹنیوں پر سوار ہو کر وہاں سے مدینہ کو روانہ ہوئے“۔

حضرت علی علیہ السلام کے اِس ایثار نے آسمان کے فرشتوں کو متعجب کر دیا تھا اور تاریخ اسلام میں مواسات کی یہ منفرد مثال قائم کی۔ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ تاریخ انبیاءؑ کا منفرد واقعہ تھا، اس لیے اگر دنیا کے عظیم انسان آپؑ کے حضور تعظیم کے لیے سر جھکاتے ہیں تو اس پر کسی کو تعجب نہیں کرنا چاہیے اور اگر آج نظم و نثر کے ذریعے سے آپؑ کی مدحت میں رطب اللسان دکھائی دیتی ہے تو اس پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت علی علیہ السلام کی تعریف و توصیف صرف مسلمانوں نے ہی نہیں کی ہے بلکہ دنیا کے ہر مذہب و مسلک کے باضمیر اور خوددار اور عدل پسند افراد نے بھی آپؑ کی تعریف کی ہے۔

سیّد ابن طاؤس نے اس سلسلہ میں انتہائی خوب صورت گفتگو کی ہے۔ غیر مسلموں میں

سے جارج جرداق مؤلف ندائے عدالت انسانی اور پولس سلامہ نے "ملحمۃ الغدیر" میں آپؑ کے حضور عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔

آج کی گفتگو میں ہم صرف سیّد ابن طاؤس کے بیان کردہ نکات پیش کرتے ہیں۔ سیّد ابن طاؤس "کتاب الاقبال" میں رقم طراز ہیں:

اس ہجرت کے اَسرار میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ساری رات خطرات کے بستر پر بسر کی تھی اور اُنھوں نے اپنی جان کو دو ہستیوں کے لیے قربان کرنے کے لیے پیش کیا تھا:

① آپؑ دنیا و آخرت کے مالک کی رضا کے خواہش مند تھے۔

② آپؑ رسولِ اکرمؐ کی جان بچانا چاہتے تھے، کیونکہ رسولِ اکرمؐ نے آپؑ پر ظاہری اور باطنی نعمات کے دروازے کھول رکھے تھے۔

اگر شبِ ہجرت حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسولؐ پر نہ سوتے اور کافر یہ گمان نہ کرتے کہ بستر پر رسولؐ سو رہے ہیں تو پھر کفار ساری رات انتظار نہ کرتے اور اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش شروع کر دیتے اور غار تک پہنچنے سے پہلے ہی آپؐ کو گرفتار کر لیتے۔

اللہ کی خصوصی تدبیر کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلامتی ملی تھی اور خدا نے حضرت علیؑ کے ایثار سے اپنی تدبیر کی تکمیل کی تھی اور حضرت علی علیہ السلام کے ایثار کی خدا نے خوب قدردانی کی اور اُن کی شان میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ ...... کی آیت نازل فرمائی۔

اس آیت نے اس اَمر کی وضاحت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے اس اقدام کا مقصد صرف مرضاتِ خداوندی کی جستجو تھی۔ اس کے علاوہ آپؑ کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کے ایثار کو اتنا پسند فرمایا کہ بزمِ ملائکہ میں اس پر فخر و مباہات کیا اور ملائکہ کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ معصوم ہونے کے باوجود اس ایثار سے محروم ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے صرف شبِ ہجرت ہی مکہ میں بسر نہیں کی تھی۔ اس کے بعد بھی تین دن تک آپؑ نے مکہ میں قیام کیا تھا اور یہ جرأت و شجاعت خدا کی عطا کے بغیر کسی کو

حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپؑ نے ہجرتِ پیغمبرؐ کے بعد پورے تین دن تک خاندانِ رسولؐ کی حفاظت کی تھی۔ پھر تین دن گزرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ خانہ کو لے کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور آپؑ کے قافلہ میں تمام تر خواتین تھیں۔ تنہا مرد آپؑ ہی تھے اور لوگوں کی شدید عداوت کے باوجود آپؑ نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔

ہجرت سے اسلام کی نئی تاریخ شروع ہوئی اور آپؑ کی قربانی اور ایثار کی وجہ سے ہجرت ممکن ہوئی تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہجرت کے بعد اسلام اور رسولِ اسلام کو جو کامیابیاں نصیب ہوئیں ان کے پیچھے آپؑ کا ایثار کارفرما تھا۔

اس عنوان پر طویل بحث ہو سکتی ہے، لیکن ہم اسی پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام اور ہجرت

امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اما انه سیظهر علیکم بعدی رجل رحب البلعوم مندحق البطن یاکل ما یجد ویطلب ما لا یجد فاقتلوه ولن تقتلوه الا وانه سیأمرکم بسبی والبراءة منی فاما السب منبونی فانه لی زکوٰة ولکم نجات واما البراءة فلا تتبرأ وامنی فانی ولدت علی الفطرة وسبقت الی الایمان والهجرة

"میرے بعد جلد ہی تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہوگا جس کا حلق کشادہ اور پیٹ بڑا ہوگا، جو پائے گا وہ نگل جائے گا اور جو نہ پائے گا اس کی اُسے ڈھونڈ لگی رہے گی۔ (بہتر تو یہ ہے کہ) تم اُسے قتل کر ڈالنا، لیکن یہ معلوم ہے کہ تم اسے ہرگز قتل نہ کرو گے۔ وہ تمہیں حکم دے گا کہ تم مجھے برا کہو اور مجھ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ جہاں تک برا کہنے کا تعلق ہے تو مجھے برا کہہ لینا، اس لیے کہ یہ میرے لیے پاکیزگی کا سبب اور تمہارے لیے (دشمنوں سے) نجات پانے کا باعث ہے، لیکن (دل سے) مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا، اس لیے کہ میں (دین) فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور ایمان و ہجرت میں میں نے سبقت حاصل کی ہے"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۵۷)

مذکورہ بالا کلمات آپ کو اکثر کتب حدیث بالخصوص نہج البلاغہ میں دکھائی دیں گے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے امیر شام کے تسلط کی پیشین گوئی کی تھی اور آپؑ نے اس کی مذموم

صفات بھی بیان کی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: وہ زیادہ کھاتا ہوگا اور وہ کھانے سے میسر نہیں ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے لا اشبع اللہ بطنہ کہہ کر امیر شام کو بددعا دی تھی کہ "خدا کرے کہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے"۔

ہم امیر شام اور اُس کی نفسیات پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ آج کی گفتگو کا عنوان سبقت الی الایمان والھجرۃ (میں نے ایمان و ہجرت میں سبقت کی ہے) کا جملہ ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی سبقت اسلامی و ایمانی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ بحث صرف سبقتِ ہجرت کی ہے۔

ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہجرت سے ایک شہر چھوڑ کر دوسرے شہر میں آباد ہونا مراد نہیں ہے اور یہ کوئی فضیلت بھی نہیں ہے۔ اس طرح کے مہاجر بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ غالباً ہجرت سے یہ مراد ہے کہ خدا کی رضا کے لیے وطن اور جو کچھ وطن میں ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔

پروردگارِ عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (سورۂ نساء: آیت ۱۰۰)

"جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کرے، پھر اس پر موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے"۔

یہ آیتِ مجیدہ اُن مہاجرین کی شان میں نازل ہوئی، جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اس آیتِ مجیدہ کے مفہوم میں وہ عازمینِ حج بھی شامل ہیں جن کی راہِ حج میں وفات ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو غیر مہاجرین پر فضیلت دی ہے، کیونکہ اُنھوں نے اپنا تمام مال اور خاندان اس لیے چھوڑا تھا کہ ان کا دین محفوظ رہے اور وہ مشرکین سے نجات حاصل کر سکیں، جو اُنھیں احکامِ دین پر عمل کرنے سے منع کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ہجرت میں باقی مسلمانوں پر سبقت حاصل کی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں: آپؑ نے رسولِ اکرم ﷺ کی امانتیں لوگوں کو واپس کیں، پھر آپؑ نے مکہ سے ہجرت کی اور سب سے پہلے رسولؐ خدا سے جا ملے تھے۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے رسولؐ خدا کے ساتھ غار سے مدینہ تک ہجرت کی تھی اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے سبقتِ ہجرت کا ذکر کیا ہوگا تو اُس وقت حضرت ابوبکر موجود نہیں ہوں گے۔

علاوہ ازیں بطورِ مناقشہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر مکہ سے ہجرت کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے۔ وہ رفاقتِ رسولؐ کی خاطر روانہ ہوئے تھے اور آپؐ کے ساتھ قبا پہنچے تھے، جبکہ حضرت علی علیہ السلام نے مکہ کو ہجرت کی نیت سے چھوڑا تھا اور ہر چیز کو ہجرت کی غرض سے خیرباد کہا تھا۔ اسی لیے حضرت علی علیہ السلام کو علی الاطلاق اول المہاجرین کہنا صحیح ہے۔

علاوہ ازیں یہ امکان بھی ہے کہ ہجرت میں سبقت کے دعوٰی سے آپ کی مراد ہجرت اِلَی الدِّیْن ہو جیسا کہ اللہ تعالٰی نے حضرت لوط علیہ السلام کی زبانی ان کلمات کو نقل کیا ہے: اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ "میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں"۔

حضرت علی علیہ السلام کی ہجرت کے واقعات کو مورخین نے یوں بیان کیا ہے:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو خط لکھا جس میں اُنھیں حکم دیا کہ وہ مکہ چھوڑ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور مکہ میں کم سے کم قیام کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خط ابوواقد لیثی لے کر علیؑ مولا کے پاس آیا تھا۔ جب آپؑ کو رسالت مآبؐ کا خط موصول ہوا تو آپؑ نے روانگی کی تیاری کی۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے امانتوں کی واپسی کے لیے مولائے کائناتؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، کیونکہ آنحضرتؐ کی امانت داری کی وجہ سے لوگ آپؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ آپؐ کی ہجرت کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے تمام لوگوں کو اُن کی امانتیں واپس کیں۔ جب اس مرحلہ سے فارغ ہوئے تو آپؑ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور بلند آواز سے اعلان کیا:

لوگو! کیا تم میں سے کسی نے میرے رسولؐ سے امانت لینی ہے؟

کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس سے میرے رسولؐ نے کوئی وصیت کی ہو؟

کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس سے رسولؐ خدا نے کوئی وعدہ کیا ہو؟

جب اس اعلان کے بعد کسی نے آپؑ سے رجوع نہ کیا تو پھر آپؑ ہجرت کر کے رسولؐ خدا کے پاس پہنچ گئے۔

ابن شہر آشوب مزید لکھتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے وقت حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کی تھی کہ وہ آپ کا قرض ادا کریں اور لوگوں کی امانتیں اُنھیں واپس کریں۔

حضرت علی علیہ السلام ان تمام کاموں سے فراغت پانے کے بعد، رات کے وقت مکہ سے روانہ ہوئے۔ آپؑ کے قافلہ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور آپؑ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب شامل تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ جنابہ بنت زبیر تھیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ایمن بن ابی ایمن آپؐ کا قاصد ابوواقد بھی آپؑ کے قافلہ میں شامل تھے۔

اُونٹوں کا سفر شروع ہوا۔ ابوواقد نے اُونٹوں کو تیزی سے دوڑانا شروع کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اُونٹ مت دوڑاؤ۔ ان پر خواتین سوار ہیں اور وہ انتہائی کمزور ہیں۔

ابوواقد نے کہا: میں اس لیے تیزی کر رہا ہوں، تاکہ کوئی تعاقب کرنے والا ہمیں نہ پالے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: آرام آرام سے اُونٹ چلاؤ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خبر دی تھی کہ میرے بعد مشرکین تمھیں کوئی بڑی اذیت نہیں دے سکیں گے۔ اس کے بعد ابوواقد نے اُونٹوں کی رفتار دھیمی کر دی۔

آپؑ نے سرِ راہ ان اشعار کو پڑھا:

لیس الا الله فارفع ظنکا
یکفیك رب الناس ما اهمکا

"اللہ کے علاوہ کسی کے پاس کوئی قوت نہیں ہے، لہٰذا اپنا گمان دُور کر دو اور ہر اہم معاملہ میں بندوں کا پروردگار تیری کفایت کرے گا"۔

مہاجرین کا یہ مختصر قافلہ محوِ سفر تھا جب یہ قافلہ مقامِ ضجنان کے قریب پہنچا تو قریش کے سات افراد ڈھاٹے باندھے ہوئے نمودار ہوئے۔ اُن کے ساتھ حارث بن اُمیہ کا غلام "جناح"

بھی شامل تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایمن اور ابو واقد سے فرمایا: اُونٹ بٹھا دو اور اُن کے زانو باندھ دو۔ آپؑ نے پردہ دار بیبیوں کو محملوں سے اُتارا اور اُنھیں ایک محفوظ مقام پر بٹھایا۔ پھر آپؑ تلوار علم کر کے ان کے مقابلہ میں تشریف لے گئے۔

وہ کہنے لگے: کیا آپؑ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ آپ ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نکل جاؤ گے؟ بہتری اسی میں ہے کہ آپؑ واپس مکہ چلے آؤ۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں مکہ نہ جانا چاہوں تو پھر؟

اُنھوں نے کہا: ہم آپؑ کو جبری طور پر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ یہ کہا اور وہ اُونٹوں اور پردہ دار خواتین کی طرف بڑھے، تاکہ اُنھیں خوفزدہ کریں۔

حضرت علی علیہ السلام درمیان میں کھڑے ہو گئے۔ جناح نے تلوار سے آپؑ پر وار کرنا چاہا تو آپؑ نے اُس کے وار کو ناکام کیا۔ پھر آپؑ نے اُس پر حملہ کیا اور اُس کی گردن اُڑا دی اور اُس کے گھوڑے کی ٹانگوں کو زخمی کیا۔ اس وقت آپؑ نے یہ رجز پڑھا:

خلوا سبیل الجاهد المجاهد

آلیت لا اعبد الا الواحد

"شرک کا انکار کرنے والے مجاہد کا راستہ چھوڑ دو۔ میں قسم کھا چکا ہوں کہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کروں گا"۔

شیر خدا کے تیور دیکھ کر قریش کے بدمعاش بھاگ گئے اور کہا: اے فرزند ابوطالبؑ! آج تم ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہو۔

حضرتؑ نے فرمایا: اپنے ابنِ عم کے پاس یثرب جا رہا ہوں، جو چاہتا ہے کہ میں اُس کا گوشت ادھیڑوں اور اُس کا خون بہاؤں تو وہ میرے تعاقب میں آئے یا میرے قریب ہو کر دیکھے۔

پھر آپؑ نے ایمن اور ابو واقد سے فرمایا: اُونٹوں کو کھول دو۔ آپؑ نے بیبیوں کو سوار کرایا پھر وہاں سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ضجنان پہنچے۔ آپؑ نے وہاں ایک دن اور ایک

رات قیام کیا۔ اس دوران کچھ کمزور مومنین بھی آپؑ کے قافلہ میں شامل ہوئے۔ ان میں رسولؐ خدا کی کنیز اُم ایمن بھی شامل تھی۔

حضرت علی علیہ السلام اور فواطم ثلاثہ (فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ، فاطمہؑ بنت اسد، اور فاطمہ بنت زبیر) ساری رات نماز میں مصروف رہے اور قیام وقعود اور لیٹ کر خدا کو یاد کرتے رہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہوئی۔ حضرت علی علیہ السلام نے نماز فجر پڑھائی، پھر ضجنان سے روانہ ہوئے اور ہر منزل پر خدا کا ذکر کرتے رہے۔ خدا نے اس قافلہ کی کیفیت کو وحی کے ذریعے سے اپنے حبیب پر نازل کیا اور اُن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ..... فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی .....

(سورۂ آل عمران: آیت ۱۹۱ تا ۱۹۵)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر قبا میں قیام کیا اور آپؐ حضرت علیؑ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ مدینہ چلیں، مدینہ کے لوگ آپؐ کی آمد پر خوش ہیں اور وہ آپؐ کے منتظر ہیں۔ آپؐ یہاں علیؑ کا انتظار نہ کریں۔ میرا خیال ہے کہ علیؑ ایک ماہ تک نہیں آئیں گے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ علیؑ بہت جلد ہمارے پاس آجائیں گے۔ جب تک میرا بھائی، میرا ابنِ عم اور میرے خاندان میں سے مجھ کو زیادہ محبوب فرد جس نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میری جان بچائی ہے، نہ آجائے تب تک میں یہاں سے مدینہ نہیں جاؤں گا۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پندرہ دن تک قبا میں قیام کیا۔ پھر پندرہویں دن حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے خاندان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ مسلسل پیدل سفر کرنے کی وجہ سے آپؑ کے پاؤں متورم ہو چکے تھے۔ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو گلے لگایا اور اُن کے زخمی اور

متورّم پاؤں کو دیکھ کر آپؑ آبدیدہ ہو گئے۔

آپؑ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اپنا ہاتھ آگے کرو۔

حضرت علیؑ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو آپؑ نے اُس پر اپنا لعابِ دہن لگایا۔ حضرت علیؑ نے آپؑ کے لعابِ دہن کو اپنے پاؤں پر مَلا تو اُسی وقت پاؤں کا وَرم ختم ہو گیا۔ پھر کبھی آپؑ کے پاؤں متورّم نہ ہوئے۔

حضرت علی علیہ السلام حلقۂ ازدواج میں منسلک ہوئے

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○

''اپنی بیوگان اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کراؤ، اگر وہ مفلس ہوئے تو خدا اپنے فضل سے اُنھیں مالا مال کردے گا۔ اللہ وسعت والا، جاننے والا ہے''۔ (سورۂ نور: آیت ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں نکاح کی سنت کو جاری کیا۔ نکاح کا مقصد فقط جنسی جذبات کی تسکین ہی نہیں ہے، بلکہ نسل کا بڑھنا مقصود ہے۔ البتہ اس میں جنسی جذبات کی تسکین ضمنی حیثیت رکھتی ہے۔ نکاح ایک مضبوط قلعہ ہے جو انسان کو بدعملی اور بدفکری سے محفوظ رکھتا ہے۔

نکاح کا بلند ترین ہدف ایک خاندان کو تشکیل دینا ہے۔ خاندان میں والدین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور والدین ہی اپنے بچوں کی تربیت کرکے اُنھیں جوان کرتے ہیں۔ نسل کو ہر وقت کفیل اور مربی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ شفیق سرپرست کی محتاج ہوتی ہے، بالخصوص چھوٹے بچوں کو رضاعت، تربیت، پرورش، توجہ اور خدمت کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح سے بچوں کو غذا، لباس، مکان اور تعلیم کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں کی ان تمام ضروریات کی والدین کفالت کرتے ہیں اور آج کل کے کیئر ہاؤس (Care House) والدین کے خلا کو پُر نہیں کرسکتے۔

کبھی کوئی دائی ماں کی طرح سے نہیں ہوسکتی۔ کیا اُجرت پر کام کرنے والی آیا ماں کا سا

پیار دے سکتی ہے؟ کیا وہ بیمار بچے کے لیے ساری ساری رات آنکھوں میں کاٹ سکتی ہے؟

عربی کی مشہور ضرب المثل ہے:

لیست الثکلی کالمستاجرة

"اُجرت لے کر رونے والی پسر مُردہ ماں کی طرح نہیں ہوتی"۔

والدین کا سا پیار اور کس طرح سے ممکن نہیں ہے۔ بچوں کی پرورش کے نام نہاد اوارے بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں اور جن بچوں کو والدین کا پیار میسر نہیں اُن کی شخصیت میں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے اور اس طرح کے بچے جوانی میں عام طور پر جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔

آج کل ہماری جوان نسل میں جو خرابیاں دکھائی دیتی ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جوانوں کے لیے شادی کرنا مشکل ہو چکا ہے اور کچھ ایسے نوجوان بھی ہیں جو اس وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے کہ انھیں شادی کی ذمہ داریاں مشکل دکھائی دیتی ہیں۔

یاد رکھیں! عائلی زندگی میں خدا نے بڑی برکت رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

من تزوج فقد احرز نصف دينه فليتق الله فى النصف الباقى

"جس شخص نے شادی کی تو اُس نے اپنے آدھے دین کو محفوظ کر لیا، باقی آدھے دین کے لیے اُسے خوفِ خدا کرنا چاہیے"۔

آج کل شادی آسان نہیں رہی اور نوجوان شادی سے گھبراتے ہیں، جبکہ اُنھیں زنا سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ کچھ پرہیزگار قسم کے جوان اپنے نفس پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ کچھ نوجوان اس لیے شادی نہیں کرتے کہ اُنھیں ان کی من پسند بیوی دکھائی نہیں دیتی۔ اور وہ مثالی بیوی کی جستجو میں رہتے ہیں۔

اس طرح کی تمام مشکلات دورِ جاہلیت میں بھی موجود تھیں، لیکن ان مشکلات کی صورت کچھ اور تھی۔ پہلی مشکل تو یہ تھی کہ عورتوں کا مہر زیادہ ہوتا تھا اور اُس کے علاوہ قبائلی تعصبات بھی نکاح میں رکاوٹ بنتے تھے اور بعض اوقات لوگوں کی بے جا غیرت بھی اس کا

سبب ثابت ہوتی تھی۔ آخرکار عرب میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب لوگوں نے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی گواہی دی ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۂ تکویر: آیت ۸-۹)

''جب زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟''

اہلِ عرب بیٹی کو اپنے لیے فالِ بد قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم میں اسی معاشرے کی یوں تصویر کشی کی گئی:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ○ یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ○ (سورۂ نحل: آیت ۵۸-۵۹)

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی تو اُس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ غم کے گھونٹ پینے لگ جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ کیا وہ اسے..........؟؟ کے ساتھ اپنے پاس ٹھہرائے رہے یا اسے زمین میں دفن کردے؟ آگاہ رہو! وہ کتنا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں''۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی۔ آپؐ نے دورِ جاہلیت کی قابلِ نفرت روایات کو توڑا۔ قرآن کریم نے لوگوں کو رسولِ خدا کی اتباع یہ کہہ کر ترغیب دی:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۷)

''وہ لوگ جو اُس رسولؐ کی اتباع کرتے ہیں جو کہ نبی اُمی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ اُنھیں بھلائی کا حکم دیتا

ہے اور بُرائیوں سے منع کرتا ہے اور اُن کے لیے پاکیزہ اشیاء کو حلال کرتا
ہے اور ناپاک اشیاء کو حرام کرتا ہے اور ان سے بوجھ اُتارتا ہے اور اُنھیں
ان رسوم ورواج کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہے، جو اُن پر پڑی ہوئی ہیں"۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف زبانی تبلیغات پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے عملی طور پر رسومات کی زنجیروں سے لوگوں کو آزادی دلائی۔ آپؐ کے ان اقدامات کے نمونہ کے طور پر حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سادہ ترین شادی کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ آپؐ نے اپنی لختِ جگر صاحبزادی کی شادی اتنی سادگی سے کی کہ وہ لوگوں کے لیے مثال بن گئی۔ آپؐ نے عملی طور پر دورِ جاہلیت کی اُن رسومات کا خاتمہ کیا جن کی وجہ سے شادی کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو چکا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل سنیے:

جب حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام سنِ رشد کو پہنچیں تو قریش کے افاضل افراد نے رشتہ کے لیے خواستگاری کی اور خواستگاری کرنے والوں میں بڑے دولت مند اور صاحبانِ شرف افراد بھی شامل تھے، لیکن جب بھی کسی نے آپؐ سے خواستگاری کی تو آپؐ نے اس سے منہ پھیر لیا اور درخواست کرنے والے کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ رسولؐ اللہ اس درخواست پر ناراض ہوئے ہیں یا یہ کہ اس کے متعلق کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوبکر نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ طلب کیا تھا۔ رسولؐ خدا نے جواب میں فرمایا: امرھا الی ربھا "میری بیٹی کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے"۔

حضرت عمر نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام کا رشتہ طلب کیا تھا۔ رسولؐ خدا نے انھیں بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر کو دے چکے تھے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت سعد بن معاذ حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے۔ اس وقت آپؑ شہر سے باہر اپنے کھجوروں کے باغ کو پانی پلا رہے تھے اور ان دونوں صحابیوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ آپؑ رسولؐ خدا سے حضرت فاطمہؑ کے رشتہ کی درخواست کیوں نہیں کرتے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: دو چیزیں مانع ہیں:

① مجھے آنحضرت ﷺ سے رشتہ طلب کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔

② میرے پاس دولت نہیں ہے۔

حضرت سعد نے کہا: آپؑ رسولؐ خدا کے پاس ضرور جائیں اور ان سے فاطمہؑ کا رشتہ طلب کریں۔ مجھے یقین ہے کہ رسولؐ خدا آپؑ کی درخواست قبول کریں گے اور آنحضرتؐ نے یہ رشتہ آپؑ کی خاطر مخصوص کیا ہوا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ بتائیں کہ میں رسولؐ خدا کے سامنے کیا کلمات کہوں؟

حضرت سعد نے کہا: آپؑ جا کر ان سے یہ کہیں کہ میں خدا و رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں فاطمہؑ بنت محمدؐ کا رشتہ طلب کرنے آیا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام روانہ ہوئے۔ آپؑ کے پہنچنے سے قبل جبرئیل امینؑ آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئے اور انھیں اطلاع دی کہ حضرت علیؑ حضرت زہراؑ کی خواستگاری کے لیے آپؐ کے پاس آرہے ہیں۔ اُس وقت حبیب خدا ﷺ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علی علیہ السلام وہاں آئے اور آپؑ نے دستک دی۔ بی بی اُم سلمہؓ نے کہا: کون ہے؟

حضرت علیؑ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: سلمہؓ! اُٹھو اور دروازہ کھولو اور اُسے اندر آنے کا کہہ دو۔ یہ وہ شخص ہے جو اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور خدا و رسولؐ بھی اُس سے محبت کرتے ہیں۔

بی بی اُم سلمہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے اُسے دیکھے بغیر اُن کے یہ اوصاف کیسے بیان کیے ہیں؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: آنے والا کوئی جاہل اور جلد باز انسان نہیں ہے، یہ میرا بھائی، میرا ابنِ عم اور تمام مخلوق میں سے مجھے محبوب ہے۔

بی بی اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ علیؑ بن ابی طالبؑ تھے اور علیؑ اس وقت تک اندر نہ آئے جب تک میں پردہ کی اُوٹ میں نہیں چلی گئی۔

پھر حضرت علی علیہ السلام اندر داخل ہوئے اور آپؑ نے رسولؐ خدا پر سلام کیا۔ آپؐ نے

سلام کا جواب دیا۔ حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے سامنے نظریں جھکا کر بیٹھ گئے۔ یوں لگتا تھا کہ آپؑ کچھ مانگنا چاہتے ہیں، لیکن ہچکچا رہے ہیں۔ ادبِ رسولؐ کی وجہ سے نگاہیں زمین پر گڑھی ہوئی تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی کو توڑا اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کوئی غرض لے کر آئے ہو۔ تم اپنی حاجت بیان کرو اور اپنے مافی الضمیر کا کھل کر اظہار کرو۔ تمہاری ہر حاجت پوری کی جائے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے بڑے ادب سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ تو جانتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے بچپن ہی میں اپنی گود میں لیا تھا اور میری تربیت کی تھی۔ آپؐ نے میرے والدین سے بھی مجھ پر زیادہ شفقت کی ہے۔ اللہ نے آپؐ کے ذریعے اور آپؐ کے ہاتھوں سے مجھے ہدایت عطا کی ہے۔ آپؐ ہی دنیا و آخرت میں میرا سرمایہ ہیں۔

یارسولؐ اللہ! میری خواہش ہے کہ میرا بھی ایک گھر ہو اور میری بھی ایک بیوی ہو جس سے میں سکون حاصل کرسکوں۔ میں آپؐ کی خدمت میں رشتہ طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ میں آپؐ سے آپؐ کی صاحبزادی فاطمہؑ کا رشتہ طلب کرتا ہوں۔ کیا آپؐ مجھ پر یہ احسان فرمائیں گے؟

رسولؐ خدا کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا اور آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: تمہارے پاس کیا کچھ ہے کہ میں اپنی بیٹی کا تجھ سے نکاح کروں؟

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرے حالات آپؐ سے پوشیدہ نہیں ہیں، میرے پاس میری تلوار ہے، میری زرہ ہے اور پانی لانے والا اُونٹ ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔

پادشاہے کلبہ ایوان اُو
یک حسام و یک زرہ سامانِ اُو

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تلوار تمہاری ضرورت ہے، اس سے تم جہاد کرتے ہو اور دشمنانِ خدا سے جنگ کرتے ہو۔ اُونٹ بھی تمہارے لیے ضروری ہے کیونکہ اس پر تم پانی

لاد کر اپنی کھجوروں کو پلاتے ہو اور خاندان کے لیے پانی لاتے ہو اور سفر میں اس پر سامان لادتے ہو۔ البتہ زرہ کے بدلے میں تمہاری شادی کرتا ہوں اور اس حق مہر پر راضی ہوں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! کیا میں تمہیں خوش خبری نہ دوں؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، ضرور خوش خبری سنائیں۔ آپؐ روزِ اوّل سے ہی بابرکت ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے نکاح پڑھنے سے قبل آسمان پر تیرا نکاح کیا ہے۔ تم سے پہلے کچھ اور افراد نے بھی رشتہ طلب کیا تھا۔ میں نے جب بھی اپنی بیٹی سے ان رشتوں کا ذکر کیا تو اُن کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے۔ تم انتظار کرو، میں اپنی بیٹی سے اُن کی رائے پوچھ لوں۔

آنحضرتؐ گھر میں تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ نے اپنے والد کی نعلین اُتاریں، اُنھیں وضو کرایا، پھر بیٹھ گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: فاطمہؑ! میں ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔

حضرت سیدہؑ نے عرض کیا: بابا جان! حکم فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا: فاطمہؑ! تم علیؑ ابن ابی طالبؑ کی قرابت، فضیلت اور سبقتِ اسلام سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں نے اللہ سے درخواست کی تھی کہ وہ تمہاری شادی اپنی مخلوق میں سے افضل ترین فرد کے ساتھ کرائے جو اُسے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ علی تمہارے رشتہ کی درخواست لے کر آئے ہیں اُس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

بی بیؑ نے یہ سنا تو خاموش رہیں۔ اُنھوں نے منہ پھیرا اور نہ ہی ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے۔

نبی اکرمؐ اُٹھے اور فرمایا: اللہ اکبر! اُس کی خاموشی اُس کی رضامندی کی دلیل ہے۔

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام مسجد میں آئے۔ کچھ دیر بعد رسولؐ خدا بھی مسجد میں داخل ہوئے اُس وقت مسجد میں مہاجرین و انصار جمع تھے۔ آپؐ منبر پر تشریف لائے اور خدا کی حمد و ثنا بجا لائے، پھر آپؐ نے فرمایا:

اے گروہِ مسلمین! ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور اُس نے پروردگار کی طرف سے

یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے ملائکہ کو بیت المعمور میں جمع کیا اور اُنھیں اس بات کا گواہ بنایا کہ اس نے فاطمہؑ بنت محمدؐ کا علیؑ ابن ابی طالبؑ سے نکاح کر دیا ہے۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زمین پر اس کا نکاح کر دوں اور تمھیں اس کا گواہ بناؤں۔

خطبۂ نکاح

پھر آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علیؑ! تم اُٹھو اور اپنے نکاح کا خطبہ پڑھو۔
اس وقت حضرت علی علیہ السلام اُٹھے اور خدا کی حمد و ثنا کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا اور ارشاد کیا:

الحمد لله شكرا لا نعمه وایادیه ولا اله الا الله شهادة تبلغه وترضیه وصلی الله علی محمد صلاة تزلفه وتحظیه والنكاح مما امر الله عزوجل به ورضیه ومجلسنا هذا مما قضاه الله واذن فیه وقد زوجنی رسول الله ابنته فاطمة وجعل صداقها درعی هذا وقد رضیت بذلك فاسألوه واشهدوا

"میں اللہ کے احسانات و نعمات پر شکر کرتے ہوئے اُس کی حمد بجا لاتا ہوں اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ ایسی گواہی جو اُس تک پہنچے اور اُسے راضی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا درود ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو اُنھیں قربت و منزلت عطا کرے۔ واضح رہے کہ نکاح ایک ایسا عمل ہے جس کا خدا نے حکم دیا ہے اور اس کو پسند کیا ہے اور ہماری یہ محفل بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہے، جس کا خدا نے فیصلہ کیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ رسولؐ اللہ نے مجھ سے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کی شادی کی ہے اور میری اس زرہ کو اس کا حق مہر قرار دیا ہے۔ میں اس پر راضی ہوں۔ تم ان سے پوچھ لو اور گواہ رہو"۔

مسلمانوں نے کہا: یا رسولؐ اللہ! کیا آپؐ نے تزویج کر دی ہے؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: جی ہاں۔

لوگوں نے کہا: اللہ اُن کے خاندان میں برکت ڈالے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اپنی اَزواج کے پاس آئے اور حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! اب تم اپنی زرہ فروخت کردو اور اس سے جو رقم حاصل ہو وہ میرے پاس لے آؤ تاکہ میں تمہارے اور تمہاری زوجہ کے لیے گھریلو ضروریات کا سامان خرید لوں۔

حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے اپنی زرہ چار سو ہجری دراہم میں فروخت کی۔ کچھ روایات میں چار سو اسی اور بعض روایات میں پانچ سو درہم بیان کیا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپؑ نے یہ زرہ حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھوں فروخت کی تھی۔ آپؑ رسولؐ خدا کی خدمت میں زرہ کی قیمت لے کر حاضر ہوئے اور ساری رقم آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بلایا اور اُنھیں تریسٹھ درہم دیئے اور فرمایا کہ یہ رقم لے لو اور اس سے گھریلو ضروریات کی اشیاء کی خریداری کرو۔ آنحضرتؐ نے اُن کی مدد کے لیے حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کو بھی اُن کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر بازار گئے اور اُنھوں نے وہاں سے اُون سے بھرا ہوا ایک گدا لیا اور ایک رنگین چمڑا اور ایک سرہانہ جس میں کھجور کے پتّے بھرے ہوئے تھے اور خیبری عبا، پانی کی مشک، کچھ گھڑے اور لوٹا اور اُون کا باریک پردہ خریدا اور اس سامان کو لے کر آنحضرتؐ کے پاس آئے۔

جب رسولؐ خدا نے اس سادہ سے سامان کو دیکھا تو آپؐ رو پڑے اور آپؐ کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ پھر آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور کہا: پروردگارا! ان لوگوں کے گھروں میں برکت نازل فرما، جن کے برتن ٹھیکری کے ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ سامان سے بچی ہوئی باقی رقم آنحضرتؐ نے حضرت بی بی اُمِ سلمہؓ کے حوالے کی اور ارشاد فرمایا: اے اُمِ سلمہؓ! اس رقم کو اپنے پاس رکھو۔

اس کے بعد پورے ایک مہینہ تک میں نے اس معاملے کے لیے رسول اکرمؐ سے کوئی گفتگو نہ کی، البتہ جب آنحضرتؐ کے پاس تنہا ہوتا تو آپؐ فرماتے تھے کہ تمہیں بشارت ہو،

میں نے تمہارا نکاح تمام جہانوں کی سردار خاتون سے کیا ہے۔

ایک ماہ گزرنے کے بعد میرے بھائی عقیلؓ بن ابی طالبؑ میرے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا: فاطمہؑ بنتِ محمدؐ کے ساتھ تمہارے نکاح کی مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ آپؑ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصتی کی درخواست کیوں نہیں کرتے؟

میں نے کہا: بھائی جان! میری یہ خواہش تو ہے لیکن مجھے درخواست کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

حضرت عقیلؓ نے کہا: میرے ساتھ آؤ، ہم دونوں بھائی چلتے ہیں۔ پھر ہم دونوں بھائی روانہ ہوئے۔ راستے میں ہمیں آنحضرتؐ کی کنیز اُمِ ایمن ملیں۔ ہم نے اُس کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا۔

اُمِ ایمن نے کہا: آپ کو درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام ہم عورتوں کا ہے۔ اس طرح کے مواقع پر عورتوں کی درخواست زیادہ موثر ہوتی ہے۔

اُمِ ایمن حضرت اُمِ سلمہؓ کے پاس آئیں اور اُن سے یہ گفتگو کی۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے تمام اَزواجِ پیغمبرؐ کو بلایا اور اُنھیں لے کر حضرت عائشہ کے حجرے میں آئیں کیونکہ آنحضرتؐ اُس وقت ان کے حجرے میں تشریف فرما تھے اور اَزواجِ پیغمبرؐ نے آپؐ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان! ہم ایک ایسے معاملے کے لیے حاضر ہوئی ہیں کہ اگر آج خدیجہؑ زندہ ہوتیں تو اُنھیں اس سے بے حد خوشی ہوتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کا نام سنا تو آپؐ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: خدیجہؑ جیسی کون ہے؟ اُس نے میری اُس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اُس نے اپنے مال سے میری اس وقت مدد کی جب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا تھا اور اس نے اللہ کے دین کے لیے میری پشت پناہی کی تھی۔ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں اُسے جنت میں زمرد کے موتیوں کے محل کی خوشخبری سناؤں جس میں کوئی شور اور تکلیف نہیں ہے۔

حضرت اُمِ سلمہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے جو کچھ خدیجہؑ کے متعلق فرمایا ہے وہ درست ہے، لیکن اس وقت وہ خدا کے حضور پہنچ چکی ہیں، اللہ مقامِ جنت میں ہماری اس

سے ملاقات کرائے گا۔

یارسول اللہ! علیؑ دنیا میں آپؐ کا بھائی ہے اور نسب میں ابنِ عم ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ آپؐ اپنی صاحبزادی کی رخصتی کریں، تاکہ وہ عائلی زندگی بسر کریں۔

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: اُمِ سلمہؓ! اگر یہی بات ہے تو علیؑ خود کیوں نہیں کہتے؟

حضرت اُمِ سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اسے یہ درخواست کرتے ہوئے حیا دامن گیر ہوتی ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمِ ایمن سے فرمایا: جاؤ اور علیؑ کو بلا لاؤ۔

اُمِ ایمن باہر آئیں تو علیؑ کو اپنا منتظر پایا۔ پھر علی مولاؑ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسولِ خدا نے فرمایا: اے علیؑ! کوئی مکان تلاش کرو، تاکہ فاطمہؑ کی ڈولی کو وہاں لے جایا جائے۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسول اللہ! حارثہ بن نعمان کے گھر کے علاوہ تو کوئی اور مکان موجود نہیں ہے۔

رسولِ خدا نے فرمایا: ہمیں حارثہ سے مکان طلب کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بہت سے مکانات تو اس وقت ہمارے ہی تصرف میں ہیں۔

آنحضرتؐ کی یہ گفتگو حارثہ تک پہنچی تو وہ رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری ذات اور میرا تمام مال اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہے۔ آپؐ میرے جتنے بھی مکان لینا چاہیں خوشی سے لے لیں۔

رسولِ خدا نے اس کے حق میں دُعائے خیر فرمائی۔

شادی گھر کو سجایا گیا۔ سب سے پہلے گھر میں ریت بچھائی گئی اور ایک لکڑی نصب کی گئی، جس پر مشک لٹکائی گئی اور پردے لٹکائے گئے اور کپڑے سکھانے کے لیے دو لکڑیاں ایک دوسرے کے سامنے لگائی گئیں اور ایک رسّی باندھ دی گئی۔ پھر دُنبے کی کھال بچھا کر اس پر گدا ڈالا گیا اور اس گھر میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی ڈولی لائی گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ آپؑ شادی کا ولیمہ دیں۔ پھر آپؐ کے

حکم کے تحت آٹا لایا گیا اور ایک دُنبہ ذبح کیا گیا۔ حضرت علیؑ بازار سے کھجوریں اور گھی خرید لائے۔ نبی اکرمؐ نے اپنی قمیص کی آستینوں کو اُلٹا اور کھجوروں اور گھی کو ملانا شروع کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: اب جسے چاہو ولیمہ پر بلاؤ۔

حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں: میں مسجد میں آیا تو مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ میں نے کھڑے ہو کر آواز دی: اے لوگو! فاطمہؑ بنتِ محمدؐ کی شادی کا ولیمہ تیار ہے، اس میں شرکت کرو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: لوگ جوق در جوق اس ولیمہ میں شامل ہوئے۔ حد یہ ہے کہ شہر سے باہر کے افراد جو کہ اپنے کھیتوں اور نخلستانوں میں کام کر رہے تھے وہ بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔ شرکاء کی تعداد چار ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ مدینہ کی خواتین ان کے علاوہ تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتن منگوائے، اُن میں روٹی اور سالن ڈال کر سب سے پہلے اپنی اَزواج کے پاس روانہ کیے۔ پھر ایک اور برتن میں کھانا ڈال کر فرمایا کہ یہ فاطمہؑ اور اُس کے شوہر کے لیے ہے۔

ابن بابویہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے بناتِ عبدالمطلبؑ اور مہاجرین و انصار کی خواتین کو حکم دیا کہ وہ فاطمہ زہراؑ کی روانگی کے جلوس میں شریک ہوں اور سرِ راہ رجز پڑھیں اور خدا کی حمد و ثنا کریں اور ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکالیں جس سے خدا ناراض ہوتا ہے۔

جابر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ناقہ پر سوار کیا گیا۔ ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ خاتونِ جنت کو رسولِ خدا کے "شہباء" نامی خچر پر سوار کرایا گیا۔

حضرت سلمانؓ نے سواری کی باگ پکڑی۔ نبی اکرمؐ، حمزہؑ، عقیلؑ، جعفرؑ اور آپؐ کے خاندان کے افراد تلواریں ننگی کر کے جلوس میں پیچھے پیچھے چلے۔

اَزواجِ رسولؐ دلہن کی سواری سے آگے چلیں اور اُنھوں نے رجز پڑھے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے یہ رجز پڑھے:

سِرن بعون اللہ جاراتی واشکرنہ فی کل حالات
واذکرن ما انعم رب العُلیٰ من کشف مکروہ و آفات
فقد ھدانا بعد کفر وقد انعشنا رب السماوات
وسرن مع خیر نساء الوریٰ تفدی بعمات وخالات
یابنت من فضلہ ذوالعلیٰ بالوحی منہ والرسالات

"اے میری ہمسائیو! اللہ کی مدد سے آگے رہو اور تمام حالات میں اُس کا شکر بجالاؤ۔ خدا نے جو مصائب و آفات دُور کیے ہیں تم اُن انعامات کو یاد کرو۔ خدا نے ہمیں کفر کے بعد راہِ ہدایت دی اور آسمانوں کے رب نے ہم پر احسان کیا۔ کائنات کی افضل ترین خاتون کے ساتھ چلو۔ اس پر پھوپھیاں اور خالائیں قربان ہو جائیں۔ یہ اس کی صاحبزادی ہے جسے وحی اور رسالت کے ذریعے سے خداوند نے کائنات پر فضیلت دی ہے"۔

اس پُرمسرت موقع پر حضرت عائشہ نے یہ رجز پڑھا:

یانسوۃ استترن بالمعاجر واذکرن ما یحسن فی المحاضر
واذکرن رب الناس اذ یخصنا بدینہ مع کل عبد شاکر
والحمد للہ علی افضالہ واشکر للہ العزیز القادر
سرن بھا فاللہ اعطی ذکرھا وخصھا منہ بطھر طاھر

"اے بیبیو! پردے کی اُوٹ میں رہو اور وہ چیز بیان کرو جو محافل میں بھلی لگتی ہو۔ لوگوں کے رب کو یاد کرو، اُس نے ہمیں ہر شکر گزار بندے کے ساتھ اپنے دین کے لیے مخصوص کیا۔

اللہ کے احسانات پر اس کی حمد ہے اور غالب و قادر خدا کا شکر ہے۔

تم دلہن کے ساتھ چلتی رہو۔ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور اسے پاک و پاکیزہ شوہر کے لیے مخصوص کیا ہے"۔

اس خوشی کے موقع پر حضرت حفصہ بھی کسی سے پیچھے نہ رہی تھیں، اُنھوں نے یہ رجز پڑھا:

فاطمة خیر نساء البشر ومن لها وجه کوجه القمر

فضلك الله علی کل الوریٰ بفضل من خص بآی الزمر

زوجك الله مفتی فاضلا اعنی علیا خیر من فی الحضر

فسرن جاراتی بها فانها کریمة بنت عظیم الخطر

"فاطمہ زہراؑ تمام نساء العالمین سے افضل و برتر ہیں۔ ان کا چہرہ چاند کی طرح دمکتا ہے، خدا نے تجھے تمام جہان پر فضیلت دی ہے اور آیاتِ زمر کے ساتھ تجھے مخصوص کیا ہے۔ اللہ نے تیری شادی فاضل جوان سے کی ہے۔ اس سے میری مراد علیؑ ہے، جو تمام موجود افراد سے افضل و اعلیٰ ہے۔ میری سہیلیو! ان کے ساتھ آگے بڑھتی رہو، وہ کریمہ خاتون ہے اور عظیم القدر انسان کی صاحبزادی ہے"۔

اس موقع پر سعد بن معاذ کی والدہ بی بی معاذہ نے یہ رجز پڑھے تھے:

اقول قولا فیه ما فیه واذکر الخیر والبریه

محمد خیر بنی آدم ما فیه کبر ولایته

بفضل عرفنا رشدنا فالله بالخیر یجازیه

ونحن مع بنت نبی الهدیٰ ذی شرف قد مکنت فیه

فی ذروة شامخة اصلها فما اریٰ شیئًا یدانیه

"میں حق و حقیقت کہہ رہی ہوں، میں بھلائی کو یاد کرتی اور اسے ظاہر کرتی ہوں۔ محمدؐ نسلِ آدمؑ سے بہتر ہیں، ان میں کوئی تکبر اور بڑائی نہیں ہے۔ اُس کی فضیلت کی برکت سے ہمیں سیدھا راستہ ملا۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر جزا دے گا اور ہم پیغمبرؐ ہدایت کی صاحبزادی کے ساتھ ہیں، جس میں ہر طرح کا شرف پایا جاتا ہے۔ اس کا تعلق بلند و بالا جڑ سے ہے۔ مجھے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی جو اس کے مساوی ہو"۔

شادی میں شریک خواتین جب رجز کے پہلے فقرے کو دہراتیں تو تکبیر کہتی تھیں۔

الغرض اس شان وشوکت سے زہرا بتول علیہا السلام کی بارات چلی، یہاں تک کہ دولہا کے گھر ڈولی پہنچ گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولہا علیؑ مولا کو بلایا۔ جب آپؑ قریب ہوئے تو حضورؐ نے اپنی صاحبزادی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: اللہ اس گھرانے کو برکت دے۔ پھر فرمایا: اے علیؑ! فاطمہؑ تمہاری بہترین زوجہ ہے۔ پھر حضرت سیّدہ زہراؑ کی طرف رُخِ انور کر کے فرمایا: فاطمہؑ! علیؑ تمہارے بہترین شوہر ہیں۔

بعدازاں آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! فاطمہؑ تمہارے پاس میری امانت ہے۔ پھر آپؐ نے دعا مانگی اور اللہ رب العالمین سے درخواست کی:

"پروردگارا! ان کے خاندان کو جمع رکھنا اور ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت پیدا کرنا اور ان دونوں اور اُن کی نسلوں کو جنت النعیم کے وارثوں میں سے قرار دے۔ اُنھیں بابرکت اور طیب و طاہر اولاد نصیب فرما اور ان کی ذُریت میں برکت کا نزول فرما اور انھیں ایسا امام بنا جو تیرے فرمان کے مطابق تیری ہی اطاعت کی ہدایت دیتے ہیں اور ایسی چیزوں کا حکم دیتے ہیں جن میں تیری رضا مضمر ہوتی ہے۔

خدایا! یہ دونوں پوری مخلوق میں سے زیادہ محبوب ہیں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی اِن سے محبت فرما اور اپنی طرف سے ان پر نگہبان مقرر فرما اور میں ان دونوں اور اُن کی نسل کو شرِ شیطان سے بچانے کے لیے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر آپؐ دروازے سے باہر تشریف لائے اور یہ کہہ رہے تھے:

خدا تم دونوں کو اور تمہاری نسل کو طاہر رکھے۔ جو تم سے صلح رکھے گا میری بھی اُس سے صلح ہے اور جو تم دونوں سے جنگ کرے گا میری بھی اُس سے جنگ ہے۔ میں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اُسے تمہارا محافظ قرار دیتا ہوں"۔

حضرت اسماء بنت عمیس نے وہ رات علیؑ و بتولؑ کے گھر میں گزاری۔ صبح ہوئی تو آنحضرتؐ زوجین کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور آپؐ نے اُن پر سلام کیا۔

حضرت اسماء نے دروازہ کھولا اور آپؐ گھر میں تشریف لائے اور حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا: اے علیؑ! آپؑ نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا؟

اُنھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اطاعت الٰہی میں انھیں اچھا مددگار پایا۔

پھر آپؐ نے حضرت سیدہؑ سے پوچھا: زہراؑ! تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟

بی بیؑ نے عرض کیا: میں نے اُنھیں اچھا خاوند پایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ دودھ کا ایک پیالہ لائے تھے۔ آپؐ نے حضرت سیدہؑ سے فرمایا: تیرا باپ تجھ پر قربان، اس میں سے کچھ دودھ پی لو۔

جب بی بیؑ نے دودھ پی لیا تو رسولؐ خدا نے وہی پیالہ حضرت علیؑ کے سپرد کیا اور فرمایا: تیرا ابنِ عم تجھ پر قربان، باقی دودھ آپؑ پی لیں۔

پھر حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: پانی کا ایک پیالہ لاؤ۔

حضرت علیؑ پانی کا پیالہ لائے۔ آپؐ نے اس میں تین بار اپنا لعاب دہن شامل فرمایا اور کچھ قرآنی آیات کی تلاوت کر کے اس پر دَم کیا اور فرمایا: اے علیؑ! اسے پی لو، مگر کچھ حصہ اس میں سے بچاؤ۔

حضرت علیؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آنحضرتؐ نے وہ بچا ہوا پانی اُٹھایا اور حضرت علیؑ کے سر اور سینہ پر چھڑک دیا۔ پھر فرمایا: اے علیؑ! اللہ تم سے ہر رجس کو دُور رکھے اور تمھیں ایسی طہارت دے جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔

بعدازاں آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: آپؑ کچھ دیر کے لیے باہر تشریف لے جائیں۔ حضرت علیؑ باہر چلے گئے تو آپؐ نے سیدہ سلام اللہ علیہا سے تنہائی میں کہا: بیٹی! آپؑ کیسی ہیں اور آپؑ نے اپنے شوہر کو کیسا پایا ہے؟

حضرت سیدہؑ نے عرض کیا: بابا جان! میں نے اُنھیں بہترین شوہر پایا ہے، لیکن کل کچھ زنانِ قریش مجھے ملنے آئی تھیں، اُنھوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ آپؑ کے والد نے آپ کو

ایک مفلس انسان سے بیاہا ہے جس کے پاس دولت نہیں ہے۔

رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! نہ تو تیرا والد مفلس ہے اور نہ ہی تیرا خاوند مفلس ہے۔ میرے سامنے زمین کے سونے چاندی کے ذخائر پیش کیے گئے، میں نے انھیں ٹھکرا دیا اور میں نے اس اجر کا انتخاب کیا جو خدا کے ہاں موجود ہے۔

پیاری بیٹی! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر آپؑ بھی وہ جان لیتیں تو آپؑ کی نظر میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی۔

پیاری بیٹی! میں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں کی، میں نے تمھیں اس شخص سے بیاہا ہے جو اوّل المسلمین ہے اور جو سب سے بڑا عالم ہے اور جو سب سے زیادہ بردبار ہے۔

پیاری بیٹی! اللہ نے روئے زمین پر نگاہ کی تو دو افراد کا انتخاب کیا، ان میں سے ایک کو تیرا والد بنایا اور دوسرے کو تیرا شوہر بنایا۔

پیاری بیٹی! تمہارا شوہر بہترین شوہر ہے، اس کے کسی بھی فرمان کی نافرمانی نہ کرنا۔

(اقتباس از بحارالانوار، جلد دہم)

حضرت علی علیہ السلام اور جہاد

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ

"یقیناً اللہ نے جنت کے عوض اہلِ ایمان سے ان کی جانوں اور ان کے اَموال کو خرید کیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں"۔ (سورۂ توبہ: آیت ۱۱۱)

اسلام وہ واحد دین ہے جو کہ امن و سلامتی کا محافظ ہے۔ وہ دیگر اَدیان کی بہ نسبت لوگوں کے جان و مال اور حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کے خون کو ناحق بہانا اور اُن سے زندگی کی نعمت چھیننا اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ترین عمل ہے۔ البتہ اگر کوئی بدبخت انسانی سعادت کے راستے کو روکنے پر بضد ہو تو پھر اسلام ایسے شخص کے خون بہانے کو جائز قرار دیتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی شہر میں مختلف بیماریاں پائی جائیں جن سے لوگوں کی جان کو خطرہ ہو اور ایک طبیب خدا ترسی کرتے ہوئے اُس شہر میں آجائے اور لوگوں کو مفت دوا فراہم کرنے لگے اور لوگ اس کی دوا سے صحت یاب ہو رہے ہوں۔

پھر کچھ اَشرار کا گروہ نمودار ہو، جو معالج کو علاج سے منع کرے اور اس سے جنگ شروع کردے اور طبیب اُنھیں سمجھائے کہ تم لوگ اپنی حرکات سے باز آجاؤ میں تو یہاں کے عوام میں صحت و عافیت تقسیم کر رہا ہوں۔ میری تو کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں تمہارے

شہر کو بیماری سے پاک کرنا چاہتا ہوں۔

مگر اَشرار کا گروہ دھمکیوں پر اُتر آئے اور شفا حاصل کرنے کے لیے جو لوگ معالج کے پاس جانا چاہتے ہوں اُن سے لڑائی پر آمادہ ہوجائے اور وہ گروہ لوگوں کی صحت و سلامتی دیکھ کر کسی قیمت پر راضی نہ ہو تو عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ اَشرار کے اس گروہ کو نابود کردیا جائے۔

اس وقت کا جاہلی ماحول بیماری میں مبتلا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ان کا طبیب مقرر کیا تھا۔ مکہ کے اَشرار نے طبیب سے اتنی بدسلوکی کی کہ انھیں مکہ سے ہجرت کرنا پڑی تھی۔

ان لوگوں نے خدا کے مقرر کردہ طبیب کو مکہ میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن خدا نے اُن کے منصوبے کو ناکام بنادیا۔ آپؐ نے اپنی جنم دھرتی کو چھوڑ دیا تاکہ دعوتِ اسلام کو جاری رکھا جاسکے لیکن دشمنوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور آپؐ کی زندگی کے چراغ کو گل کرنے کے منصوبے بنائے اور اس کے لیے باقاعدہ جتھہ بندی کی گئی اور اُن کا اوّل و آخر ہدف یہ تھا کہ آنحضرتؐ اور اُن کے پیروکاروں کا دنیا سے خاتمہ کردیا جائے۔

ان حالات میں رسولِ خدا کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ آپؐ اپنے دوستوں کو جمع کر کے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔

آپؐ کے دوستوں میں مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے انصار تھے۔ ان میں بوڑھے، پختہ عمر اور جوان ہر طرح کے افراد تھے اور ان سب میں ایک چیز مشترک تھی اور وہ اسلام کی محبت تھی۔ اور ان کے پاس مادی ہتھیار کم تھے جب کہ وہ ایمان کے ہتھیاروں سے مکمل طور پر مسلح تھے، لیکن ابھی تک زندگی سے پیار ان کے دلوں میں موجود تھا لہٰذا موت کی گھاٹی میں اُترنا اُن کے لیے انتہائی مشکل تھا اور تیروں اور تلواروں کے سامنے اپنے سینوں اور گردنوں کو پیش کرنا انھیں فی الحال دشوار دکھائی دیتا تھا کیونکہ وہ کھلی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ جب کہ دشمن کی افرادی قوت بھی زیادہ ہے اور وہ ہتھیاروں سے بھی پوری طرح مسلح ہیں۔

مسلمانوں کی کفار سے باقاعدہ پہلی جنگ بدر میں ہوئی تھی۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے

درمیان ہے۔ رسولِ اکرمؐ اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچے۔ ادھر سے مکہ کے مشرکین کی فوج بھی وہاں آگئی۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ جب کہ مشرکین کی تعداد نو سو یا ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اس جنگ میں ابوجہل جیسے سرکردہ افراد بھی شامل تھے اور انھیں اپنی قوتِ بازو پر یقین تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ انھیں ہی کامیابی حاصل ہوگی، لیکن خدا کا ارادہ کچھ اور تھا۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ کئی بار چھوٹے گروہ اللہ کے حکم سے بڑے گروہوں پر غالب آئے ہیں۔ اسلام کی اس پہلی جنگ میں حضرت علی علیہ السلام نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ آپؑ نے کفار کے بہادروں کو پچھاڑا اور ان کے دلیروں کو قتل کیا۔

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ حضرت علی علیہ السلام خون بہانے کے عادی تھے۔ اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا خدا پر پورا یقین تھا اور انھوں نے تمام غرائز کو پسِ پشت ڈال کر موت کی وادی میں قدم رکھا تھا۔ اس وقت آپؑ کی عمر قریباً چوبیس برس کی تھی اور اس عمر کا شخص بھرپور جوان ہوتا ہے۔ فطری طور پر جوان کی زندگی سے زیادہ محبت ہوتی ہے، جب کہ پختہ عمر کا شخص زندگی سے کچھ زیادہ پیار نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود دنیا نے دیکھا کہ علیؑ خوف سے بالکل ناآشنا ہیں اور بزدلی کبھی اُن کے قریب سے بھی نہیں گزری اور وہ سینہ تان کر موت کا استقبال کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ آپؑ نے جنگ میں دشمن کی طرف یوں پیش قدمی کی جیسا کہ اپنی کسی پسندیدہ چیز کو تلاش کرنے چلے ہوں۔ آپؑ نے شجاعت وحمیت کا وہ مظاہرہ کیا کہ تمام مورخین (بشمول مسلم وغیر مسلم) کو یہ کہنا پڑا کہ عرب وعجم میں علیؑ سے بڑا بہادر کوئی نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جو غزوات واقع ہوئی تھیں یہ اس کا ایک نمونہ تھا۔ تمام غزوات میں حضرت علیؑ نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ آپؑ دشمن کے تیر اور نیزوں سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ کا پورا جسم زخموں سے چُور چُور ہوجاتا تھا۔ پھر بھی آپؑ جنگ جاری رکھتے تھے۔ اگر خدا کی حفاظت آپؑ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو ان غزوات میں آپؑ کی شہادت یقینی تھی۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: جہاں تک جہاد فی سبیل اللہ کا تعلق ہے تو حضرت علی علیہ السلام کے جہاد کو دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں اور سب یہ مانتے ہیں کہ آپؑ سید المجاہدین تھے۔ کیا عہد پیغمبرؐ میں آپؑ سے بڑھ کر کسی اور نے جہاد کیا تھا؟

آپ جانتے ہیں کہ بدر کبریٰ کی جنگ انتہائی فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس جنگ میں ستر مشرک قتل ہوئے۔ مقتولین کی نصف تعداد کو حضرت علیؑ نے تن تنہا قتل کیا تھا اور باقی آدھی تعداد کو تمام مجاہدین اور ملائکہ نے مل کر قتل کیا تھا۔

جب آپ مغازی واقدی اور یحییٰ بن جابر بلاذری کی تاریخ الاشراف کا مطالعہ کریں گے تو ہمارے بیان کی صحت آپ کے سامنے واضح ہوجائے گی۔ بدر کے علاوہ جنگ اُحد، خندق، خیبر و حنین میں بھی آپؑ نے جان پر کھیل کر اسلام کی عزت کا تحفظ کیا تھا۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ غزواتِ نبویؐ میں حضرت علیؑ کے کردار کا جائزہ لیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام اور جنگِ بدر

بحارالانوار کی جلد ششم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے: جب حضرت رسولؐ خدا مقامِ بدر پر پہنچے تو اس وقت رات ہو چکی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو پانی لانے کا حکم دیا۔ رات بہت سرد تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ تاریک رات تھی۔ حضرت علیؑ مشک لے کر کنوئیں کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کوئی ڈول موجود نہ تھا۔ مجبوراً آپؑ کو کنوئیں میں اُترنا پڑا۔ آپؑ نے کنوئیں میں اُتر کر مشک بھری اور لشکرِ اسلام کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ اپنے لشکر کی طرف آرہے تھے کہ شدید جھکڑ چلا۔ آپؑ بیٹھ گئے۔ جب وہ گردوباد ختم ہوا تو آپؑ چل پڑے۔ پھر دوسری بار اسی طرح کا گردوبار آیا۔ اس بار بھی آپؑ بیٹھ گئے۔ جب گردوباد ختم ہوا تو آپؑ چل پڑے۔ پھر تیسری بار اسی طرح کا گردوباد آیا۔ آپؑ بیٹھ گئے۔ گردوباد گزرنے کے بعد آپؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ سے فرمایا: اے علیؑ! آپؑ نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ حضرت علیؑ نے تین بار گردوباد کا ذکر کیا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! جانتے ہو وہ کیا چیز تھی؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں آپؐ کی زبان سے سننے کا خواہش مند ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: پہلے گردوباد میں جبرئیلؑ تھے جو ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ آرہے تھے۔ اُنھوں نے آپؑ کو سلام کیا تھا۔ پھر دوسرے گردوباد میں میکائیلؑ تھے ان کے ساتھ بھی ایک ہزار فرشتے تھے۔ ان سب نے آپؑ کو سلام کیا۔

تیسرے گردوباد میں اسرافیل تھے اُن کے ساتھ ایک ہزار ملائکہ کا لشکر تھا ان سب ملائکہ نے آپؑ کو سلام کیا تھا۔

امیر المومنین علی علیہ السلام پر اس رات تین ہزار فرشتوں نے سلام کیا تھا، جن کی قیادت تین عظیم القدر فرشتے کر رہے تھے۔ اسی واقعہ کے متعلق سید حمیری نے یہ نظم لکھی تھی:

اقسم باللہ وآلائه   والمرء عما قال مسئول

ان علی بن ابی طالب   علی التقی والبر مجبول

کان اذا الحرب مرتها القنا   واحجمت عنها البهالیل

یمشی الی القرن وفی کنه   ابیض ماضی الحد مصقول

مشیة العفرنا بین اشباله   ابرزه للقنص الفیل

ذاك الذی سلم فی لیلة   علیه میکائیل وجبرئیل

میکال فی الف وجبرئیل فی   الف دئیلوهم سرافیل

لیلة بدر مددا انزلوا   کانهم طیرا ابابیل

"میں خدا اور اُس کی جملہ نعمات کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور ہر شخص اپنی گفتگو کے لیے جواب دہ ہوتا ہے۔ یقیناً علیؑ ابن ابی طالبؑ کی تخلیق نیکی اور تقویٰ پر ہوئی ہے۔

علیؑ وہ ہے جس پر میکائیلؑ اور جبرئیلؑ نے ایک ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ سلام کیا تھا۔ میکائیلؑ کے ساتھ ایک ہزار فرشتے تھے اور جبرئیلؑ کے ساتھ ایک ہزار فرشتے تھے اور اُن کے پیچھے اسرافیل بدر کی رات اسلام کی مدد کے لیے نازل ہوئے تھے گویا کہ وہ ابابیل پرندے ہوں"۔

الغرض صبح ہوئی تو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئیں۔ سب سے پہلے عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید میدان میں آئے اور اُنھوں نے کہا: محمدؐ! ہمارے مقابلے پر قریش کے ہم کفو افراد بھیج۔

اُن کے مقابلہ میں تین انصاری جوان گئے، اُنھوں نے کہا کہ پہلے اپنا حسب نسب بیان کرو۔ انصاری جوانوں نے اپنا نسب بیان کیا تو اُنھوں نے کہا: ہم تم سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا مقابلہ قریش کے افراد سے ہی ہوگا۔

رسولؐ خدا نے عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کی طرف دیکھا۔ اس وقت اُن کی عمر ستر برس کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: عبیدہ! تم اُٹھو۔ حکم نبویؐ سنا تو عبیدہ تلوار لے کر اُٹھے۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنے چچا حمزہؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا: چچا! آپؑ بھی اُٹھیں۔ حضرت حمزہؑ کھڑے ہوئے۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی طرف دیکھا۔ اس وقت آپؑ سب سے کم سن تھے اور فرمایا: علیؑ! تم اُٹھو۔ علیؑ اُٹھے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: تم میدان میں جاؤ اور قریش سے اپنے حق کا مطالبہ کرو جو خدا نے تمہیں عطا کیا ہے۔ آج قریش پورے تکبر اور غرور کے ساتھ خدا کے نُور کو بجھانے کے لیے آئے ہیں، جب کہ اللہ ہر قیمت پر اپنے نُور کو مکمل کرے گا۔

اسلام کے تینوں سرباز اُٹھے۔ رسولؐ خدا نے عبیدہ سے فرمایا: تم عتبہ بن ربیعہ کا مقابلہ کرو۔ آپؐ نے حضرت حمزہؑ سے فرمایا: آپؑ شیبہ کا مقابلہ کریں۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: تم ولید کے مقابلے پر جاؤ۔ الغرض یہ تینوں مجاہدین کفارِ قریش کے سامنے آئے۔

قریش کے پہلوانوں نے کہا: اب ہم خوشی سے جنگ کریں گے، مقابلے کے افراد سامنے آئے ہیں۔ عبیدہ نے عتبہ پر حملہ کیا اور اُس کے سر پر وار کیا۔ تلوار اُس کی کھوپڑی سے ٹکرائی اور اُس کی کھوپڑی پھٹ گئی۔ عتبہ نے گرتے گرتے عبیدہ کی پنڈلی پر تلوار ماری تو ان کا پاؤں کٹ گیا۔ دونوں زمین پر گر گئے۔

اتنے میں شیبہ نے حضرت حمزہؑ پر حملہ کیا اور دونوں کے درمیان خوب تلواریں چلیں، یہاں تک کہ دونوں کی تلواریں کند ہو گئیں۔

امیرالمومنینؑ نے ولید پر حملہ کیا۔ آپؑ نے اس کے شانے پر تلوار کا وار کیا اور اُس کی بغل سے تلوار نکالی۔ حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ ولید نے بائیں ہاتھ سے مجھ پر حملہ کیا، مجھے یوں لگا جیسا کہ آسمان میرے سر پر آ کر ٹوٹا ہو۔ پھر حمزہؑ اور شیبہ کے درمیان دست بہ دست لڑائی ہونے لگی۔

مسلمانوں نے کہا: علیؑ! دیکھو وہ کتا تیرے چچا پر حملہ آور ہے۔

آپؑ آگے بڑھے اور حضرت حمزہؑ سے کہا: چچا! آپ اپنا سر جھکائیں۔ حمزہؑ کا قد بلند

تھا، اسی لیے ان کا سر شیبہ کے اُوپر تھا۔ حمزہؓ نے اپنا سر شیبہ کے سینے کے نیچے کیا اور حضرت علیؑ نے شیبہ پر وار کیا اور اُس کے دو حصّے کر دیے۔

پھر آپؑ عتبہ کے پاس آئے ابھی اس میں رمق جان باقی تھی۔ آپؑ نے اُسے قید حیات سے نجات دلائی۔

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حمزہؓ عتبہ کے مقابلے میں گئے اور عبیدہ شیبہ کے مقابلے میں اور علیؑ ولید کے مقابلے میں گئے۔ عبیدہ نے شیبہ کو اور علیؑ نے ولید کو قتل کیا۔ شیبہ نے عبیدہ کی ٹانگ پر تلوار ماری جس سے ان کی ٹانگ کٹ گئی۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؑ نے اُنھیں اس سے چھڑایا اور اُنھیں اُٹھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ عبیدہ رو پڑے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: آپؓ میرے اہلِ بیت کے پہلے شہید ہیں۔

اُنھوں نے کہا کہ اگر آج آپؐ کے چچا زندہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ہم نے ان کے کہنے پر پورا عمل کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: آپؓ کا اشارہ میرے کس چچا کی طرف ہے؟

عبیدہ نے کہا کہ میرا اشارہ حضرت ابوطالبؑ کی طرف ہے، جنھوں نے یہ کہا تھا:

کذبتم وبیت اللہ یبزی محمد ولما نطاعن دونہ ونناضل

ونسلمہ حتی نصرع حولہ ونذھل عن ابنائنا والحلائل

"بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے کہ محمدؐ کو بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ہم نے اُن کے سامنے ابھی تک نیزے چلائے اور نہ ہی ہم نے تلوار اُٹھائی ہے۔ جب تک محمدؐ کے گرد ہماری لاشیں نہ گریں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو فراموش نہ کریں، تب تک ہم اسے دشمنوں کے حوالے نہیں کریں گے"۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا آپؓ نہیں دیکھتے کہ ان کا ایک فرزند خدا و رسولؐ کے سامنے ایک شیر کے مانند جنگ کر رہا ہے جب کہ ان کا دوسرا فرزند حبشہ کی سرزمین پر راہِ جہاد میں

جہاد کر رہا ہے۔

عبیدہ نے کہا: یارسولؐ اللہ! کیا اس حالت میں آپؐ مجھ پر ناراض ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں آپ پر ناراض نہیں ہوں لیکن آج مجھے میرا چچا یاد آیا ہے جس کی وجہ سے میں مغموم ہو گیا ہوں۔

جنگِ بدر میں ستر مشرکین قتل ہوئے، اُن میں سے ستائیس کفار کو حضرت علیؑ نے تن تنہا قتل کیا تھا۔ اس جنگ میں ستر کافر قتل ہوئے۔

اس واقعہ کا ایک اور بیان

جب اسلام کے یہ تینوں جانباز مشرکینِ مکہ کی مبارزطلبی کے جواب میں اُن کے سامنے گئے تو عتبہ نے چیخ کر کہا کہ پہلے اپنا تعارف کراؤ۔

مجاہدین اسلام نے اپنے تعارف کرایا۔ حضرت عبیدہ نے کہا: میں عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب ہوں۔

عتبہ نے کہا: واقعی ایک عظیم انسان مدمقابل ہوا ہے۔

پھر حضرت حمزہؓ نے فرمایا: میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کا شیر اور صاحبِ حلفاء وحمزہ ہوں۔

عتبہ نے کہا: آج ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ کے شیر کا حملہ دیکھیں گے کہ وہ ہمارے سامنے کیسے لڑتا ہے؟ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ آج تیرا مقابلہ مطیبین کے شیر سے ہے۔

پھر اس نے حضرت علیؑ سے کہا: آپؑ اپنا نام ونسب بیان کرو۔

آپؑ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔

عتبہ نے ولید سے کہا کہ اس جوان پر حملہ کرو۔ ولید حملہ کے لیے آگے بڑھا۔ اس کا سر منڈا ہوا تھا اور اس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی اور اُس کے ہاتھوں میں تلوار تھی۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ولید کا قد مجھ سے ایک ہاتھ بلند تھا۔ میں نے اس کے

اس ہاتھ پر تلوار ماری، جس میں اُس نے تلوار پکڑ رکھی تھی۔ اس کا ہاتھ کٹ کر دُور جا گرا اور اس کے ساتھ اُس کی تلوار بھی گر گئی۔ ولید نے زوردار چیخ بلند کی جسے دونوں لشکروں نے سنا اور وہ بھاگ کر اپنے باپ کے پاس آیا۔ اس وقت میں نے اس کی ران پر ضرب ماری وہ زمین پر گرا اور میں نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

پھر حضرتؑ نے یہ رجز پڑھا:

انا بن ذی الحوضین عبد المطلب و الهاشم المطعم فی السغب او فی بمیثاق واحمی من حسب

"میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں جو کہ دو حوض رکھتے تھے اور میں ہاشم کا فرزند ہوں۔ میں نے قحط سالی میں لوگوں کو کھانا کھلایا تھا۔ میں اپنے میثاق کو پورا کرتا ہوں اور اپنے شرف کا دفاع کرتا ہوں"۔

معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ اپنے باپ بھائی اور چچا کو ہمیشہ یاد کرتی تھی اور یہ اشعار پڑھا کرتی تھی:

ابی وعمی وشقیق بکری اخی الذی کانوا کضوء البدر
بهم کسرت یاعلی ظهری

"میرا باپ، چچا اور بھائی چودھویں کے چاند کی روشنی کے مانند تھے۔ علیؑ! تو نے اُنھیں قتل کر کے میری کمر کو توڑ دیا ہے"۔

جنگِ بدر میں علیؑ کے ہاتھوں سے قتل ہونے والوں کے نام

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ارشاد" میں لکھا ہے کہ علمائے عامہ و خاصہ نے ان مشرکین کے نام لکھے ہیں جنھیں امیرالمومنینؑ نے اپنی تلوار سے دوزخ پہنچایا تھا:

1. آپؑ نے سب سے پہلے ولید کو قتل کیا۔ وہ مکہ کا انتہائی دلیر شخص تھا۔ بڑے بڑے سورما اُس سے ڈرتے تھے۔
2. اسی جنگ میں آپؑ نے عاص بن سعید کو قتل کیا۔ یہ اتنا بڑا بہادر تھا کہ نامور دلیر افراد اس کا نام سن کر کانپتے تھے۔

۳۔ اسی جنگ میں آپؑ نے طعیمہ بن عدی کو واصلِ جہنم کیا۔ وہ گمراہوں کا سربراہ تھا۔

۴۔ اسی جنگ میں آپؑ نے نوفل بن خویلد کو قتل کیا۔ وہ رسولِ اکرمؐ کا بدترین دشمن تھا اور اہلِ مکہ اُس کا بڑا احترام کرتے تھے اور اُس کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت ابوبکر اور طلحہ کو پکڑ کر رسی سے باندھا تھا اور سارا دن باندھے رکھا تھا۔ جب رسولؐ خدا نے سنا کہ نوفل بن خویلد بھی لشکرِ کفار میں موجود ہے تو آپؐ نے خداوندعالم سے دُعا کی تھی: ''خدایا! نوفل بن خویلد سے میری کفایت فرما''۔ آنحضرتؐ کی دُعا قبول ہوئی اور امیرالمومنینؑ نے جنگِ بدر میں اس کا کام تمام کر دیا تھا۔

۵۔ آپؑ نے زمعہ بن اُسود کو قتل کیا۔

۶۔ آپؑ نے عقیل بن اُسود کو قتل کیا۔

۷۔ آپؑ نے حارث بن زمعہ کو قتل کیا۔

۸۔ آپؑ نے نضر بن حارث بن عبدالدار کو قتل کیا۔

۹۔ آپؑ نے عمیر بن عثمان بن کعب بن تیم کو قتل کیا۔ یہ شخص طلحہ بن عبیداللہ کا چچا تھا۔

۱۰، ۱۱۔ آپؑ نے طلحہ بن عبیداللہ کے دو بھائیوں عثمان اور مالک کو قتل کیا۔

۱۲۔ آپؑ نے سعود بن ابی اُمیہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔

۱۳۔ آپؑ نے قیس بن فاکہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔

۱۴۔ آپؑ نے حذیفہ بن ابی حذیفہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔

اس کے علاوہ آپؑ نے ۱۵۔ ابوقیس بن ولید بن مغیرہ ۱۶۔ حنظلہ بن ابی سفیان ۱۷۔ عمرو بن مخزوم ۱۸۔ ابوالمنذر بن ابی رفاعہ ۱۹۔ منبہ بن حجاج سہمی ۲۰۔ عاص بن منبہ ۲۱۔ علقمہ بن کلدہ ۲۲۔ ابوالعاص بن قیس بن عدی ۲۳۔ معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص ۲۴۔ لوذان بن ربیعہ ۲۵۔ عبداللہ بن منذر بن ابی رفاعہ ۲۶۔ مسعود بن امیہ بن مغیرہ ۲۷۔ حاجب بن سائب بن عویمر ۲۸۔ اوس بن مغیرہ بن لوذان ۲۹۔ زید بن ملیص ۳۰۔ عاصم بن ابی عوف ۳۱۔ سعید بن وہب یہ بنی عامر کا حلیف تھا۔ ۳۲۔ معاویہ بن عبدالقیس ۳۳۔ عبداللہ بن جمیل

بن زہیر بن حارث بن اسد ۴۴ سائب بن مالک ۴۵ ابوالحکم بن اخنس ۴۶ ہاشم بن ابی امیہ بن مغیرہ کو بھی قتل کیا۔

جنگِ بدر میں شیر خدا نے مذکورہ بالا مشرکین کو تنِ تنہا قتل کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپؑ نے دوسرے مجاہدین کے ساتھ مل کر جن کفار کو دوزخ روانہ کیا ان کی تعداد پوری طرح سے معلوم نہیں ہے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الارشاد، ص ۶۳-۶۴)

علیؑ اور جنگِ بدر

"اُحد" مدینہ کے قریب پہاڑ کے دامن میں واقع جگہ کا نام ہے اور جنگِ اُحد اسی جگہ واقع ہوئی تھی۔ ابوسفیان جنگِ بدر کا انتقام لینے کے لیے بھاری بھرکم لشکر لے کر آیا اور مدینہ کے قریب "اُحد" کے مقام پر صف آرائی کی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا مختصر سا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے تشریف لائے۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مدمقابل آئیں۔ آنحضرتؐ نے ستر افراد کو پہاڑ کے درّے پر کھڑا کیا اور فرمایا: ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے درّہ خالی نہیں کرنا۔ پھر باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا۔ قریش کا پرچم طلحہ بن ابی العبدری کے ہاتھ میں تھا۔ اس شخص کا تعلق قریش کے ذیلی قبیلہ بنی عبدالدار سے تھا۔ وہ مقابلہ پر آیا اور اس نے آواز دے کر کہا:

اے اصحابِ محمدؐ! تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اگر تم ہمیں قتل کر دو تو ہم دوزخی بنتے ہیں اور تم غازی اور مجاہد کہلاتے ہو اور اگر تم ہمارے ہاتھوں سے مارے جاؤ تو تم شہید کہلاتے ہو۔ اب جسے غازی یا شہید بننے کا شوق ہو تو وہ میرے مقابلہ پر آئے۔

حضرت علیؑ اس کے مقابلہ پر روانہ ہوئے اور آپؑ نے اُس کے سامنے یہ رجز پڑھا:

یاطلح ان کنتم کما تقول   لکم خیول ولنا نصول

فاثبت لننظر اینا المقتول   واینا اولی بما تقول

فقد اتاک الاسدا الصوؤل

بصارم لیس به فلول   ینصرہ القاهر والرسول

”اے طلحہ! جیسا کہ تم کہتے ہو تمہارے پاس گھوڑے ہیں، جب کہ ہم حملہ کرتے ہیں۔ اب اپنے مقام پر رُکے رہو اور دیکھو کہ ہم میں سے کون قتل ہوتا ہے اور تمہاری گفتگو کا زیادہ حق دار کون ہے؟ یقیناً ایک دلیر شیر تیرے سامنا آ چکا ہے۔ اور وہ ایسی تلوار لے کر آیا ہے جو کہ کند نہیں ہے اور خدا و رسولؐ اُس کے مددگار ہیں“۔

طلحہ نے کہا: اے جوان! تُو کون ہے؟

آپؑ نے فرمایا: میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔

طلحہ نے کہا: اے قصم! میں جان گیا تیرے علاوہ میرے خلاف کوئی جسارت نہیں کر سکتا۔

یہ کہہ کر طلحہ نے حضرتؑ پر وار کیا جسے آپؑ نے ڈھال سے ناکام بنایا۔ پھر آپؑ نے اُس کی رانوں پر وار کیا اور اُس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ وہ پشت کے بل زمین پر گرا اور اُس کا پرچم بھی گر گیا۔

پھر آپؑ آگے بڑھے کہ اُس کا کام تمام کریں۔ اُس نے آپؑ کو رشتہ داری کا واسطہ دیا۔ آپؑ نے اُسے چھوڑ دیا۔

مسلمانوں نے کہا: یا علیؑ! آپؑ نے اُس کا قصہ ختم کیوں نہیں کیا؟

آپؑ نے فرمایا: میں نے اُسے ایسی ضرب ماری ہے جس کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اس کے بعد کفار کے پرچم کو سعید بن ابی طلحہ نے اُٹھایا۔ حضرت علیؑ نے اُسے قتل کیا۔ پرچم پھر زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد عثمان بن طلحہ نے پرچم اُٹھایا اُسے بھی آپؑ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد حارث بن ابی طلحہ نے اس پرچم کو اُٹھایا۔ اُسے بھی حضرت علیؑ نے واصلِ جہنم کیا۔ پھر عزیز بن عثمان نے وہ پرچم اُٹھایا۔ اسداللہ نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن جمیلہ زہیر نے اس پرچم کو اُٹھایا۔ اُسے بھی شیرِ خدا نے قتل کر دیا اور پرچم زمین پر گر گیا۔ پھر بنی عبدالدار کے نویں شخص ارطاۃ بن شرجیل نے پرچم اُٹھایا۔ اُسے بھی آپؑ نے قتل کر دیا۔

اس کے بعد ان کے غلام صواب نے پرچم اُٹھایا۔ حضرت علیؑ نے اُس کے دائیں بازو پر حملہ کیا، اُسے کاٹ دیا۔ پرچم گرنے لگا تو اُس نے بائیں ہاتھ سے پرچم کو اُٹھایا۔ آپؑ نے اُس کے بائیں ہاتھ پر حملہ کیا اور اُسے کاٹ دیا تو پرچم زمین پر گرنے لگا۔ اُس نے اپنے زخمی اور کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم کو تھاما اور چیخ کر کہا: بنی عبدالدار! تم نے دیکھا ہے کہ میں نے پرچم کی کس طرح سے حفاظت کی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے اس کے سر پر وار کیا اور اُسے قتل کر دیا۔ پرچم زمین بوس ہوا۔ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے پرچم اُٹھایا۔ جب مشرکین کے پرچم بردار یکے بعد دیگرے قتل ہوئے تو اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمان مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ درّہ کے نگہبانوں کی اکثریت نے درّہ چھوڑ دیا۔

خالد بن ولید نے دُور جا کر اپنے لشکر کو ازسرِ نو منظم کیا اور لمبا چکر کاٹ کر درّہ سے داخل ہوا۔ وہاں پر جو چند نگہبان موجود تھے اُنھیں شہید کر دیا اور مسلمانوں کے لشکر پر پوری قوت سے حملہ آور ہوا۔

مسلمان اس اچانک اُفتاد کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس جنگ میں ستر مسلمان صحابہ شہید ہوئے اور بقیۃ السیف افراد نے بھاگنے ہی میں عافیت جانی۔ کچھ جانثار میدان میں ڈٹے رہے۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ کو بہت زیادہ زخم آئے۔ ایک روایت کے مطابق آپؑ کو نوے زخم لگے۔ (بحار، جلد ۶)

بحارالانوار میں شقیق بن سلمہ سے منقول ہے کہ میں حضرت عمر بن الخطاب کے ہمراہ چل رہا تھا۔ میں نے ہمہمہ کی آواز سنی۔ میں نے کہا: عمر! کیا بات ہے؟

حضرت عمر نے کہا: تجھ پر افسوس، کیا تو دلیر اور بہادر شیر کو نہیں دیکھتا جو کہ درندوں پر حملہ کر رہا ہے اور وہ دو تلواروں اور پرچم لے کر ہر باغی اور طاغی کے خلاف مصروفِ جنگ ہے۔

میں متوجہ ہوا تو وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہا: میرے قریب آؤ میں تجھے اس جوان کی دلیری اور بہادری کے متعلق بتاؤں۔

جنگِ اُحد سے قبل ہم نے رسولِ اکرمؐ کی اس شرط پر بیعت کی تھی کہ ہم میدان چھوڑ کر

نہیں بھاگیں گے اور جس نے ہم سے راہِ فرار اختیار کیا وہ گمراہ ہوگا اور جو مارا جائے گا وہ شہید ہوگا اور نبیؐ اُس کی نجات کے ضامن ہوں گے۔

پھر جنگ میں ہم پر ایک سو دلیروں نے حملہ کیا اور ہر دلیر کے پرچم کے نیچے ایک سو سپاہی تھے۔ اُنھوں نے ہمیں جنگ سے عاجز کر دیا۔ اس اثناء میں مَیں نے علیؑ کو دیکھا کہ وہ شیر کے مانند تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جب علیؑ نے ہمیں فرار کرتے ہوئے دیکھا تو مٹھی بھر خاک اُٹھا کر ہمارے چہروں کی طرف پھینکی اور کہا: تمہارے چہرے بگڑ جائیں تم کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ دوزخ کی طرف جا رہے ہو؟

ہم نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر علیؑ تلوار لے کر ہماری طرف بڑھے۔ اُن کی تلوار سے موت ٹپک رہی تھی!!

اُنھوں نے کہا: تم نے بیعت کر کے توڑی ہے؟ تم لوگ اس قابل ہو کہ میں تمھیں قتل کروں۔ اُس وقت میں نے اُن کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو یوں دکھائی دیا جیسا کہ دو چراغ جل رہے ہوں یا خون سے بھرے ہوئے دو پیالے ہوں۔ مجھے یوں لگا جیسا کہ وہ اب ہم پر حملہ کر دیں گے۔ میرے باقی دوست چپ رہے۔

میں آگے بڑھا اور ان سے کہا: اے ابوالحسنؑ! اللہ سے ڈریں۔ عربوں کی عادت ہے کہ کبھی وہ دوڑ جاتے ہیں اور کبھی وہ حملہ آور ہوتے ہیں۔ حملہ آوری کی وجہ سے بھاگنے کا داغ اُتر جاتا ہے۔

میرا جواب سنا تو علیؑ خاموش ہو گئے اور لشکرِ کفار کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت کا رُعب ابھی تک میرے دل پر چھایا ہوا ہے۔ اسی جنگ میں ابودجانہ، سماک بن خرشہ اور حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہ رہا۔ جب کوئی گروہ رسولؐ خدا پر حملہ کرتا تو حضرت علیؑ آگے بڑھ کر آنحضرتؐ کا دفاع کرتے تھے اور اُنھیں قتل کرتے اور مار بھگاتے تھے۔ یہاں تک کہ مسلسل جنگ کی وجہ سے اُن کی تلوار ٹوٹ گئی۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام سے یہ سنا کہ جب مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگے تو مجھے ایسا دُکھ ہوا کہ اس سے پہلے اتنا دُکھ کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں رسولؐ خدا کے

دفاع میں مصروف ہو گیا۔ پھر اچانک میں نے دیکھا تو رحمۃ للعالمین مجھے دکھائی نہ دیے۔ میں نے اُن کی تلاش شروع کی۔ مجھے یقین تھا کہ آنحضرتؐ نے فرار نہیں کیا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ شاید خدا نے اُنھیں آسمان کی جانب نہ اُٹھا لیا ہو۔ اس وقت میں نے تلوار کی نیام توڑ دی اور دل میں کہا کہ اب جب کہ رسولِؐ خدا باقی نہیں رہے تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ اب میں جنگ کروں گا، یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔

میں نے گروہِ کفار پر سخت حملہ کیا۔ اَنبوہ چھٹا تو میں نے دیکھا کہ رسولِؐ خدا زمین پر بے ہوش پڑے ہیں۔

میں اُن کے سرہانے کھڑا ہوا۔ آپؐ نے آنکھ کھول کر میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے علیؑ! لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟

میں نے عرض کیا: وہ کافر ہو گئے اور بھاگ گئے ہیں اور آپؐ کو تن تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

اتنے میں کفار کا ایک گروہ آگے بڑھا۔ رسولِؐ خدا نے فرمایا: اے علیؑ! اس گروہ کو مجھ سے ہٹاؤ۔

میں نے اس گروہ پر حملہ کیا اور اپنی تلوار سے دائیں بائیں حملہ کیا، یہاں تک کہ وہ افراد بھاگ نکلے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! کیا آسمان سے آپؑ کی جو تعریف ہو رہی ہے آپؑ اُسے نہیں سنتے؟ رضوان نامی ایک فرشتہ ہے جو یہ ندا دے رہا ہے:

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِی

میں نے یہ سنا تو میری آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپکنے لگے اور میں نے نعمتِ پروردگار پر خدا کا شکر ادا کیا۔

ایک اور روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب لوگ جنگِ اُحد میں رسولِ اکرمؐ کو چھوڑ کر بھاگے تو آپ سخت غضب ناک ہوئے۔ جب آپؐ کو غصہ آتا تو جبین اور چہرے سے موتیوں کی طرح کے قطرے گرتے تھے۔ آپؐ نے نگاہ کی تو اُس وقت

حضرت علیؑ آپؐ کے پہلو میں کھڑے تھے۔

آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ گئے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیا میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرتا؟ آپؐ کا کردار میرے لیے نمونہ عمل ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اچھا اب مجھے دشمنوں سے بچاؤ۔ حضرت علیؑ نے آنے والے کفار پر زوردار حملے کیے اور سب کو بھگا دیا۔ اس وقت جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور اُنھوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا: "اسے ہمدردی اور غمگساری کہا جاتا ہے جو علیؑ بجالا رہا ہے"۔

رسولِؐ خدا نے فرمایا: ایسا کیوں نہ ہو وہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں۔

جبرئیلؑ نے کہا: میں تم دونوں میں سے ہوں۔

جنگ ختم ہوئی تو حضرت علیؑ مدینہ آئے۔ آپؑ زخموں سے چُور چُور تھے۔ آپؑ نے زخمی حالت میں رات بسر کی۔ صبح ہوئی تو آنحضرتؐ آپؑ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔

رسولِؐ خدا کو دیکھ کر حضرت علیؑ رونے لگے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے دیکھا کہ کس طرح سے مجھ سے شہادت چُوک گئی۔

رسولِؐ خدا نے فرمایا: تمھیں مبارک ہو تمھیں بعد میں شہادت ضرور ملے گی۔ (بحار، جلد۹)

حضرت علیؑ کا بنی نضیر کے واقعہ میں کردار

جب رسولِ اکرمؐ بنی نضیر کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو بنی حطمہ سے کچھ دُور سنگریزوں کے مقام پر اپنا خیمہ نصب کرایا۔ بنی نضیر کے ایک شخص نے رات کے وقت آپؐ کی طرف تیر پھینکا جو کہ خیمہ پر لگا۔ آنحضرتؐ نے دوسری جگہ خیمہ لگانے کا حکم دیا اور مہاجرین وانصار پہرا دینے لگے۔

جب اندھیرا چھا گیا تو لوگوں نے محسوس کیا کہ امیرالمومنینؑ وہاں موجود نہیں ہیں تو اُنھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! نجانے علیؑ یہاں کیوں دکھائی نہیں دیتے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: علیؑ تمہاری ہی بھلائی کے کسی نہ کسی کام میں گئے ہوں گے۔

چند لمحات گزرے تھے کہ حضرت علیؑ اس یہودی کا سر قلم کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس نے آنحضرتؐ پر تیر چلایا تھا۔ اس یہودی کا نام ''عزورا'' تھا۔

پھر آپؑ نے اُس کا سر آنحضرتؐ کے سامنے پھینک دیا۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا: آپؑ نے اُس پر کیسے غلبہ پایا؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یہ شخص یہودیوں میں بڑا جری اور بہادر شمار کیا جاتا تھا۔ میں اُس کے لیے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ خبیث کتنا جسارت کرنے والا ہے کہ اُس نے آپؐ کے خیمہ پر تیر چلایا اور اگر اسے مزید مہلت دی تو رات کی تاریکی میں یہ تیروں کی بوچھاڑ کر دے گا۔

کچھ دیر بعد یہ شخص نمودار ہوا اور اس کے ساتھ نو یہودی اور بھی تھے۔ اُس نے ننگی تلوار اُٹھا رکھی تھی۔ میں نے اچانک اُس پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا۔ اس کے باقی ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے قلعے میں نہیں پہنچے ہوں گے۔ ابھی وہ راستے ہی میں ہوں گے۔ آپؐ میرے ساتھ کچھ افراد کو روانہ کریں اُمید ہے کہ ہم اُن پر فتح یاب ہوں گے۔

رسولِ اکرمؐ نے آپؑ کے ساتھ دس افراد کو روانہ کیا۔ اُنھوں نے ان کو قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے جالیا اور اُنھیں قتل کر کے اُن کے سر آنحضرتؐ کے پاس لے آئے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ ان کے سروں کو بنی حطمہ کے کسی کنوئیں میں پھینک دیا جائے۔ یہی واقعہ بنی نضیر کے قلعوں کی فتح کا سبب بنا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام اور جنگِ خندق

عرب کے مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا اور وہ عظیم الشان لشکر بنا کر ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جبرئیل امینؑ نے آنحضرتؐ کو حالات سے آگاہ کیا کہ اب کی بار صرف مکہ کے لوگوں سے آپؐ کا مقابلہ نہیں ہے۔ تمام مشرکینِ عرب آپؐ سے جنگ پر آمادہ ہیں اور اُن کا بہت بڑا لشکر مکہ سے روانہ ہونے والا ہے۔

رسولؐ خدا نے صحابہ کو جمع کیا اور اُن سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے آپؐ کو مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ آنحضرتؐ نے اُن کے مشورہ کو قبول کیا اور مہاجرین و انصار کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کے گرد نیم دائرے کی شکل میں خندق کھودیں۔

الغرض اُدھر خندق مکمل ہوئی اِدھر دشمن ٹڈی دَل کی طرح سے مدینہ پر ٹوٹ پڑے۔

عمرو بن عبدود جس کا تعلق بنی عامر بن لوی سے تھا اور وہ عرب کا مشہورِ زمانہ جنگجو تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ تن تنہا ایک ہزار افراد سے جنگ کرتا ہے، وہ بھی اس لشکر میں موجود تھا۔

چنانچہ عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن الخطاب، ہبیرہ بن ابی وہب اور نوفل بن عبداللہ جنگی لباس پہنے ہوئے بنی کنانہ کے گھروں کے پاس سے گزرے اور آواز دے کر کہا: بنی کنانہ! عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ بہادر سوار کون ہیں؟ پھر وہ گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آگے بڑھے تو اُنھیں گہری خندق دکھائی دی۔

جب اُنھوں نے خندق کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ عربوں میں خندق کا رواج نہیں ہے۔ آج سے قبل عربوں نے خندق کھود کر اپنا بچاؤ کبھی نہیں کیا تھا۔ ان میں سے ایک

نے جواب دیا: معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس فارسی کی تدبیر ہے جو کہ محمدؐ کے پاس رہتا ہے اور اس کا نام سلمان فارسیؓ ہے۔

خندق کی وجہ سے لشکرِ کفار نے خندق سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ عمرو بن عبدود کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ جنگِ بدر میں بھی آیا تھا لیکن زخمی ہو گیا تھا۔ کفار اُسے علاج کے لیے مکہ لے گئے تھے۔ جنگِ اُحد کے وقت ابھی یہ پوری طرح سے تندرست نہیں ہوا تھا، اسی لیے وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔

پھر جب لشکرِ کفار جنگِ خندق کے لیے مکہ سے روانہ ہوا تو یہ تندرست ہو چکا تھا، اسی لیے وہ لشکر کا پہلوان بن کر مکہ سے روانہ ہوا تھا۔ عمرو بن عبدود کو "فارس یلیل" بھی کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ "یلیل" مقامِ بدر کے قریب ایک وادی ہے۔ ایک مرتبہ یہ قریش کے ایک قافلہ کے ہمراہ وہاں سے گزر رہا تھا کہ بنوبکر کے ایک دستہ نے ان کا راستہ روکا۔

اُس نے قریش سے کہا: تم سب چلے جاؤ، میں اکیلا ہی ان سے نمٹ لوں گا۔ چنانچہ اُس نے خوب ڈٹ کر بنوبکر کا مقابلہ کیا اور اُنھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی اس دلیری کی وجہ سے قریش نے اسے "فارس یلیل" کا لقب دیا تھا اور جہاں خندق کھودی گئی تھی اس جگہ کو "مذاذ" کہا جاتا تھا۔

عمرو بن عبدود گھوڑے پر سوار ہوا اور خندق کا چکر لگایا۔ اسے ایک جگہ سے خندق کا عرض چھوٹا محسوس ہوا تو اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خندق پار کر کے مسلمانوں کے سامنے آ گیا۔ اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور اس کے گرد چکر لگا کر رجز پڑھنے لگا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ عمرو بن عبدود نے آواز دے کر کہا:

هَل مِن مُبارِز "کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر آئے"۔

اس کے رُعب و دبدبہ کی وجہ سے کسی کو جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت علیؑ اُٹھے، آپؑ نے خود اور زرہ پہنی ہوئی تھی۔ آپؑ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! میں اس کے مقابلہ پر جاؤں گا۔

رسولِ خدا نے فرمایا: اے علیؑ! بیٹھ جاؤ۔ یہ عمرو ہے۔

اتنے میں عمرو نے پھر مبارز طلبی کی اور کہا: کیا تمھارے اندر کوئی مرد موجود نہیں ہے؟ تمھاری وہ جنت کہاں ہے جس کے متعلق دعویٰ کرتے ہو کہ جو تم میں سے مارا جائے وہ جنت میں جائے گا؟ آؤ! میں تمھیں جنت پہنچانا چاہتا ہوں۔ میرے مقابلے پر آؤ۔

اس بار بھی حضرت علیؑ اُٹھے اور کہا: یارسولؐ اللہ! میں اس کے مقابلہ پر جاؤں گا۔

رسولؐ خدا نے اس بار بھی آپؑ کو بٹھا دیا کیونکہ آپؐ کو حضرت فاطمہؑ کا خیال تھا۔ حضرت سیدہؑ جنگِ اُحد کے زخموں کو دیکھ کر روئی تھیں۔

عمرو بن عبدود نے تیسری بار صدا دی اور یہ اشعار پڑھے:

ولقد بُححت من النداء	بجمعکم هل من مبارز
ووقفت اذجبن المشجع	موقف البطل المناجز
انی کذٰلک لم ازل	متسرعا نحو الهزاهز
ان السماوة والشجا	عة فی الفتٰی خیر الغرائز

"میں هل من مُبارِز کی صدائیں دیتے دیتے تھک گیا ہوں، جہاں دلیروں کا پتہ پانی ہوجاتا ہے میں وہاں بھی ڈٹا رہتا ہوں۔ میں پہلے روز سے ہی مشکلات کی طرف تیزی سے جانے والا رہا ہوں۔ سخاوت اور شجاعت کسی بھی جوانمرد کے لیے بہترین خصلتیں ہیں"۔

اس کی یہ لاف گزاف سن کر حضرت علیؑ اُٹھے اور بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں اس کے مقابلہ پر جاؤں گا۔

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: یہ عمرو ہے۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: عمرو ہے تو کیا ہوا میں بھی علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔

حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے اجازت طلبی کی۔ آپؐ نے اجازت دی اور اُنھیں اپنی "ذات الفضول" نامی زرہ پہنائی اور اُن کے ہاتھ میں ذوالفقار تھمائی اور اپنا عمامہ سحاب حضرت علیؑ کے سر پر باندھا۔ عمامہ کے نو پیچ آئے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ! آگے بڑھو۔ علیؑ آگے بڑھے تو رسولِ خدا نے دعا مانگی:

"خدایا! اس کے سامنے سے، پیچھے سے، دائیں، بائیں، بالائے سر اور قدموں کے نیچے سے حفاظت فرما"۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الشِّرْکِ کُلِّہٖ

"آج مکمل ایمان مکمل شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے"۔

آپؑ عمرو بن عبدود کے سامنے گئے اور یہ اشعار پڑھے:

لا تعجلن فقد اتاک مجیب صوتك غیر عاجز

ذونیة و بصیرة والصدق منجی کل فائز

انی لارجو ان اقیم علیك نائحة الجنائز

من ضربة نجلاء یبقی ذکرها عند الهزاهز

"جلد بازی نہ کر، تیری آواز کا جواب دینے والا آ گیا ہے، جو کہ عاجز نہیں ہے۔ جو نیت و بصیرت رکھتا ہو ہر کامیاب شخص کی کامیابی کا راز سچائی میں مضمر ہوتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ نوحہ گر عورتوں کو تیری لاش پر کھڑا کروں گا۔ میں ایسی صاف ستھری ضرب چلاؤں گا کہ تمام حوادث میں اُس کا ذکر باقی رہے گا"۔

رسولِ اکرمؐ مسلسل دعا میں مصروف رہے اور آپؐ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

"خدایا! جنگِ بدر میں تُو نے مجھ سے عبیدہ لیا اور جنگِ اُحد میں تُو نے مجھ سے حمزہؓ لیا، آج کے دن علیؑ کی حفاظت فرما۔ پروردگارا! مجھے تنہا نہ چھوڑنا، تو ہی بہترین وارث ہے"۔

الغرض اسداللہ عمرو کے مقابلے پر گئے تو اس ۸۰ سالہ بوڑھے نے کہا: تم کون ہو؟ حضرت علیؑ نے اپنا تعارف کرایا تو اُس نے کہا: آپؑ واپس لوٹ جائیں۔ آپؑ کا والد میرا دوست تھا، اس لیے میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔

عمرو بن عبدود نے کہا: بھتیجے! میں تیرے جیسے کریم النسب کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ آپؑ میدان سے واپس چلے جائیں۔ اس میں ہی آپؑ کی سلامتی ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے نیزے میں تجھے پرو کر اُٹھاؤں کہ نہ تو تُو آسمان پر دکھائی دے اور نہ ہی زمین پر اور نہ تیرا زندوں میں شمار ہو اور نہ مُردوں میں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے میرے ابنِ عم رسولِؐ خدا نے بتایا ہے کہ اگر تُو نے مجھے قتل کر دیا تو میں جنت میں جاؤں گا اور تو اَبدی دوزخی بن جائے گا اور اگر میں نے تجھے قتل کر دیا تو پھر تُو دوزخ میں جائے گا اور میں جنت میں جاؤں گا۔

عمرو نے کہا: دونوں انعام تجھے مبارک ہوں۔ یہ تو بڑی بُری تقسیم ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: قریش بیان کرتے ہیں کہ تو نے اپنا یہ معمول بنایا ہے کہ جب بھی تجھ سے تین سوال کیے جائیں تُو ایک سوال کو ضرور قبول کرتا ہے۔ کیا یہ بات سچ ہے؟

عمرو نے کہا: جی ہاں، یہ سچ ہے۔

مولا علیؑ نے فرمایا: میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور تجھے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی گواہی دینے کی دعوت دیتا ہوں۔

عمرو نے کہا: یہ بات مت کہو، اس کے علاوہ کوئی اور بات کہو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ اور اپنی زندگی بچاؤ۔ اگر محمدؐ کو کامیابی ملی تو تم اہلِ مکہ کی قسمت کھل جائے گی اور تم ان کے وجود پر ناز کرو گے اور اگر وہ (خدانخواستہ) جھوٹے ہوئے تو عرب کے بھیڑیا نما انسان ان سے نمٹ لیں گے۔

عمرو بن عبدود نے کہا: یہ ناممکن ہے۔ اگر میں میدان سے چلا گیا تو عرب کی عورتیں مجھے طعنے دیں گی اور شعرائے عرب میری بزدلی پر اشعار کہیں گے اور میری بزدلی کے قصے زبان زدِعام کریں گے کہ میں میدانِ جنگ سے واپس آ گیا تھا۔ میں ان لوگوں کو کبھی مایوس نہیں کروں گا، جنھوں نے مجھے سالار مقرر کیا ہے۔

مولا علیؑ نے فرمایا: اگر میری مذکورہ شرائط قبول نہیں ہیں تو پھر میری تیسری بات مان لو۔ آؤ مقابلہ کرو لیکن گھوڑے سے اُتر کر پیدل ہو کر مقابلہ کرو۔

عمرو نے کہا: یہ آپ نے قابلِ قبول شرط پیش کی ہے۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے نیچے اُترا اور اُس نے اپنے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے گھوڑے کے منہ پر تازیانہ مارا وہ بھاگ گیا۔ پھر وہ حضرت علیؑ کی جانب چل پڑا۔ اس نے اپنی تلوار سے حضرتؑ کے سر پر حملہ کیا۔ اس کے وار سے آپؑ کی خُود کٹ گئی اور تلوار کا معمولی سا حصّہ آپؑ کے سر کو بھی لگا۔

حضرت علیؑ نے اُس کے کندھے پر حملہ کیا تو کندھا کٹ کر زمین پر گر گیا۔

دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرتؑ نے اُس کی ٹانگوں پر حملہ کیا جس سے وہ زمین پر گرا اور میدان میں غبار چھا گیا۔ علیؑ مولا آگے بڑھے کہ اُس دشمنِ رسولؐ کا سر کاٹ دیں جیسے ہی آپؑ اُس کے سینہ پر بیٹھے تو اُس نے آپؑ کے چہرہ کی بے ادبی کی اور تھوک دیا۔

اس کی اس گھٹیا حرکت پر آپؑ کو غصہ آیا لیکن آپؑ نے اُسے چھوڑ دیا اور میدان میں ٹہلنے لگے۔ جب آپؑ کا ذاتی غصہ ختم گیا تو آپؑ آگے بڑھے اور اُسے قتل کر دیا۔

ربیعہ بن مالک السعدی کا بیان ہے کہ میں حذیفہ بن الیمان کے پاس گیا اور میں نے اُن سے کہا: اے ابوعبداللہ! لوگ علیؑ کے فضائل بیان کرتے ہیں اور اس میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ اہلِ بصیرت ان سے کہتے ہیں کہ تم لوگ اُس شخص (حضرت علیؑ) کے متعلق مبالغہ آرائی کرتے ہو؟ آپ مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کریں جسے مَیں لوگوں کے سامنے بیان کر سکوں۔

حضرت حذیفہ نے فرمایا: ربیعہ! تو مجھ سے علیؑ کے متعلق کیا پوچھنا چاہتا ہے اور میں علیؑ کے متعلق تجھے کیا بتاؤں؟ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں حذیفہ کی جان ہے، اگر اُمت محمدؐ کے تمام نیک اعمال بعثتِ محمدؐ کے روز سے آج تک کے جملہ اعمال کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور علیؑ کا یومِ خندق کا صرف ایک عمل دوسرے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں تو علیؑ کے عمل کا پلہ سب پر بھاری ثابت ہوگا۔

ربیعہ نے کہا: یہ تو ایسی تعریف ہے جو کہ ناقابلِ بیان ہے، یہ سراسر اسراف پر مبنی ہے۔

حذیفہ نے کہا: اے خبیث انسان! یہ حدیث آخر کیوں ناقابلِ بیان ہے؟ خندق کے

دن جب عمرو اور اُس کے ساتھی خندق عبور کر کے اندر آئے تھے تو اُس وقت مسلمان کہاں چلے گئے تھے؟ عمرو کو دیکھ کر سب گھبرا کر کانپنے لگے تھے۔ اس نے مبارزطلبی کی تو سب خاموش رہے، یہاں تک کہ علیؑ اُس کے مقابلے پر گئے اور اُسے قتل کیا۔

اس ذات کی قسم! جس کے قبضہٴ قدرت میں حذیفہ کی جان ہے، علیؑ کا اس دن کا عمل اُمتِ مصطفیؐ کے آج تک، بلکہ قیامت تک کے تمام اعمال سے افضل ہے۔

الغرض حضرت علیؑ عمرو کا سر لے کر رسولؐ خدا کے سامنے آئے۔ نبی اکرمؐ کا چہرہ کھل اُٹھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اُٹھ کر حضرتؑ کے سر کے بوسے لیے۔

حضرت علیؑ کا یہ شعر ہے:

انا علی و ابن عبدالمطلب

الموت خیر للفتٰی من الهرب

''میں علیؑ فرزند عبدالمطلبؑ ہوں۔ جوان کے لیے میدان میں بھاگنے سے مر جانا بہتر ہے''۔

حضرت عمر نے کہا: آپؑ نے اس کی زرہ کیوں نہ اُتاری جب کہ پورے عرب میں اس کی زرہ سب سے قیمتی تھی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے اپنے ابنِ عم کو ننگا کرنے سے شرم محسوس ہوئی تھی۔

ایک اور روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ عمرو کو ذبح کرنے کے لیے اُس کے سینہ پر بیٹھے تو اُس نے کہا: اے علیؑ! تم عظیم مقام پر بیٹھے ہو۔ جب تم مجھے قتل کرلو تو میرا لباس نہ اُتارنا کیونکہ لباس کا اُتارا جانا میرے لیے قتل ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

جب حضرت علیؑ نے عمرو کو قتل کیا تو مشرکین کو شکست ہوئی اور اُن کی قوت ٹوٹ گئی اور اللہ تعالیٰ نے قتال میں حضرت علیؑ کے ذریعے سے مومنین کی کفایت فرمائی۔

عمرو بن عبدود کے قتل کے بعد حسان بن ثابت نے یہ اشعار کہے تھے ؎

امسی الفتٰی عمرو بن ود یبتغی بجنوب یثرب غارة لم تنظر

فلقد وجدت سیوفنا مشهورة ولقد وجدت جیادنا لم تقصر

ولقد رأیت غداۃ بدر عصبۃ	ضربوك ضربا غیر ضرب المحضر
اصبحت لا تدعیٰ لیوم کریھۃ	یاعمرو او لجسیم امر منکر

''عمرو بن عبدود یثرب کے جنوب میں غیر متوقع غارت کا متلاشی بن کر آیا۔ تُو نے ہماری تلواروں کو مشہور پایا اور تُو نے ہمارے گھوڑوں کو بھی تقصیر سے مبرا پایا۔ تُو نے بدر کی صبح اس گروہ کو بھی دیکھا تھا جنھوں نے تجھے اچھی طرح سے ضرب ماری تھی۔ اے عمرو! اب ہمارے ساتھ ٹکرانے کے بعد تو مرچکا ہے، اب تجھے کسی جنگ کے لیے اور کسی مشکل کے دُور کرنے کے لیے نہیں بلایا جاتا''۔

عمرو کے خاندان بنی عامر کے ایک شاعر نے حسان کے اشعار کا یوں جواب دیا تھا:

کذبتم وبیت اللہ لم تقتلوننا	ولکن بسیف الھاشمیین فافخروا
بسیف ابن عبداللہ احمد فی الوغا	بکف علی فلتم ذاك فاقصروا
ولم تقتلوا عمرو بن ود ولا ابنہ	ولکنہ الکفو الھزبر الغضنفر
علی الذی فی الفخر طال ثناؤہ	فلا تکثروا الاعویٰ علیہ فتفجزوا
ببدر خرجتم للبراز فردکم	شیوخ قریش جھرۃ وتأخروا
فلما اتاھم حمزۃ وعبیدۃ	وجاء علی بالمھند یخطر
فقالوا نعم اکفاء صدق فاقبلوا	الیھم سراعا اذ بغوا وتجبروا
فجال علی جولۃ ھاشمیۃ	فدمرھم لما عتوا وتکبروا
فلیس علیکم فخر علینا بغیرنا	ولیس لکم فخر یعد ویذکر

''بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے، تم نے ہمیں قتل نہیں کیا، تم انصار اپنے اُوپر فخر نہ کرو، بلکہ ہاشمیوں کی تلوار پر فخر کرو۔ جنگ میں علیؑ کے ہاتھ میں محمد بن عبداللہ کی تلوار تھی۔ اُس سے تم نے مقصد حاصل کیا ہے، لہٰذا تم فخر مت کرو۔

عمر بن عبدود اور اُس کے بیٹے کو تم نے تھوڑا ہی قتل کیا ہے، یہ کام تو دلیر

شیر بہادر علیؑ کا ہے۔ علیؑ فخر و ثنا میں لاثانی ہے۔ تم زیادہ دعوے نہ کرو جھوٹے کہلاؤ گے۔ بدر میں تم مقابلہ پر آئے تھے، لیکن قریش کے شیوخ نے تم سے لڑنا ہی پسند نہیں کیا تھا اور وہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔

پھر جب حمزہؑ، عبیدہؑ آئے اور علیؑ ہندی تلوار کو حرکت دیتے ہوئے آگے بڑھے تو پھر شیوخ قریش نے کہا تھا کہ اب اچھے مدمقابل آئے ہیں، پھر وہ ان پر تیزی سے حملہ آور ہوئے تھے۔

علیؑ نے بنی ہاشم کا سا چکر لگایا تھا اور سرکشی اور تکبر کرنے والوں کو اُس نے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ تم دوسروں کی وجہ سے ہم پر فخر نہ کرو۔ تمہیں قابلِ شمار اور قابلِ ذکر فخر حاصل ہی نہیں ہے"۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے بھی اپنی اس فضیلت کو اشعار میں بیان کیا ہے اور آپؑ نے یہ ارشاد فرمایا:

أعلی تفتخر الفوارس هكذا؟ عنی وعنهم فبردا اصحابی

الیوم یمنعنی الفرار حفیظتی ومصمم فی الرأس لیس بنابی

اردیت عمرا اذ طغی بمهند صافی الحدید مجرب قضاب

نصر الحجارة عن سفاهة رأیه ونصرت رب محمد بصواب

فصدرت حین ترکته متجدلا کالجذع بین دکادك وروابی

وعففت عن اثوابه ولو اننی کنت المقطر بزنی اثوابی

لا تحسبن الله خاذل دینه ونبیه یامعشر الاحزاب

"یا شاہ سوار مجھ پر فخر کر سکتے ہیں۔ میرے اور اُن کے متعلق میرے دوستوں سے پوچھ لو۔ میری غیرت اور کاسہ سر میں موجود عزت مجھے فرار سے روکتی ہے۔ جب عمرو نے سرکشی دکھائی تو میں نے صاف لوہے والی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ وہ اپنی رائے کی حماقت کی وجہ سے پتھروں (بتوں) کی مدد کرنے آیا تھا اور میں نے صحیح عقیدہ کے مطابق

رب محمدؐ کی مدد کی تھی۔

مَیں نے اُسے قتل کیا تو اس کی لاش یوں لگتی تھی جیسا کہ کسی کھجور کا تنا چٹیل میدان اور ٹیلوں کے درمیان پڑا ہوتا ہے۔ میں نے قتل کے بعد اُس کے کپڑے نہیں اُتارے اور اگر بالفرض میں قتل ہوجاتا تو میرا لباس ضرور اُتارتا۔ اے گروہ احزاب! یہ کبھی تصور نہ کرنا کہ خدا اپنے دین اور اپنے نبیؐ کو بے یارومددگار چھوڑ دے گا"۔

اُس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی سے اپنے بھائی کی شان میں ارشاد فرمایا:

ضَربۃُ عَلِیٍ یَومَ الْخَندَقِ اَفضَلُ مِن عِبَادَۃِ الثَّقَلَینِ

"روزِ خندق علیؑ کی ایک ضرب جن وانس کی عبادت سے افضل ہے"۔

حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں اس حدیث کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

لَمُبَارَزَۃُ عَلِیِ بْنِ اَبِی طَالِب لِعَمرُو بنُ عَبدُوَدٍ یَومَ الْخَندَقِ اَفضَلُ مِن اَعمَالِ اُمَّتِی اِلٰی یَومِ الْقِیَامَۃِ

"خندق کے دن علیؑ کا عمرو بن عبدود سے مبارزہ روزِ قیامت تک میری اُمت کے اعمال سے افضل و برتر ہے"۔

آنحضرتؐ کے اس اعلان کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے قتل ہونے سے مشرکین کے ہر گھر میں اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہوا، اور مسلمانوں کے ہر گھر میں عزت اور غلبہ کی لہر دوڑ گئی۔

جب یہ خبر عمرو بن عبدود کی بہن تک پہنچی تو اُس نے کہا: میرے بھائی کو کس نے قتل کیا؟ اُسے بتایا گیا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ نے تیرے بھائی کو قتل کیا ہے۔

عمرو کی بہن نے کہا: اگر علیؑ نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے تو اُس سے میرا غم ہلکا ہوگیا ہے، کیونکہ میرا بھائی نامور پہلوان تھا اور اُسے عرب کے دوسرے نامور پہلوان نے قتل کیا ہے۔ وہ کسی بزدل کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا اور میرے بھائی کا علیؑ کے ہاتھوں سے قتل ہونا ہمارے قبیلہ بنی عامر کے لیے باعث افتخار ہے۔

پھر اس نے یہ اشعار کہے تھے:

لو كان قاتل عمرو غير قاتله   لكنت ابكى عليه آخر الابد

لكن قاتله من لا يعاب به   وكان يدعى قديما بيضة البلد

"اگر علیؑ کے علاوہ عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا تو میں پوری زندگی اُس پر گریہ کرتی لیکن اس کا قاتل وہ ہے جس پر کوئی عیب نہیں لگایا جاسکتا اور اُس کا والد بیضۃ البلد (سردارِ شہر) کہلاتا تھا"۔

شیخ کاظم اُزدی علیہ الرحمۃ نے قصیدہ الفیہ میں لکھا ہے:

ظهرت منه فى الوغى سطوات   ما اتى القوم كلهم ما اتاها

يوم غصت بجيش عمرو بن ود   لهوات الفلا وضاق فضاها

وتخطى الى المدينة فردا   بسرايا عزائم ساراها

فدعاهم وهم الوف ولكن   ينظرون الذى يشب لظاها

اين انتم عن مستور عامرى   تتقى الاسد بأساه فى شراها

فابترى المصطفى يحدث عما   يوجر الصابرون فى اخراها

قائلا ان للجليل جنانا   ليس غير المجاهدين يراها

من لعمرو؟ وقد ضمنت على   الله له من جنانه اعلاها

فالتووا عن جوابه كسوام   لا تراها مجيبة من دعاها

واذا هم بفارس قرشى   ترجف الارض خيفة اذيطاها

قائلا: ما لها سواى كفيل   هذه ذمة علىّ وفاها

ومشى يطلب الصفوف كما   تمشى خماص الحشا الى مرعاها

فانتضى مشرفيه فتلقى   ساق عمرو بضربه منبراها

والى الحشر رنة السيف منه   يملأ الخافقين رجع صداها

يالها ضربة حوت مكرمات   لم يزن ثقل اجرها ثقلاها

هذه من علاه احدى المعالى   وعلى هذه فقس ما سواها

"شیرِ خدا علیؑ مرتضیٰ نے جنگوں میں وہ جوہر دکھائے جو آج تک کوئی نہیں

دکھا سکا، جس دن عمرو بن عبدود لشکر لے کر آیا، جس سے مدینہ کی فضا تنگ آ گئی تھی وہ مدینہ کی سمت لے کر چلا اور اس نے ہزاروں کے سامنے مبارز طلبی کی لیکن ہر شخص یہ دیکھنے لگا کہ جنگ کے شعلے کون بھڑکائے گا؟ اُس نے آواز دی کہ تم لوگ عامری شیر کے مقابلہ میں کہاں ہو؟ شیر اپنی کچھار میں بیٹھ کر میرے حملوں سے ڈرتے ہیں۔ اس وقت مصطفیٰ نے صابرین کے اُخروی اجر کو بیان کیا۔

آپؐ نے فرمایا: خدا نے ایک جنت خلق کی ہے جسے مجاہدین کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ کون ہے جو عمرو کے مقابلہ پر جائے؟ اس کی جنت اعلیٰ کا میں ضامن ہوں۔

نبیؐ کی بات سن کر لوگوں نے یوں چپ سادھ لی تھی جیسا کہ بلائے جانے پر چوپائے خاموش رہتے ہیں۔ پھر قرشی بہادر اُٹھا۔ وہ اتنا بڑا دلیر تھا کہ اُس کے چلنے سے زمین کانپ اُٹھتی تھی۔

اس دلیر نے کہا: میں ہی اسے سنبھالوں گا، یہ میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کروں گا۔ وہ صفوں میں سے یوں نکلا جیسا کہ بھوکے جاندار چراگاہ کی طرف جاتے ہیں۔ اُس نے چمکدار تلوار اُٹھائی اور عمرو کی پنڈلی پر ماری اور اُسے زخمی کر دیا۔ اُس کی تلوار کی گرج کی صدائے بازگشت سے آج تک انحراف بھرے ہوئے ہیں۔ اُس ضربت کا کیا کہنا جو ثقلین کی عبادت سے زیادہ وزنی تھی۔ یہ تو علیؑ کی صرف ایک فضیلت ہے۔ اس کے باقی فضائل کا اس پر قیاس کرو"۔

علی علیہ السلام اور جنگِ خیبر

مرحوم طبری لکھتے ہیں کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ واپس آئے تو آپؐ نے بیس دن مدینہ میں قیام کیا، پھر آپؐ لشکر لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ خیبر مدینہ سے چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے اور مدینہ سے قریباً ۸۰ میل دور ہے۔ وہاں یہود کے مضبوط قلعے تھے اور اُس وقت یہ علاقہ یہودیوں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر لے کر وہاں پہنچے تو اہلِ خیبر قلعہ نشین ہو گئے۔ نبی اکرمؐ نے ان قلعوں کا پچیس دن تک محاصرہ کیا۔ پھر آپؐ نے اپنا پرچم حضرت ابوبکرؓ کو دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ پہلے دن آپؐ نے حضرت عمرؓ کو پرچم دیا۔ وہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے مقابلہ پر گئے لیکن ناکام واپس لوٹے۔

پھر دوسرے دن آپؐ نے حضرت ابوبکر کو پرچم دیا۔ وہ مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر میدان میں گئے لیکن ناکام ہو کر واپس آئے اور حالت یہ تھی کہ وہ لشکر کو بزدل کہتے تھے اور لشکر والے اُنھیں بزدل کہتے تھے۔ جب نبی اکرمؐ نے اس صورتِ حال کا مشاہدہ کیا تو آپؐ نے یہ اعلان فرمایا:

لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَفْتَحَ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ

"میں کل ضرور اس کو علم دوں گا جو مرد ہوگا اور وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا ہوگا اور اللہ اور اُس کا رسول اُس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ کرّار غیر فرار ہوگا۔ وہ اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب

تک خدا اُس کے ہاتھوں پر خیبر کو فتح نہ کر دے"۔

صحیح بخاری کے مطابق تمام صحابہ ساری رات سوچتے رہے کہ کل علمِ اسلام کسے دیا جائے گا؟ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو صفات بیان کی ہیں اُن کا مصداق کون بنے گا؟

کچھ لوگوں نے کہا: یہ اعزاز حضرت علیؑ کو نہیں مل سکے گا کیونکہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں۔ اُنھیں اس وقت اپنے قدموں کے نیچے کی چیز تک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ لہٰذا ہر شخص کی خواہش تھی کہ علمِ اسلام اُس کے مقدر میں آئے۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے امارت کی کبھی اتنی تمنا نہیں تھی جتنی کہ اُس رات ہوئی تھی۔

الغرض صبح ہوئی، پورا لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوا، اور آپؐ پرچم لے کر خیمہ سے باہر آئے۔ نبی اکرمؐ نے لشکر سے فرمایا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کہاں ہے؟

لوگوں نے عرض کیا: اُنھیں آشوبِ چشم ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اُسے میرے پاس لاؤ۔ حضرت علیؑ کو ایک خچر پر سوار کر کے لایا گیا۔ اس وقت آپؑ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سلمہ بن اکوع نے آپؑ کا ہاتھ پکڑا اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں لے آئے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؑ! آپؑ کو کیا تکلیف ہے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں، جس کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں سکتا اور اس کے ساتھ سر میں بھی شدید درد ہے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؑ! بیٹھ جاؤ اور اپنا سر میری آغوش میں رکھو۔

حضرت علیؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھوں پر اپنا لعابِ دہن ڈالا اور علیؑ کی آنکھوں اور سر پر لگایا۔ جیسے ہی لعابِ دہن لگا تو آپؑ نے آنکھیں کھول دیں اور آپؑ کی تکلیف دُور ہوگئی۔

نبی اکرمؐ نے دُعا مانگی: خدایا! علیؑ کو گرمی سردی سے بچا۔ پھر آپؐ نے انھیں علمِ اسلام عطا کیا۔ وہ سفید رنگ کا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: یا علیؑ! علَم لو اور چلے جاؤ۔ جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ امدادِ خداوندی

آپؑ کے آگے ہے اور مخالفین کے سینوں میں خدا نے رُعب ڈال دیا ہے۔

یا علیؑ! ان لوگوں کی کتاب (تورات) میں لکھا ہے کہ جو ان کی آبادی کو تباہ کرے گا اُس کا نام "ایلیا" ہوگا لہٰذا جب تم اُن کے سامنے جاؤ تو یہ کہنا کہ مَیں علیؑ ہوں۔ خدا نے چاہا تو وہ ذلیل وخوار ہوں گے۔

حضرت علیؑ علَم لے کر چلے۔ لشکر آپؑ کے پیچھے چلا۔ آپؑ نے قلعہ کے قریب پہنچ کر اپنا نیزہ گاڑ دیا۔ ایک یہودی عالم نے قلعہ سے صدا دی: اے جوان! تو کون ہے؟

آپؑ نے فرمایا: میں علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔

یہودی عالم نے مڑ کر اپنی قوم سے کہا: تورات کی قسم! تم مغلوب ہو چکے ہو۔

اتنے میں مرحب یہودیوں کا لشکر لے کر آگے بڑھا۔ اس کے سر پر خود تھی اور اس کے سر پر پتھر کی ایک ٹوپی تھی جس میں انڈے کے برابر سوراخ تھا۔ اس نے رجز پڑھا اور کہا:

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب

اطعن احیانا وحینا اضرب

"خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے لیس، تجربہ کار بہادر ہوں۔ کبھی نیزہ سے حملہ کرتا ہوں اور کبھی تلوار سے"۔

اس کے جواب میں حضرت علیؑ نے یہ رجز پڑھا:

انا الذی سمتنی اُمّی حیدرة   ضرغام آجام ولیث قسورة

علی الاعادی مثل ریح صرصرة   اکیلکم بالسیف کیل السندرة

اضرب بالسیف رقاب الکفرة

"مَیں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگلوں کا شیر ہوں اور پھاڑنے والا شیر ہوں۔ دشمنوں کے لیے سخت آندھی ہوں۔ میں تم میں وسیع پیمانے پر قتل اور خون ریزی پھیلاؤں گا۔ میں اپنی تلوار سے کافروں کی گردنیں اُڑاؤں گا"۔

جب اس نے حضرت علیؑ کا یہ تعارف سنا تو وہ واپس چلا گیا اور اُس نے میدان چھوڑ

دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بچپن میں اُس کی دایا نے اُسے کہا تھا کہ جوان ہو کر ہر ایک سے لڑنا لیکن جس کا نام حیدر ہو اُس سے کبھی جنگ نہ کرنا۔ تمہاری موت حیدر کے ہاتھوں میں ہوگی۔

جب وہ واپس جانے لگا تو ابلیس لعین ایک یہودی عالم کا رُوپ دھار کر اُس کے سامنے آیا اور کہا: مرحب! کہاں جا رہے ہو؟

مرحب نے کہا: آنے والے نے اپنا نام حیدر بتایا ہے، اس لیے میں واپس جا رہا ہوں۔

ابلیس نے کہا: اگر یہ حیدر ہے تو پھر کیا ہوا؟

مرحب نے کہا: میری دایا نے مجھ سے کہا تھا کہ حیدر سے جنگ نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔

ابلیس نے کہا: یہ تیری غلط فہمی ہے۔ اس وسیع دنیا میں کوئی اور بھی حیدر ہوگا، ضروری تو نہیں ہے کہ یہ وہی حیدر ہو جس سے تیری دایا نے تجھے ڈرایا تھا۔ ویسے بھی اگر مان لیا جائے کہ یہ وہی حیدر ہے تو پھر بھی تجھ کو زیب نہیں دیتا کہ تو پشت کر کے یہاں سے چلا جائے۔ تو اتنا بڑا دلیر ہو کر ناقص العقل عورتوں کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے۔ تم اس کے مقابلے پر جاؤ، عین ممکن ہے کہ تم اُس کو مغلوب کر دو۔ اور اگر تُو نے اسے قتل کر دیا تو تُو اپنی قوم کا سردار کہلائے گا۔ میں تمام یہودیوں سے تیری سرداری کی سفارش کروں گا۔

ابلیس کی باتیں سن کر مرحب واپس پلٹ آیا۔ حضرت علیؑ نے اُس سے فرمایا: تم اسلام قبول کر لو۔ اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ دے اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو جنگ کے لیے تیار ہو جا۔

مرحب نے کہا: ہم جنگ کریں گے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے اُس کے سر پر وار کیا اور اُس کے سر پر جو پتھر تھا وہ ٹوٹا اور اس کی لوہے کی خود ٹوٹی۔ آپؑ کی تلوار اُس کے سر کو چیرتی ہوئی اُس کی داڑھ تک پہنچی اور وہ زمین پر جا گرا۔ پھر آپؑ نے یہودیوں کے لشکر پر حملہ کیا۔ لشکر بھاگ گیا اور قلعہ نشین ہو گیا اور قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ دروازہ پتھر کا تھا اور ایک چٹان پر لگا ہوا تھا۔ وہ چکی کا پتھر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک معمولی سا سوراخ تھا جس کا ذکر ہم نے شرح نہج البلاغہ میں کیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے بائیں ہاتھ میں کمان تھی۔ آپؑ نے وہ کمان پھینک دی اور بایاں

ہاتھ اُس پتھر میں ڈالا اور اُسے زور سے کھینچا جس کی وجہ سے وہ چٹان گری اور آپؑ نے اس دروازہ کو بائیں ہاتھ میں اُٹھایا۔ یہودی لشکر آپؑ کے سامنے تتر بتر ہو گیا۔ پھر آپؑ نے پتھر سے بنے ہوئے دروازے کو بائیں ہاتھ سے پیچھے کی طرف پھینکا اور وہ دروازہ مسلمانوں کے سروں سے پرواز کرتا ہوا لشکر کے آخر میں جا گرا۔

ابن ابی الحدید نے اپنے قصیدہ میں حضرتؑ کو مخاطب کر کے یہ کہا ہے:

یاقالع الباب الذی عن هزه   عجزت اکف اربعون واربع

"اے وہ عظیم فاتح! جس نے اس دروازے کو اُکھاڑا تھا جسے چالیس آدمی ہلانے سے قاصر تھے۔ مسلمان اس پتھر کے دروازے کو اُٹھانے کے لیے جمع ہوئے اور چالیس آدمیوں نے مل کر زور لگایا مگر اُسے ہلا نہ سکے"۔

حسان بن ثابت نے رسولؐ خدا سے اس موقع کی مناسبت سے اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آنحضرتؐ نے اجازت دی تو حسان نے یہ اشعار پڑھے:

وکان علی ارمد العین یبتغی   دواء فلما لم یحس مداویا

شفاه رسول الله بتفلة   فبورك مرقیا وبورك راقیا

وقال: ساعطی الرأیة الیوم صارما   کمیا محبا للرسول موالیا

یحب الهی والاله یحبه   به یفتح الله الحون الاوابیا

فاصفی بها دون البریة کلها   علیا وسماه الوزیر المواخیا

"علیؑ کو آشوبِ چشم لاحق تھا اور وہ دوا کا متلاشی تھا، لیکن اُسے معالج نہ ملا۔ رسولؐ خدا نے اپنے لعابِ دہن سے اُسے تندرست کر دیا۔ دم کرنے والا بھی مبارک تھا اور جس پر دم کیا گیا وہ بھی مبارک تھا۔

اس موقع پر نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: میں آج اُسے علم (پرچم اسلام) دوں گا جو بہادر اور دلیر ہوگا اور وہ رسولؐ کا سچا محب ہوگا۔ وہ میرے خدا کا محب ہوگا اور وہ خدا کا محبوب ہوگا اور اللہ اُس کے ذریعے سے مضبوط

قلعوں کو فتح کردے گا۔ رسولِ خدا نے لوگوں میں سے علیؑ کا انتخاب کیا اور اُسے اپنے بھائی اور وزیر کا نام دیا تھا"۔

دامن گیر اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"یا علیؑ! اگر مجھے یہ خوف دامن گیر نہ ہوتا کہ لوگ تیرے متعلق وہی کچھ نہ کہنے لگیں، جو کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہہ رہے ہیں، تو پھر تیرے ایسے فضائل بیان کرتا کہ تُو جہاں سے بھی گزرتا تو لوگ تیرے قدموں کی خاک اور تیرے وضو کا پانی لے کر شفا تلاش کرنے لگ جاتے، لیکن تیرے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ "تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں"۔ تُو میرا وارث ہے اور میں تیرا وارث ہوں" اور تجھے مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو ہی میری ذمہ داریوں کو پورا کرے گا اور میری سنت کے مطابق جنگ کرے گا اور آخرت میں تمام لوگوں کی بہ نسبت تو مجھ سے زیادہ قریب ہوگا اور کل حوض پر میرا خلیفہ ہوگا اور کل حوض پر تُو ہی سب سے پہلے میرے حوض پر وارد ہوگا۔ اور میرے ساتھ تجھے سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا اور میری اُمت میں سے تو ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ تیرے شیعہ نُور کے سفید منابر پر بیٹھے ہوں گے اور ان کے چہرے میری طرف ہوں گے، میں اُن کی شفاعت کروں گا اور وہ جنت میں میرے ہمسائے ہوں گے۔ تیری جنگ میری جنگ ہے اور تیری صلح میری صلح ہے۔ تیرا باطن میرا باطن ہے اور تیرا ظاہر میرا ظاہر ہے۔ تیرے سینے کے اسرار میرے سینے کے اسرار کے مانند ہیں۔ آپؑ کی اولاد میری اولاد ہے اور آپؑ میرے وعدے پورے کریں گے اور آپؑ کی زبان اور آپؑ کے دل میں ہمیشہ حق رہے گا اور آپؑ کی زبان پر حق رہے گا اور آپؑ کی آنکھوں کے سامنے حق ہوگا اور ایمان آپؑ کے

گوشت اور خون میں ایمان مخلوط رہے گا۔ آپؑ سے بغض رکھنے والا میرے حوض پر وارد نہیں ہوگا اور آپؑ کا کوئی بھی محب حوض سے محروم نہیں رہے گا۔ وہ سب کے سب تیرے ساتھ حوض پر وارد ہوں گے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ باتیں سن کر حضرت علی علیہ السلام نے خدا کا سجدۂ شکر ادا کیا۔

علی علیہ السلام اور جنگِ حنین

جنگِ حنین میں ابوجرول آگے بڑھا، اس کے پیچھے مشرکین کا لشکر تھا۔ ابوجرول کے ہاتھ میں پرچم تھا اور وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا:

انا ابوجرول لابراح حتّٰی بنیح القوم او نباح

"میں نہ ہٹنے والا ابوجرول ہوں، ہم دشمنوں کو قتل کریں گے یا ہم قتل ہوجائیں گے"۔

امیرالمومنینؑ اُس کے مدِمقابل گئے اور آپؑ نے اُس کے اُونٹ کے پچھلے حصّہ پر وار کیا اور ابوجرول کو قتل کیا۔ پھر آپؑ نے یہ شعر پڑھا:

قد علم القوم لدی الصباح ان لدی الھیجاء ذونصاح

"لوگ جانتے ہیں کہ مَیں جنگ جو ہوں اور دلیر انسان ہوں"۔

ابوجرول کی موت مشرکین کی شکست کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ پھر شیرِ خداؑ کی زیرِ قیادت اسلامی لشکر نے اُن پر حملہ کیا۔ اس حملے کے نتیجے میں چالیس کافر قتل ہوئے اور اُن کی باقی ماندہ فوج بھاگ گئی اور بہت سے افراد قیدی بنائے گئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ہی شکست کو فتح سے تبدیل کیا تھا، ورنہ اس سے پہلے مسلمان بنی ہوازن کے تیر اندازوں کی وجہ سے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

وَّ یَوۡمَ حُنَیۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا وَّ ضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ ۚ○ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰہُ

سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۂ توبہ: آیت ۲۵-۲۶)

"حنین کے دن کو یاد کرو، جب تم اپنی کثرت پر اترا رہے تھے، تمھاری کثرت نے تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی تھی اور تم پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے اپنے رسولؐ اور اہلِ ایمان پر تسکین نازل فرمائی"۔

حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت کے متعلق ہم ابن ابی الحدید کے اُن کلمات کو دُہراتے ہیں جو اُنھوں نے شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔

جہاں تک شجاعت کا تعلق ہے تو حضرت علی علیہ السلام وہ انسان ہیں، جنھوں نے اپنے سے پہلے بہادر دنیا کو فراموش کرائے اور بعد میں آنے والوں کے نام مٹائے۔ آپؑ کے جنگی واقعات بہت زیادہ ہیں، جو کہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؑ وہ پیکرِ شجاعت ہیں کہ آپؑ نے میدان سے کبھی فرار نہیں کیا تھا اور کسی لشکر کو دیکھ کر آپؑ کبھی خوف زدہ نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ کے مقابلے میں جو بھی آیا، آپؑ نے اُسے قتل کیا اور آپؑ نے دشمن پر ایسی ضرب کبھی نہیں ماری کہ اُس کے بعد دوسری ضرب کی ضرورت پڑے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؑ کی ضربات ہمیشہ طاق ہوتی تھیں۔ آپؑ نے معاویہ کو دعوت دی کہ تم براہِ راست مجھ سے جنگ کرو، تاکہ ہم میں سے ایک کا خاتمہ ہوجائے۔

عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا: علیؑ نے بالکل انصاف کی بات کی ہے۔

معاویہ نے کہا: جب سے تو میرا خیرخواہ بنا ہے تُو نے مجھ سے کبھی دھوکا نہیں کیا، مگر آج تُو دھوکا دہی سے کام لے رہا ہے۔ کیا تو مجھے ابوالحسنؑ کے مقابلے میں جانے کا مشورہ دیتا ہے حالانکہ تُو بخوبی جانتا ہے کہ آج تک جو بھی اُس کے مقابلے پر گیا وہ زندہ لوٹ کر نہیں آیا۔ میرا خیال ہے کہ تُو چاہتا ہے کہ میں علیؑ کے ہاتھوں سے مارا جاؤں اور شام پر تم حکومت کرسکو۔

علی علیہ السلام اور قرآن

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور یہ وہ عظیم کتاب ہے کہ باطل آگے سے اُس پر حملہ آور ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے اس پر حملہ کر سکتا ہے۔ قرآن خدا کا کلام ہے۔ قرآن انسانی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کے جذبات کی اِتباع کرتا ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک متفق حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّی تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي اَهْلَ بَيْتِي وَ اِنَّهُمَا لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ

"میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اہلِ بیتؑ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک کہ میرے پاس حوض پر نہ پہنچ جائیں"۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عترت کو قرآن کے ساتھ ملایا اور قرآن کو عترت کے ساتھ شامل کیا اور پھر ان دونوں کے متعلق پوری تاکید کر کے فرمایا: "یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی بھی جدا نہ ہوں گے"۔ قرآن عترت کے موافق ہے اور عترت قرآن کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتی ہے، اسی لیے قرآن اور عترت میں کوئی اختلاف اور تضاد موجود نہیں ہے۔ قرآن وعترت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن اپنے ساتھی اور عدیل کے متعلق خاموش رہے اور اس میں عترت کی طرف اشارہ تک بھی موجود نہ ہو؟؟

ایسا تصور کرنا ناممکن ہے، کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے اور یہ چیز

خلافِ عقل ہے کہ اس میں باقی تو سب کچھ ہو لیکن اُس میں رسولؐ اللہ کے عظیم خاندان اور آپؐ کی عترت کا ذکر تک نہ ہو اور قرآن عترت کے سردار امیرالمومنینؑ کے ذکر سے خالی ہو؟

یہ بات ناممکن ہے کہ قرآن میں علیؑ کا ذکر نہ ہو جس نے تمام اسلامی غزوات میں قائدانہ کردار ادا کیا ہو اور جس نے ہر میدان میں اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑے ہوں!!

حضرت علیؑ نے قرآن کے علوم وفنون، احکام اور خصائص کا تعارف کرایا ہے جب کہ قرآن نے حضرت علیؑ کی شخصیت اور اُن کے مکارم ومحاسن اور خصائص کو بیان کیا ہے۔ قرآن نے دل کھول کر حضرت علیؑ کی جانثاری اور ایثار کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا چراغ ہے اور حق و باطل کو جدا کرتا ہے۔ قرآن صراطِ مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن میں موعظہ اور شفا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ قرآن مجسم حق ہے اور حق کا داعی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام عدیلِ قرآن ہیں اور آپؑ پہلو بہ پہلو قرآن کے ساتھ چلنے والے ہیں۔ آپؑ بھی راہِ حق کے داعی ہیں اور صراطِ مستقیم کے ہادی ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں۔ اسی لیے کلام اللہ میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل ومناقب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ آپؑ کے نام کی صراحت نہیں کی گئی، کیونکہ:

اَلْكِنَايَةُ هِيَ اَبْلَغُ وَاَحْسَنُ مِنَ التَّصْرِيْحِ

"کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے"۔

قرآن کریم میں نہ صرف فضائلِ علیؑ کے اشارات موجود ہیں، بلکہ اس میں بہت سی آیات بینات پائی جاتی ہیں، جن میں پہلے اہلِ بیتؑ کی ثنا کی گئی ہے پھر دوسرے مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے کیا ہی خوب کہا تھا: قرآن میں جہاں بھی یا ایھا الذین آمنوا کی آیت آئی ہے ان میں علیؑ کو ہی مومنین کا سالار قرار دیا گیا ہے۔

ابنِ حجر "صواعقِ محرقہ" میں لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے وہ مخلوقات سے بہتر ہیں"۔

اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"اے علیؑ! وہ آپؑ اور آپؑ کے شیعہ ہیں۔ آپؑ اور آپؑ کے شیعہ قیامت کے دن اس حالت میں آئیں گے کہ وہ خدا سے راضی ہوں گے اور خدا اُن سے راضی ہوگا اور تیرے دشمن مغضوب بن کر اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے آئیں گے"۔

اس کے علاوہ قرآنِ کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں، جن کی تاویل میں بیان کیا گیا کہ ان سے علیؑ ابن ابی طالبؑ مراد ہیں۔ اس طرح کی روایات کتبِ صحاح میں بکثرت موجود ہیں۔

علاوہ ازیں قرآنِ کریم میں ایسی واضح ترین آیات موجود ہیں جو کہ شانِ اہلِ بیتؑ پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت علیؑ اہلِ بیتؑ کے بزرگ اور سردار ہیں اور آیتِ مباہلہ، سورہ ھَل اَتٰی اور آیتِ تطہیر اس کی واضح مثالیں ہیں۔

اس کے علاوہ بھی قرآنِ کریم میں دسیوں ایسی آیات موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کی تعریف کی ہے۔ ہم اس وقت آیتِ تطہیر، آیتِ مباہلہ اور سورہ ھَل اَتٰی کے عنوان پر مختصر بحث کریں گے۔ پھر دیکھیں گے کہ ہماری یہ گفتگو ہمیں کہاں لے جاتی ہے۔

آیتِ تطہیر

چند مفسرین کے علاوہ باقی تمام مفسرین اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ آیتِ تطہیر حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ و حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ الفاظِ حدیث میں اگرچہ تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے لیکن تمام روایات کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنین کریمینؑ پر اپنی چادر ڈالی اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھلُ بَیتِی فَاذھِب عَنھُمُ الرِّجسَ وَطَھِّرھُم تَطھِیرًا

"پروردگارا! یہ میرے اہلِ بیتؑ ہیں، ان سے ہر طرح کی ناپاکی کو دُور

رکھ اور انھیں ایسی طہارت عطا فرما جیسا کہ طہارت کا حق ہے"۔

حضرت اُمِ سلمہؓ وہاں موجود تھیں، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی داخل ہو سکتی ہوں؟

ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں: یا رسول اللہ! کیا میں آپؐ کے اہل میں سے ہوں؟

ایک اور محدث نے لکھا کہ بی بی نے عرض کیا: وَاَنَا مَعَکُمْ (میں بھی تمھارے ساتھ ہوں)۔

ایک اور محدث نے بی بی کی طرف سے یہ الفاظ نقل کیے کہ بی بی نے کہا:

اَلَا اَدْخُلُ مَعَکُمْ "کیا میں آپؐ کے ساتھ اس چادر میں داخل ہو جاؤں؟"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ "تو بھلائی پر ہے"۔

ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: مَکَانَکِ "تو اپنی جگہ پر بیٹھی رہ"۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: تَنَحِّی "میرے اہلِ بیتؑ سے دُور ہو کر بیٹھ"۔

ایک اور محدث نے لکھا کہ بی بی نے کہا: میں نے چادر کا پلّو اُٹھایا، تاکہ میں بھی داخل ہو جاؤں لیکن رسول اکرمؐ نے چادر کا پلّو میرے ہاتھ سے چھین کر فرمایا:

اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ وَ اِنَّکِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ

"اے سلمہؓ! تم بھلائی پر ہو، تم ازواج میں سے ہو"۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی آیت نازل فرمائی۔

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے چالیس دن نماز کے اوقات میں حضرت علیؑ کے دروازے پر آتے تھے اور بلند صدا دے کر کہتے تھے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَھْلَ الْبَیْتِ، اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ

"اے اہلِ بیتؑ! تم پر سلامتی اور خدا کی طرف سے رحمت اور برکات

ہوں۔ اے اہلِ بیتؑ ! اللہ تعالیٰ بس یہی ارادہ رکھتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دُور رکھے اور تمھیں ایسی طہارت دے جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔ جس سے تم جنگ کرتے ہو میری بھی اس سے جنگ ہے اور جس سے تم صلح کرو میری بھی اُس سے صلح ہے"۔

ابوالحمراء راوی ہیں کہ میں نو یا دس مہینے رسولِ اکرمؐ کا خادم رہا۔ نو مہینوں کا تو مجھے یقین ہے رسولِ خدا کا معمول تھا آپؐ طلوعِ فجر کے وقت بیدار ہو کر گھر سے نکلتے تھے اور آپ علیؑ و بتولؑ کے گھر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ، اَلصَّلَاۃُ یَرْحَمُکُمُ اللہُ

"تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ نماز کا وقت ہے۔ خدا تم پر رحم فرمائے"۔

علیؑ و بتولؑ جواب میں فرماتے تھے:

وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللہِ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اس وقت رسولِ اکرمؐ یہ آیت تلاوت کرتے تھے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

تمام شیعہ مفسرین و محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ آیتِ تطہیر حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنین کریمینؑ کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں اَزواجِ رسولؐ شامل نہیں ہیں۔

علمائے اہلِ سنت میں سے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور احمد نے اپنی مسند میں اور واحدی نے اپنی تفسیر "الوسیط" میں اور ابن بطریق نے مستدرک میں اور رازی نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے: "آیتِ تطہیر میں خمسہ نجباء اور اَزواجِ پیغمبرؐ شامل ہیں"۔

جب کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علمائے اہلِ سنت نے اَزواج کو شامل کر کے "تکلف" کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر ازواج اس آیت میں شامل ہوتیں تو رسولِ خدا حضرت اُمِ سلمہؓ کو چادر میں داخل ہونے سے کیوں روکتے؟

کچھ دیر کے لیے سوچئے کہ اگر یہ آیت اَزواج کے لیے ہے تو کیا اس میں مرحب کی

بہن صفیہ بھی شامل ہے؟ جو کہ خیبر کی یہودیہ تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ کی بہت سی ازواج ایسی ہیں جن کی زندگی کا کچھ حصّہ کفروشرک میں گزرا تھا۔ کیا کفروشرک میں کچھ عرصہ بسر کرنے والی خواتین بھی آیتِ تطہیر کا مصداق ہوسکتی ہیں؟

علمائے اہلِ سنت آیتِ تطہیر میں ازواج کو شامل کرنے کے لیے اس آیت کے سیاق و سباق کو بعنوانِ دلیل پیش کرتے ہیں جب کہ سیاق وسباق دلیل نہیں ہوتا۔

کیا علمائے اہلِ سنت نے یہ نہیں لکھا کہ رسولِ اکرمؐ چالیس دن یا چھے مہینے یا نو مہینوں تک علیؑ و بتولؑ کے دروازے پر کھڑے ہوکر آیتِ تطہیر کی تلاوت نہیں کی تھی؟

آنحضرتؐ نے اپنے عملِ مسلسل سے اپنی اُمت کو یہ درس دیا تھا کہ خبردار! آیتِ تطہیر کا مصداق صرف اور صرف یہی گھرانہ ہے اور اگر ازواجِ رسولؐ آیتِ تطہیر کی مصداق ہوتیں تو کبھی تو رسولِ خدا اُن کے دروازے پر کھڑے ہوکر اس آیت کی تلاوت کرتے اور دنیا کے کسی محدث اور مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ آنحضرتؐ نے کسی بھی بیوی کے دروازے پر کھڑے ہوکر یہ آیت پڑھی تھی۔ علاوہ ازیں رسولِ خدا کی ازواج میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ آیتِ تطہیر میں شامل ہے۔

ہم علمائے تسنن سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر ازواجِ رسولؐ آیتِ تطہیر کی مصداق تھیں تو پھر سورۂ تحریم میں اُنھیں طلاق کی دھمکی کیوں دی گئی اور ان میں سے دو بیویوں کے متعلق خدا نے یہ کیوں فرمایا: "تم دونوں کے دل حق سے منحرف ہوچکے ہیں؟"

علاوہ ازیں قرآنِ کریم کے اندازِ تخاطب کو مدِنظر رکھیں۔ اللہ نے جہاں ازواج سے گفتگو کی تو تمام صیغے جمع مؤنث حاضر کے استعمال کیے، لیکن جب آیتِ تطہیر نازل فرمائی تو خدا نے مؤنث کے صیغے چھوڑ کر دو مرتبہ کُمْ اسمِ ضمیر برائے جمع مذکر حاضر کو استعمال کیا۔ جب تک ازواج سے گفتگو رہی تو اللہ نے لَسْتُنَّ، اتقیتن، لاتخضعن، قُلنَ، قَرنَ، بُیُوتکُنَّ، لاتبرجن اقمن، اٰتِینَ، اَطِعن جیسے دس مؤنث کے صیغے استعمال کیے۔

پھر آیتِ تطہیر میں صیغے بدل دیئے گئے اور مؤنث کے بجائے عَنکُمْ اور یُطَھِّرکُمْ کے مذکر صیغے استعمال کیے۔ پھر آیت کے بعد ازواج سے گفتگو ہوئی تو وہاں وَاذکُرنَ اور

بُیُوتِکُنَّ کے الفاظ میں مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے۔ کیا مسلمانوں کو یہ دکھائی نہیں دیا کہ ازواج کے لیے بارہ مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اہل بیتؑ کے لیے مذکر صیغے استعمال ہوئے ہیں؟

آیتِ تطہیر کے عنوان پر علامہ سیّد عبدالحسین شرف الدین نے اپنی کتاب الکلمۃ الغراء فی تفضیل الزھراء میں مفصل بحث کی ہے۔ ان سے قبل علامہ مجلسیؒ نے بھی اس عنوان پر مدلل گفتگو کی تھی۔

اہل سنت کی دسیوں کتابوں میں مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حسنین کریمین علیہم السلام کو چادر میں شامل کیا تھا۔ اس پر آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔

یہ آیت مجیدہ، اصحابِ کساء کی عصمت کی دلیل ہے اور یہ آیت واضح کرتی ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ ہر گناہ اور ہر خطا سے معصوم ہیں اور عصمتِ خدا کی نظر میں بلند ترین مقام ہے۔

علی علیہ السلام اور مباہلہ

بیہقی نے "دلائل" میں سلمہ بن عبدیشوع سے اور اُس نے اپنے باپ دادا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ نجران کے پاس ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

بسم الله ابراهيم واسحاق ويعقوب من محمد رسول الله الى اسقف نجران واهل نجران!

ان اسلمتم فانى احمد الله ابراهيم واسحاق ويعقوب، امابعد!

فانى ادعوكم الى ولاية الله من ولاية العباد فان ابيتم فالجزية وان ابيتم فقد اذنتم بالحرب ـ والسلام

"ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے معبود کے نام سے، محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نجران کے اسقف اور اہلِ نجران کے نام!

اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ کے معبود کی حمد بجا لاؤں گا۔ امابعد! میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم بندوں کی سرپرستی سے نکل کر اللہ کی سرپرستی کو اختیار کرو اور اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو پھر جزیہ ادا کرو اور اگر جزیہ بھی منظور نہ ہو تو تم سے اعلانِ جنگ کیا جاتا ہے"۔

جب یہ خط اسقف کو ملا تو وہ گھبرا گیا۔ اُس نے نجران کے ایک شخص شرحبیل بن وادعہ کو بلایا اور رسولؐ خدا کا مکتوب اُس کے سامنے رکھا۔ اُس نے آنحضرتؐ کا خط پڑھا۔

اسقف نے اس سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟

شرحبیل نے جواب دیا کہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے ذریتِ اسماعیلؑ میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ عین ممکن ہے کہ یہ شخص وہی نبی موعود ہو۔ میں نبوت کے متعلق کوئی رائے دینے سے قاصر ہوں، البتہ اگر کوئی دنیاوی معاملہ ہوتا تو میں اس کے لیے آپ کو مشورہ بھی دیتا اور جدوجہد بھی کرتا۔

بعدازاں اسقف نے ایک ایک کر کے اہلِ نجران کو بلایا۔ سب نے وہی جواب دیا جو کہ شرحبیل نے دیا تھا۔ آخرکار بڑی سوچ بچار کے بعد اُنھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہاں سے ایک وفد مدینہ بھیجا جائے، جو آنحضرتؐ کے حالات دیکھ کر آئے اور اہلِ نجران کو اس کی اطلاع دے، پھر اس کے بعد کوئی لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

چنانچہ کچھ دانش وروں کا وفد تیار ہوا، جس میں شرحبیل بن وادعہ، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض سرفہرست تھے۔ الغرض عیسائیوں کا وفد مدینہ پہنچا اور اُنھوں نے آنحضرتؐ سے سوال جواب کیے۔

ان لوگوں نے کہا: آپؐ عیسٰیؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: اس وقت میں کچھ نہیں کہتا تم یہاں ٹھہر جاؤ، مجھ پر جو وحی آئے گی اُس کے مطابق میں جواب دوں گا۔

اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب پر یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۵۹)

"خدا کے ہاں، عیسٰیؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے جسے خدا نے مٹی سے بنایا اور فرمایا کہ ہوجا پس وہ ہوگیا"۔

اس پر وہ لوگ نہ مانے اُنھوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت بھیجی:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۶۱)

"علم آجانے کے بعد بھی جو آپؑ سے جھگڑا کرے تو آپؐ کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی بیٹیوں کو بلاتے ہیں تم اپنی بیٹیوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفوس کو بلاتے ہیں اور تم اپنے نفوس کو بلاؤ پھر ہم مباہلہ کریں گے اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں گے"۔

صبح ہوئی تو رسولؐ خدا حسنین کریمینؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے چلے۔

شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: وہ شخص آ رہا ہے اگر یہ واقعی نبی مرسل ہے اور ہم نے اُس سے مباہلہ کیا تو روئے زمین کے تمام عیسائی ہلاک ہو جائیں گے۔

اُس کے ساتھیوں نے کہا: تو پھر تمہاری رائے کیا ہے؟

اُس نے کہا: میں ان سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمیں بددعا نہ دیں۔ اس کے عوض وہ جو چاہیں فیصلہ کرلیں۔

چنانچہ شرحبیل رسولؐ خدا کی خدمت میں آیا اور کہا: میں آپؐ کو ایک تجویز دیتا ہوں جو کہ آپؐ کی بددعا کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔ آپؐ کو آج دن اور آج رات کا وقت دیتا ہوں، پھر آپؐ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں گے ہم اُسے قبول کریں گے۔

رسولؐ خدا مباہلہ کیے بغیر واپس چلے گئے اور جزیہ پر اُن سے مصالحت کرلی۔

واقعۂ مباہلہ بطریق دیگر

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب نجران کا وفد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، تو ان میں سے ان کے تین موثر افراد عاقب، محسن اور اُسقف یہود مدینہ کے پاس گئے اور انھیں آواز دے کر کہا: اے بندروں اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہونے والو! یہ شخص تمہارے درمیان موجود ہے اور تم پر غلبہ حاصل کر چکا ہے۔ تم گھر سے نکل کر ہمارے پاس آؤ۔

چنانچہ منصور یہودی اور کعب بن اشرف یہودی اُن کے پاس گئے اور کہا کہ کل تم صبح کے وقت ہمارے ساتھ مسجدِ نبویؐ میں چلو اور ہم ان سے کچھ سوال جواب کریں گے۔

ادھر نبی اکرمؐ کا دستور تھا کہ نمازِ فجر پڑھنے کے بعد آپؐ فرماتے تھے: کیا کسی نے کوئی سوال پوچھنا ہے؟ اگر کسی نے سوال پوچھنا ہوتا تو آپؐ جواب دیتے تھے اور اگر کوئی سوال کے لیے کھڑا نہ ہوتا تو آپؐ اپنے اصحاب کو رات کی وحی سے باخبر کرتے تھے۔

چنانچہ جب رسولِ خدا صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو منصوبہ کے مطابق اہلِ نجران آپؐ کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ اسقف نے کلام کی ابتدا کرتے ہوئے کہا:

ابوالقاسم! یہ بتائیں کہ حضرت موسیٰؑ کے والد کون تھے؟

آپؐ نے فرمایا: اُن کے والد کا نام عمران تھا۔

اُسقف: حضرت یوسفؑ کے والد کون تھے؟

نبی اکرمؐ: اُن کے والد حضرت یعقوبؑ تھے۔

اُسقف: یہ فرمائیں کہ آپؐ کے والد کون ہیں؟

نبی اکرمؐ: میرے والد عبداللہ بن عبدالمطلبؑ ہیں۔

اُسقف: یہ بیان فرمائیں حضرت عیسیٰؑ کے والد کون ہیں؟

نبی اکرمؐ خاموش ہو گئے۔ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: وہ اللہ کی روح اور خدا کا کلمہ تھے۔

اُسقف: بہت خوب، کیا روح بغیر جسم کے بھی ہوتی ہے؟

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ "خدا کے ہاں عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ جیسی ہے، خدا نے اُسے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا وہ ہو گیا"۔

اُسقف نے لفظ تراب (مٹی) سنا تو اُٹھ کھڑا ہوا، اسے مٹی کا لفظ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں منافی دکھائی دیا۔

پھر اس نے کہا: محمدؐ! تورات، زبور اور انجیل میں ہمیں یہ چیز کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

یہ چیز صرف آپؐ کے پاس ہی پائی جاتی ہے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۶۱)

''علم آجانے کے بعد بھی جو آپؐ سے جھگڑا کرے تو آپؐ کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی بیٹیوں کو بلاتے ہیں تم اپنی بیٹیوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفوس کو بلاتے ہیں اور تم اپنے نفوس کو بلاؤ پھر ہم مباہلہ کریں گے اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں گے''۔

اہلِ نجران کو بھی اپنی صداقت پر بڑا ناز تھا۔ اُنھوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپؐ نے انصاف کیا ہے۔ یہ مباہلہ کب ہوگا؟

آپؐ نے فرمایا: ان شاء اللہ کل مباہلہ ہوگا۔

رات گزری تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمیں اپنے ساتھ لیا۔ مجھ سے فرمایا: تم میرے آگے چلو، خود میرے پیچھے چلے اور فاطمہؑ کو اپنی پشت کے پیچھے رکھا اور حسنؑ و حسینؑ کو دائیں بائیں لے کر چلے۔

جب اہلِ نجران نے رسولؐ خدا کو اس شان سے آتے ہوئے دیکھا تو اُنھیں ندامت ہوئی اور اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ سچا نبیؐ ہے، اگر آج ہم نے اس سے مباہلہ کیا اور اس نے ہمیں بددعا دی تو ہم ہلاک ہوجائیں گے۔ اب ہلاکت اور بددعا سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سے معافی مانگی جائے۔

یہ سوچ کر وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا: اے ابوالقاسمؐ! آپؐ ہمیں معاف کردیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے معاف کیا۔ خدا کی قسم! اگر آج میں تم سے مباہلہ کرتا تو روئے زمین پر خدا کسی بھی عیسائی کو زندہ نہ چھوڑتا وہ سب کو ہلاک کردیتا۔

علیؑ کی افضلیت کا استدلال

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الفصول میں لکھا ہے کہ ایک دن مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ قرآن کریم کے مطابق آپ مجھے امیر المومنینؑ کی سب سے بڑی فضیلت سے آگاہ کریں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: آیتِ مباہلہ آپؑ کی افضلیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس آیت کے مطابق رسولِ خدا حسنین کریمینؑ کو اپنے اَبْنَاء یعنی بنا کر لے گئے تھے اور حضرت فاطمہ زہراؑ کو نِسَآء کے عنوان سے اپنے ساتھ لے کر میدان میں گئے تھے اور حضرت علیؑ کو اَنْفُسَنَا کے عنوان کے تحت اپنا نفس بنا کر میدان میں لے گئے تھے۔

اس آیت میں حضرت علی علیہ السلام کو نفسِ رسولؐ قرار دیا گیا ہے اور یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ رسول اللہؐ کائنات میں سب سے افضل شخص تھے اور اب جو اس افضل ترین شخصیت کا نفس ہوگا وہ بھی تمام لوگوں سے افضل ہوگا۔

مامون نے کہا: اس آیت میں تینوں الفاظ جمع ہیں۔ اَبْنَاءَ نَا جمع ہے، اس کے تحت رسولِ خدا حسنین کریمینؑ کو ساتھ لے گئے اور نِسَآءَ نَا جمع ہے، اس کے تحت آنحضرتؐ حضرت فاطمہؑ کو ساتھ لے گئے تھے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ اَنْفُسَنَا سے مراد رسولِ خدا کی ہی ذات مراد ہو۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایسا ناممکن ہے، کیونکہ آیت کی ابتدا میں لفظ نَدْعُ موجود ہے، یعنی ہم دعوت دیں، ہم بلائیں۔ اور سیدھی سی بات ہے کہ انسان اپنے آپ کو دعوت نہیں دیتا، ہمیشہ دوسرے کو دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح سے کوئی بھی حاکم اپنے آپ کو حکم نہیں دیتا۔ وہ دوسروں کو حکم دیتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنینؑ کے علاوہ کسی اور مرد کو مباہلہ میں نہیں بلایا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ ہی آیتِ قرآنی کے تحت نفسِ رسولؐ تھے۔

مامون نے کہا: خدا آپؑ کو جزائے خیر دے آپؑ نے میری مشکل آسان کردی ہے۔

طبرسی لکھتے ہیں کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ اَبْنَآءَ نَا سے حضرت امام حسن اور حضرت

امام حسین علیہ السلام مراد ہیں۔

ابوبکر رازی کہتے ہیں: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حسنؑ و حسینؑ رسولؐ خدا کے فرزند ہیں اور بیٹی کی اولاد انسان کی اپنی ہی اولاد ہوتی ہے۔

فرقہ معتزلہ کے مشہور امام ابن ابی علان لکھتے ہیں کہ آیتِ مباہلہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مباہلہ کے وقت حسنین کریمینؑ اگرچہ چھوٹے تھے، لیکن وہ شریعت کے مکلف تھے کیونکہ مباہلہ کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ کم سنی اور حدِ بلوغت سے کمی کمالِ عقل کے منافی نہیں ہے۔ حدِ بلوغت احکامِ شرعی کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ جب کہ حسنین کریمینؑ مباہلہ کے وقت حدِ بلوغت پر نہیں پہنچے تھے، مگر وہ اس عمر میں بھی کامل العقل تھے۔ علاوہ ازیں ہمارے عقیدہ کے مطابق خداوند عالم اپنے مقرر کردہ ہادیوں کو بچپن میں وہ علم و حکمت عطا کرتا ہے، جو کہ اس دور کے بزرگوں کے پاس بھی نہیں ہوتی۔ اس ذریعے سے خدا اُن کی عظمت و کرامت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان دو شہزادوں کے لیے فرمایا تھا۔

اَبْنَایَ هٰذَانِ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا

"میرے دو فرزند امامؑ ہیں خواہ وہ قیام کریں یا قعود کریں"۔

مقصد یہ ہے کہ خواہ وہ دشمن کے مقابلے میں جنگ کریں یا مصالحت کر کے خانہ نشین ہو جائیں۔

آیت میں موجود لفظ نِسَآءَ نَا سے مراد بالاتفاق خاتونِ جنت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں، کیونکہ سیدہ کے علاوہ رسولؐ خدا نے کسی دوسری عورت کو مباہلہ میں شریک نہیں کیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام اَنْفُسَنَا کے مصداق ہیں۔ اس لفظ سے رسولِ اکرمؐ کو مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ آنحضرتؐ تو دعوت دینے والے تھے اور دعوت دینے والا کبھی اپنے آپ کو دعوت نہیں دیتا، وہ ہمیشہ دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اَنْفُسَنَا سے رسولؐ خدا کی ذات مراد نہیں ہے تو یہ بات متعین ہو جائے گی کہ اس لفظ کے مصداق امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں اور آج تک کسی نے بھی یہ

دعویٰ نہیں کیا کہ رسولِ خدا کسی اور کو میدانِ مباہلہ میں لے گئے ہیں۔

اس سے حضرت علیؑ کی افضلیت کا اثبات ہوتا ہے اور اس میں کوئی بھی آپ کا شریک اور سہیم نہیں ہے کیونکہ اللہ نے آپؑ کو نفسِ رسولؐ قرار دیا ہے اور یہ وہ فضیلت ہے جس کا کائنات میں کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لفظ اَنْفُسَنَا سے امیرالمومنینؑ مراد ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابنِ حجر نے صواعق میں دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے شوریٰ کے دن اپنے حق کے اثبات کے لیے جو دلائل دیے تھے ان میں سے آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:

"میں تمہیں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ رسولِ خدا کا کوئی اور قریبی رشتہ دار بھی ہے؟ کیا میرے علاوہ رسولِ خدا نے کسی کو اپنا "نفس" قرار دیا تھا؟ اور کیا میرے بیٹوں کے علاوہ رسولِ خدا نے کسی کے بیٹوں کو اپنا بیٹا قرار دیا تھا؟ اور کیا میری زوجہ فاطمہؑ کے علاوہ رسولِ خدا نے کسی اور عورت کو وَنِسَآءَ نَا کا مصداق بنایا تھا؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

واضح رہے کہ اس وقت رسولِ خدا کے رشتہ داروں میں آپؐ کے چچا عباس بھی موجود تھے اور حضرت علیؑ کے دو بڑے بھائی عقیلؑ اور جعفرؑ بھی موجود تھے، مگر آنحضرتؐ نے مباہلہ میں ان چار ہستیوں کے علاوہ اور کسی کو شریک نہیں کیا تھا۔ ممکنہ طور پر اس کی دو وجوہات میں سے ایک وجہ ہو سکتی ہے:

① رسولِ خدا نے ان ہستیوں کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ یہ ہستیاں رسولِ خدا کے بعد پوری کائنات میں سے خدا کی مقرب ترین تھیں۔ اس لیے آنحضرتؐ نے دشمن پر بددعا کے لیے انہی کا ہی انتخاب کیا تھا۔

② یا پھر رسولِ خدا نے ان ہستیوں کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ آپؐ کو یہ کائنات سے زیادہ عزیز تھیں اور آپ اپنی عزیز ترین شخصیات کو لے کر اس لیے آئے کہ کائنات دیکھ لے کہ اگر میں سچا نبی نہ ہوتا تو بددعا کے لیے اپنی عزیز ترین شخصیات کو ساتھ لے کر نہ جاتا۔

اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ آنحضرتؐ ان ہستیوں سے بشری اور دُنیاوی اُمور کے

لیے محبت نہیں کرتے تھے۔ آپؐ صرف اُن سے محبت کرتے تھے جن سے خدا محبت کرتا تھا۔

بعض اعلام کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولِ خدا کسی سے دنیاوی اُمور کی وجہ سے محبت نہیں کرتے تھے، آپؐ اُس سے محبت کرتے تھے جو کہ متقی ہوتا اور افعالِ واجبہ کا تارک نہ ہوتا اور افعالِ محرمہ کا عامل نہ ہوتا۔ آپؐ اُس سے محبت کرتے تھے جو ہر لحاظ سے اعلیٰ اور بہترین صفات کا حامل ہوتا تھا۔

رسولِ خدا کو حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ سے بے حد محبت تھی اور آنحضرتؐ کی اُن سے محبت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ہستیاں سب سے زیادہ پرہیزگار اور متقی تھیں اور باقی لوگوں سے تمام صفات میں افضل تھیں۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوجائے گی کہ یہ ہستیاں تمام مخلوق میں سے خدا کی زیادہ مقرب اور محبوب تھیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ ذواتِ طاہرہ باقی تمام انسانوں سے افضل تھیں۔

اور اس کے ساتھ عقل کا یہ فیصلہ ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو ترجیح دینا خلافِ عقل ہے اور قبیح فعل ہے۔

آیتِ مجیدہ میں حضرت علیؑ کو نفسِ رسولؐ کہا گیا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپؑ فی الحقیقت نفسِ رسولؐ تھے، کیونکہ دو چیزوں کو ایک چیز نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس سے مراد ان ہستیوں کا صفات و کمالات میں مشترک ہونا ہے اور آیت خاتم النبیین اور لَانَبِی بَعْدِی کے ذریعے سے نبوت کا منصب خارج ہوجائے گا۔ نبوت کے علاوہ باقی تمام صفات باقی رہیں گی اور ان میں وجوبِ اطاعت، ریاست عامہ اور دوسروں سے افضل ہونا سرفہرست ہے۔

امام رازی اپنی کتاب اربعین میں لکھتے ہیں:

شیعہ اس آیت سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام تمام صحابہ سے افضل تھے اور وہ اس کے لیے کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ آیتِ مباہلہ میں موجود لفظ اَنْفُسَنَا سے استدلال کرکے کہتے ہیں کہ اَنْفُسَنَا کے مصداق حضرت علیؑ ہیں۔ جیسا کہ اخبارِ صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے: نَفسُ عَلِیٍ بِعَینِہٖ نَفسُ مُحَمَّدٍ تھی تھے۔لہٰذا اس سے دونفوس کے درمیان مساوات مراد ہوگی۔ اور یہ مساوات اس امر کی متقاضی ہے کہ محمد مصطفیؐ کو جو فضائل ومناقب حاصل ہیں اتنے ہی فضائل حضرت علیؑ کو حاصل ہوں گے۔ البتہ فضیلتِ نبوت اس سے مستثنیٰ ہے۔

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے کہ محمد مصطفیؐ تمام مخلوق سے افضل ہیں لہٰذا حضرت علیؑ نفسِ رسولؐ کی حیثیت سے تمام لوگوں سے افضل ہوں گے کیونکہ افضل کا مساوی افضل ہی ہوتا ہے۔

شیخ کاظم ازدی نے اس مفہوم کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے:

یابن عم النبی انت ید اللہ التی عم کل شیٔ نداھا

خصك اللہ فی ماثر شتی ھی مثل الاعداد لا تتناھی

لیت عینا بغیر روضك ترعٰی قذیت واستمر فیھا قذاھا

لك ذات کذاته حیث لولا انھا مثلھا لما آخاھا

”اے نبی اکرمؐ کے ابنِ عم! آپؑ خدا کے وہ ہاتھ ہیں جس کی سخاوت ہر چیز پر دکھائی دیتی ہے۔ اللہ نے آپ کو بہت سے خصائص کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ آپؑ کے خصائص کا اعداد کی طرح سے کوئی شمار نہیں ہے۔ جو آنکھ آپؑ کے گلشن کے علاوہ اور طرف دیکھنے کی عادی ہے کاش اس میں ہمیشہ کے لیے تنکا پڑ جائے۔ آپؑ کی ذات رسولِ مقبولؐ کی ذات کے مانند ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ آپؑ کو اپنا بھائی ہی نہ بناتے“۔

علی علیہ السلام حالتِ رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۵۵)

"تمہارا ولی بس اللہ ہے اور اُس کا رسولؐ ہے اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوۃ ادا کرتے ہیں"۔

اسی آیتِ مجیدہ کے متعلق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے اسلام قبول کیا۔ ان میں عبداللہ بن سلام، اسد، ثعلبہ اور ابن صوریا جیسے افراد سرفہرست تھے۔ یہ لوگ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُنھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! حضرت موسیٰؑ نے حضرت یوشعؑ بن نون کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور آپؐ کے بعد ہمارا سرپرست کون ہے؟

اس وقت یہ آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ ...... نازل ہوئی۔

پھر رسولؐ خدا نے فرمایا: اُٹھو اور مسجد کی طرف چلیں۔ جب مسجد کے قریب گئے تو وہاں سے ایک سائل نکل رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے اُس سے فرمایا: کیا تجھے کسی نے کچھ عطا کیا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں، مجھے یہ انگوٹھی ملی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ انگوٹھی کس نے عطا کی ہے؟

سائل نے کہا: مجھے یہ انگوٹھی اس نے دی ہے، جو نماز پڑھ رہا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: جب اس نے تجھے انگوٹھی دی تھی تو وہ کس حالت میں تھا؟

سائل نے کہا: اس نے حالتِ رکوع میں مجھے یہ انگوٹھی دی تھی۔

رسولِ اکرمؐ نے تکبیر کہی اور آپؐ کے ساتھ اہلِ مسجد نے بھی تکبیر کہی۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: علیؑ بن ابی طالبؑ میرے بعد تمہارا ولی اور سرپرست ہے۔

حاضرین نے کہا کہ ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمدؐ کے نبی ہونے اور علیؑ کے ولی ہونے پر راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی:

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۵۶)

"جو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اہلِ ایمان کی ولایت کو قبول کرے گا بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے"۔

اس وقت حسان بن ثابت کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے یہ اشعار کہے:

اباحسن فدتك نفسی ومهجتی — وكل بطئ فی الوری ومسارع

فانت الذی اعطیت اذ كنت راكعا — فدتك نفوس القوم یاخیر راكع

فانزل فیك الله خیر ولایة — وبینها فی محكمات الشرائع

"اے ابوالحسنؑ! تجھ پر میری جان اور روح قربان ہو اور زمانے میں چلنے والا ہر سُست رو اور تیز رو تجھ پر قربان۔ تُو نے حالتِ رکوع میں خیرات عطا کی۔ اے بہترین رکوع کرنے والے! لوگوں کی جانیں آپؑ پر فدا ہوں۔ خدا نے تمہارے حق میں آیتِ ولایت نازل فرمائی اور اسے محکماتِ شرائع میں بیان کیا"۔

حسان بن ثابت نے اس موضوع پر یہ اشعار بھی کہے تھے:

علی امیرالمومنین اخو الهدیٰ — وافضل ذی نعل ومن كان حافیا

واوّل من ادی الزكٰوة بكفه — واوّل من صلی ومن صام طاویا

فلما اتاه سائل مد كفه — الیه ولم یبخل ولم یك جافیا

فدس الیه خاتما وهو راكع — وما زال او اها الی الخیر داعیا

فبشر جبریل النبی محمدا — بذاك وجاء الوحی فی ذاك ضاحیا

"امیرالمومنین علیؑ ازل سے صاحبِ ہدایت ہیں اور ہر جوتا پہننے والے اور ننگے پاؤں چلنے والوں سے افضل ہیں۔ وہ پہلے انسان ہیں جنھوں نے اپنے ہاتھ سے زکوٰۃ دی اور وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے نماز پڑھی اور بھوکا رہ کر روزہ رکھا۔ جب سائل ان کے پاس گیا تو انھوں نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف دراز کیا اور اُنھوں نے کسی طرح کے بخل کا مظاہرہ نہ کیا اور وہ سنگ دل نہیں ہیں۔

حالت رکوع میں اُسے انگوٹھی دی، وہ ہمیشہ سے ہی نیکی کے کاموں میں سبقت حاصل کرنے والے رہے ہیں۔ اس کے متعلق جبریلؑ امین خدا کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰؐ پر وحی لے کر آئے"۔

حضرت خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین نے آپؑ کو ان الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا:

فدیت علیا امام الوریٰ سراج البریۃ مأوی التقی

وصی الرسول وزوج البتول امام البریۃ شمس الضحیٰ

تصدق خاتمہ راکعا فاحسن بفعل امام الوریٰ

ففضلہ اللہ رب العباد وانزل فی شانہ ھل اتیٰ

"کائنات کے امام علیؑ پر میری جان قربان ہو کہ وہ مخلوق میں چراغ ہیں اور پرہیزگاری کے لیے ملجا و ماویٰ ہیں۔ وہ وصی رسولؐ اور شوہر بتول ہیں۔ وہ کائنات کے امام اور روشن سورج ہیں۔ اُنھوں نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی راہِ خدا میں صدقہ کی ہے۔ امام کائنات کا یہ فعل کتنا ہی بہتر اور خوبصورت ہے۔ بندوں کے پروردگار نے اُسے فضیلت بخشی اور اس کی شان میں سورہ ھَل اَتیٰ نازل فرمائی"۔

نزولِ آیت کے متعلق دوسری روایت

جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد نبویؐ میں رسولِ خدا کی خدمت میں

بیٹھے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں ایک اعرابی آیا، جس کے سر کے بالوں میں خاک تھی اور اُس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کی شکل وصورت سے غربت و مفلسی ٹپک رہی تھی۔ اُس کے ہمراہ اُس کے کمسن بچے تھے۔ وہ نبی اکرمؐ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے اپنی غربت کا اظہار ان اشعار سے کیا:

اتیتك والعذراء تبکی برنة — وقد ذهلت ام الصبی عن الطفل

واخت و بنتان وام کبیرة — وقد کدت من فقری اخالط فی عقل

وقد مسنی فقر و ذل وفاقة — ولیس لنا شیئ یمر ولا یحلی

ولسنا نری الا الیك فرارنا — فاین مفر الخلق الا الی الرسل

”میں آپؐ کے پاس اس حالت میں آیا ہوں کہ میری کنواری بیٹی زور زور سے رو رہی ہے اور بچے کی ماں کو بچہ بھول چکا ہے۔ میری ایک بہن دو بیٹیاں اور ایک بوڑھی ماں ہے۔ افلاس کی وجہ سے میری عقل ختم ہونے کو ہے۔ فقر، ذلت اور فاقہ نے میرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے۔ ہمارے پاس کھانے کے لیے میٹھی اور کڑوی چیز نہیں ہے۔ ہم فرار کر کے آپؐ کے پاس آئے ہیں، کیونکہ مخلوق رسولوں کی طرف نہیں جائے گی تو پھر کہاں جائے گی؟“

رسول اکرمؐ نے اُس کی داستانِ فقر سنی تو آپؐ نے بہت زیادہ گریہ کیا اور اپنے صحابہ سے فرمایا: اے گروہِ مسلمین! اللہ نے تمھیں ثواب کمانے اور اجر عظیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ جو اس کی حاجت روائی کرے گا تو خدا اُسے جنت میں ابراہیم علیہ السلام کے محل کے سامنے جگہ عطا کرے گا۔ تم میں سے کون ہے جو اس غریب کی غمگساری کرے؟

بزمِ صحابہ میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت حضرت علیؑ مسجد کے ایک کونے میں نماز نوافل ادا کر رہے تھے۔ آپؑ نے اپنے ہاتھ سے اعرابی کو اشارہ کیا۔ وہ آپؑ کے قریب آیا۔ آپؑ نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی اُتار کر اُس کے سپرد کی۔

اعرابی نے انگوٹھی لی اور واپس چلا گیا۔ اس وقت جبرئیل امینؑ آنحضرتؐ پر نازل ہوئے

اور کہا کہ آپؐ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور اس نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ ○ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۵۵-۵۶)

اس وقت آنحضرتؐ اُٹھے اور فرمایا: اے گروہِ مسلمین! آج کے دن تم میں کس نے ایسا نیک کام کیا ہے کہ خدا نے اُسے اپنا ولی مقرر کیا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا البتہ آپؐ کے ابنِ عم نے حالتِ رکوع میں سائل کو انگوٹھی دی ہے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: جنت کے وہ بالاخانے علیؑ کے لیے واجب ہو گئے ہیں۔ پھر آپؐ نے صحابہ کے سامنے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ...... کی آیت تلاوت فرمائی۔

نزولِ آیت کے متعلق تیسری روایت

مناقب اور کشف الغمہ میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ چاہِ زمزم کے منڈیر پر بیٹھے ہوئے تھے اور وہ احادیث نبویؐ بیان کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس نے عمامہ کے ساتھ منہ ڈھانپا ہوا تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: تو وہ شخص بھی کہتا کہ واقعی رسولؐ خدا نے یہ بات کہی تھی۔

ابن عباسؓ کھڑے ہوئے اور آنے والے سے کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

نووارد نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور کہا: لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں رسولؐ خدا کا بدری صحابی جندب بن جنادہ ابوذرؓ غفاری ہوں۔ میں نے رسولؐ خدا سے اپنے ان کانوں سے سنا ہے اور اگر نہ سنا ہو تو خدا کرے میرے کان بہرے ہو جائیں اور وہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اگر نہ

دیکھا ہو تو خدا کرے کہ میری آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ میں نے رسولؐ خدا سے سنا:

علی قائد البررۃ وقاتل الکفرۃ منصور من نصرہ فخذول من خذلہ

"علیؑ پرہیزگاروں کا رہبر ہے، کافروں کا قاتل ہے جو اس کی مدد کرے تو خدا اُس کی مدد کرتا ہے اور جو اُسے بے یارومددگار چھوڑے تو خدا اُسے بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے۔

لوگو! میں (ابوذرؓ) نے ایک دن رسولؐ خدا کی اقتدا میں ظہر کی نماز پڑھی۔ ایک سائل نے مسجد میں آکر سوال کیا لیکن کسی نے اُسے کچھ نہ دیا۔ سائل نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور کہا: خدایا! گواہ رہنا کہ میں نے مسجدِ رسولؐ میں سوال کیا، لیکن مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔

اس وقت حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ آپؑ نے اُسے چھوٹی اُنگلی سے اشارہ کیا۔ آپؑ اُس میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ سائل آیا اور انگشتری اُتار کر چلا گیا۔ یہ سب کچھ رسولؐ خدا کے سامنے ہوا۔ پھر جب نبی اکرمؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا:

"پروردگار! میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ میرے سینہ کو کشادہ کر اور میرے معاملات میرے لیے آسان فرما اور میری زبان کی گرہیں کھول دے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا۔ اس کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط فرما اور اُسے میرے معاملات میں شریک فرما۔

خدایا! تو نے حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول فرمائی تھی اور اُس سے قرآنی الفاظ میں یہ کہا تھا: "ہم تیرے بھائی سے تیرے بازو کو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کے لیے حکومت قرار دیں گے۔ تمہارے دشمن تمہارے قریب نہ آسکیں گے۔

خدایا! میں محمدؐ تیرا نبی اور صفی ہوں۔ پروردگار! میرے لیے میرا سینہ کشادہ

کردے، میرے معاملات میرے لیے آسان کردے اور میرے خاندان میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنا، اس کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط فرما"۔

جیسے ہی رسولِؐ خدا کی یہ دعا مکمل ہوئی تو آپؐ پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا: محمدؐ! آپؐ یہ پڑھیں:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۵۵)

مفسرین کا اس اَمر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپؑ نے سائل کو انگشتری عطا کی تھی۔

شانِ نزول میں اگرچہ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن مضمون ایک ہے۔

سورہ هَلْ اَتٰى کا نزول

شیخ صدوقؒ نے امالی میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ اُنھوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سورہ هَلْ اَتٰى کی آیت وَيُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ایک دفعہ حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام بیمار ہوئے۔ اس وقت وہ دونوں معصوم تھے۔ رسولِؐ خدا اُن کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپؐ کے ساتھ دو اور افراد بھی تھے۔ ان دو میں سے ایک نے حضرت علیؑ سے کہا: اے ابوالحسنؑ! اگر آپؑ اپنے شہزادوں کی خاطر خدا کے حضور منت مان لیں تو اللہ تعالیٰ اُنھیں شفایاب کردے گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں خدا کے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر میرے دونوں بچے شفایاب ہوگئے تو میں روزے رکھوں گا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے بھی اپنے شوہر کی طرح تین روزوں کی منت مانی۔ والدین کو دیکھ کر دونوں بچوں نے بھی اپنی شفایابی کے لیے تین روزوں کی نیت کرلی۔ جب گھر کے

افراد نے روزہ کی نیت کی تو اُس گھر کی خادمہ بی بی فضہؓ نے بھی تین روزوں کی منت مان لی۔ اللہ تعالیٰ نے بچوں کو صحت عطا کی۔ آلِ محمدؐ نے منت کو پورا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔ اُن کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ حضرت علیؑ ایک یہودی ہمسائے کے پاس گئے جس کا نام ''شمعون'' تھا اور وہ اُون کا کاروبار کرتا تھا۔

آپؑ نے یہودی سے فرمایا: تم مجھے کچھ اُون دے دو۔ رسولؐ خدا کی صاحب زادی تین صاع جو کے عوض اُسے کاتے گی۔

اس نے کچھ اُون اور جو آپؑ کے سپرد کیے۔ حضرت علیؑ وہ جو اور اُون لے کر اپنی زوجہ کے پاس آئے۔ بی بیؑ نے پہلے دن ایک تہائی اُون کاتا اور اس کے عوض ایک صاع جو لیے، ان کو پیس کر آٹا بنایا اور اُس سے پانچ روٹیاں تیار کیں۔

گھر کے ہر فرد کے لیے ایک روٹی تیار کی گئی۔ شام ہوئی حضرت علیؑ نماز مغرب کے لیے مسجد نبویؐ گئے اور نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔

تمام افراد خانہ دسترخوان پر بیٹھے۔ ابھی آپؑ نے پہلا لقمہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر ایک شخص نے آ کر صدا دی: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ بَیْتِ مُحَمَّد۔

میں ایک مسلمان مسکین ہوں، مجھے طعام کھلاؤ، اللہ تعالیٰ تمھیں جنت کے دسترخوان کا کھانا نصیب کرے گا۔

حضرت علیؑ نے وہ لقمہ کھائے بغیر رکھ دیا اور آپؑ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا:

یافاطم ذات المجد والیقین   یابنت خیر الناس اجمعین

ان اشعار میں آپؑ نے حضرت سیّدہ کو مساکین نوازی کی ترغیب دی تھی۔

حضرت سیّدہؑ نے جواب میں کہا:

امرك سمع یابن عم وطاعة   مابی من لؤم ولا وضاعة

ان اشعار میں حضرت سیدہ نے اپنی مساکین نوازی کا تذکرہ کیا۔

الغرض حضرت علیؑ نے اپنی روٹی اُٹھائی۔ حضرت سیّدہؑ نے اپنے حصہ کی روٹی اس میں شامل کی اور حسنین کریمینؑ نے اپنے اپنے حصہ کی روٹیاں اس میں شامل کیں اور حضرت فضہؓ

نے بھی اپنی روٹی ان میں شامل کی۔

حضرت علیؑ نے وہ پانچوں روٹیاں مسکین کے سپرد کیں اور کچھ کھائے بغیر سو گئے۔ صبح ہوئی تو خالی پیٹ سب نے روزہ رکھا۔ حضرت سیدہؑ نے اُون کی ایک اور تہائی کو کاتا اور ایک صاع جَو لیے، اُنھیں پیس کر آٹا بنایا اور پانچ روٹیاں تیار کیں۔

حضرت علی علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آئے اور دسترخوان بچھایا گیا۔ افرادِ خانہ دسترخوان کے گرد بیٹھے۔ ابھی حضرت علیؑ نے پہلا لقمہ ہی توڑا تھا کہ دروازے پر کسی نے آواز دی: اے اہلِ بیتِ محمدؐ! تم پر سلام ہو۔ میں ایک مسلمان یتیم ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ۔ اس کے عوض خدا تمھیں جنت کے دسترخوان پر کھانا کھلائے گا۔

حضرت علیؑ نے وہ لقمہ رکھ دیا اور اپنی زوجہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فاطم بنت السید الکریم　　　قد جآء نا بذا الیتیم

سیدہ زہراؑ نے شوہر کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے جواب دیا:

فسوف اعطیه ولا ابالی　　　واوثر الله علی جبالی

امسوا جیاعا وھم اشبالی

اس دن بھی حضرت علیؑ نے پانچوں روٹیاں اُٹھا کر یتیم کے پلّو میں ڈال دیں اور افرادِ خانہ کچھ کھائے بغیر رہ گئے۔

الغرض تیسرا دن ہوا۔ سب نے کچھ کھائے بغیر روزہ رکھا۔ حضرت زہراؑ نے اُون کاتا، اس کے عوض ایک صاع جَو لیے۔ آٹا بنایا پھر روٹیاں بنا کر دسترخوان پر رکھ دیں۔

حضرت علیؑ نماز مغرب پڑھ کر گھر آئے اور آپ نے لقمہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے آواز دی: اے اہلِ بیتِ محمدؐ! تم پر سلام ہو۔ آپ لوگ ہمیں قیدی بناتے ہیں اور ہمیں کھانا نہیں کھلاتے؟!!

حضرت علیؑ نے لقمہ واپس رکھا اور حضرت سیدہؑ سے خطاب کیا:

فاطم یابنت النبی احمد　　　بنت نبی سیّد مسود

حضرت زہراؑ نے جواب میں کہا:

لم یبق مما کان غیر صاع   قد دبرت کفی مع الذراع

"پھر سیّدہؑ نے اپنی سخاوت کا تذکرہ کیا۔ اب کی بار بھی حضرت علیؑ نے دسترخوان پر موجود پانچوں روٹیاں اُٹھا کر سائل کے حوالے کیں اور آلِ محمدؐ نے وہ شب بھی بھوک کی حالت میں بسر کی"۔

پھر حضرت علیؑ حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ تھامے رسولِ خدا کے پاس گئے۔ بھوک کی وجہ سے اُن کی حالت کافی غیر ہو چکی تھی اور دونوں معصوم بچے چوزوں کی طرح سے کانپ رہے تھے۔

جب رسولِ خدا نے یہ حالت دیکھی تو آپؐ نے فرمایا: اے ابوالحسنؑ! بچوں کی یہ حالت کیوں بنی ہوئی ہے؟

حضرت علیؑ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ رسولِ خدا تیزی سے اپنی صاحبزادی کے پاس تشریف لائے۔

اُس وقت حضرت سیّدہ محرابِ عبادت میں مصروفِ عبادت تھیں اور مسلسل بھوک کی وجہ سے آپؑ کا شکم پشت سے لگا ہوا تھا اور بی بی کی آنکھیں اندر کو دھنس چکی تھیں۔

رسولِ خدا نے بیٹی کو سینے سے لگایا اور کہا: ہائے خدا کی پناہ! تم لوگ تین دن سے بھوکے ہو۔

اس وقت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا: یارسولؐ اللہ! اللہ نے جو کچھ آپؐ کی اہلِ بیتؑ کی شان بیان کی ہے آپؐ اُسے وصول کریں۔

اس وقت جبرئیل امینؑ نے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ...... سے لے کر ان هذا کان لکم جزاء وکان سعیکم مشکوًرا تک کی آیات آنحضرتؐ کو پڑھ کر سنائیں۔

حسن بن مہران کی روایت میں بیان ہوا ہے کہ نبی اکرمؐ بڑی تیزی سے اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لائے، اُنھیں جمع کیا اور اُن کی حالت دیکھ کر رونے لگے اور فرمانے لگے: تم کتنے دنوں سے بھوکے ہو؟ اس وقت جبرئیل امینؑ یہ آیات لے کر نازل ہوئے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ○ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ○ (سورۂ دھر: آیت ۵-۶)

یہ چشمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہوگا، یہیں سے اُس کی شاخیں انبیاء مومنین کے گھروں کو جائیں گی۔ یُوفُوْنَ بِالنَّذْرِ وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں یعنی علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسین علیہم السلام اور اُن کی کنیز حضرت فضہؓ۔

وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ○ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ (سورۂ دھر: آیت ۷-۸)

یعنی اگرچہ انھیں خود بھی طعام کی ضرورت ہوتی ہے، پھر بھی ایثار سے کام لے کر مسلمان مسکین ویتیم اور مشرکین کے مشرک قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کھانا کھلاتے وقت اُن کی نیت یہ ہوتی ہے:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○ (سورۂ دھر: آیت ۹)

"ہم تمھیں اللہ کی رضا کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے کوئی بدلہ اور کسی طرح کے شکریہ کے خواہش مند نہیں ہیں"۔

یہ الفاظ خاندانِ مصطفیٰؐ نے اپنی زبان سے نہیں کہے تھے، اللہ نے اُن کے ضمائر پر نظر کی اور اُس کی ترجمانی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ○ (سورۂ دھر: آیت ۱۱)

"اللہ نے اُنھیں اس دن کے شر سے محفوظ رکھا اور اُن کے چہروں پر شادابی اور دلوں میں سُرور عطا کرے گا"۔

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً (سورۂ دھر: آیت ۱۲)

"اُس صبر کے عوض میں اُنھیں جنت عطا کی، جہاں وہ رہیں گے"۔

وَّحَرِيْرًا ـــ اور جنت کا ریشم عطا کیا جس سے اُن کے قالین تیار ہوں گے اور وہ ریشم کے لباس پہنیں گے۔

مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ وہ "ارائک" پر تکیہ نشین ہوں گے۔ لفظ "ارائک" اریکہ کی جمع ہے اور اریکہ اس چارپائی کو کہا جاتا ہے جس پر "حجلہ" بنا ہوا ہو۔

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا "وہ وہاں سورج (دھوپ) اور ٹھنڈک کو نہیں دیکھیں گے"۔

علامہ مجلسی تحریر کرتے ہیں کہ سورہ ھل اتٰی کے شانِ نزول میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس پر تمام محدثین و مفسرین کا اتفاق ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس جیسے ایثار کی توقع خاندانِ مصطفیٰ کے علاوہ اور کسی گھرانے سے نہیں کی جاسکتی۔

یہ سورہ مبارکہ آلِ محمدؐ کی عظمت و جلالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اعتراضات کے جوابات

کچھ لوگ اس واقعہ پر ازراہِ تعجب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کوئی انسان تین دن تک بھوک کیسے برداشت کرسکتا ہے؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی خلافِ عقل بات نہیں ہے۔ کچھ رسائل میں تو ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ کچھ افراد نے نو دن کا مسلسل روزہ رکھا اور اس دوران اُن کے شکم میں نہ تو کھانا گیا اور نہ ہی اُنھوں نے پانی پیا مگر اس کے باوجود وہ زندہ رہے۔

اہلِ ریاضت تو حیران کن طریقہ سے بھوک پیاس کا سامنا کرتے ہیں۔ کچھ اہلِ ریاضت ایسے بھی ہیں جنھوں نے پورے دن میں صرف ایک بادام پر گزارا کیا اور کئی برس تک اُن کی یہی کیفیت رہی۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں جو شخص زیادہ کھانے کا عادی ہو تو اس کے لیے تین دن بھوکے رہنا مشکل ہوتا ہے اور جو شخص بھوک کا عادی ہو تو اس کے لیے بھوک کا برداشت کرنا ممکن ہوتا ہے۔

کچھ افراد جنھیں آلِ محمدؐ کی فضیلت راس نہیں آتی وہ اس مقام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بھلا یہ کیسی سخاوت ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو بھوکا رکھ کر دوسروں کو کھانا کھلاتا رہے؟

ان لوگوں سے التماس ہے کہ اسی چیز کو ایثار کہا جاتا ہے۔ انسان اپنی ضروریات پر دوسروں کو مقدم رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اہلِ ایثار کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۂ حشر: آیت ۹)

"وہ ایثار سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود بھی حاجت مند ہوتے ہیں"۔

اگر ایثار قبیح ہوتا تو اللہ اہلِ ایثار کی تعریف ہی کیوں کرتا؟

اگر اس طرح کا ایثار مذموم ہوتا تو اللہ تعالیٰ آلِ محمدؑ کی شان میں سورہ هَلْ اَتٰى کو کیوں نازل فرماتا۔

جہلاء کچھ کہتے ہیں کہ آلِ محمدؑ کا یہ ایثار روزِ قیامت تک زندہ رہے گا۔ اور جب بھی کوئی مسلمان سورہ هَلْ اَتٰى کی تلاوت کرے گا تو اُس کے سامنے آلِ محمدؑ کی وفائے نذر اور ایثار کی بے نظیر مثالیں سامنے آئیں گی۔

علیؑ مولا کا حضرت عباسؑ پر فخر کرنا

حاکم ابوالقاسم حسکانی نے ابن بریدہ سے روایت کی ہے اور اُس نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ شیبہ بن ابی طلحہ اور عباس بن عبدالمطلب نے ایک دوسرے پر فخر کیا۔ حضرت علی علیہ السلام وہاں سے گزرے تو اُنھوں نے اُن سے کہا: تم کس بات پر فخر کر رہے ہو؟

عباس نے کہا: مجھے وہ فضیلت ملی ہے جو کسی کو نہیں ملی، حجاج کو پانی پلانا میری ذمہ داری ہے۔

شیبہ نے کہا: میں مسجد الحرام کا متولی ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تم دونوں بزرگ ہو اور میں تم دونوں سے کم سن ہوں لیکن مجھے جو فضیلت ملی ہے وہ تم دونوں کو نہیں ملی۔

دونوں نے کہا: آپؑ کو کون سی فضیلت ملی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تم دونوں کے ناکوں پر تلوار کے وار کیے، یہاں تک کہ تم دونوں خدا اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔

عباس کو یہ سن کر غصہ آیا اور وہ غصہ کی حالت میں اُٹھ کر رسولِؐ خدا کی طرف روانہ ہوا، اور اُس نے رسولِؐ اکرم سے کہا: آپؐ نے نہیں دیکھا کہ علیؑ نے ہماری کیسی بے ادبی کی ہے؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: علیؑ کو بلاؤ۔ جب حضرت علی علیہ السلام آئے تو رسولِؐ خدا نے آپؑ سے فرمایا: تم نے اپنے چچا کی بے ادبی کیوں کی؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں نے ان سے سچی بات کہی ہے۔ اب ان پر منحصر ہے کہ وہ اس پر ناراض ہوں یا راضی ہوں۔

اس وقت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا: آپ کا پروردگار آپؑ کو سلام کہتا ہے اور یہ آیت نازل کی ہے:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ (سورۂ توبہ: آیت ۱۹)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادکاری کو اس کے مانند بنایا جو کہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ آپس میں برابر نہیں ہیں"۔

جب جنابِ عباس نے یہ آیت سنی تو تین بار کہا: ہم راضی ہیں۔

آیتِ نجویٰ

ہم نے پہلے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کو کچھ ایسی خصوصیات سے نوازا ہے کہ جن میں آپؑ منفرد ہیں اور آپؑ کا کوئی بھی ان صفات میں شریک نہیں ہے۔ امیرکائنات اپنی خصوصیات پر فخر کیا کرتے تھے۔

آپؑ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیتِ نجویٰ نازل کی اور اس پر حضرت علیؑ کے علاوہ کسی بھی مسلمان نے عمل نہیں کیا۔ وہ آیتِ مجیدہ یہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ (سورۂ مجادلہ: آیت ۱۲)

"اے اہلِ ایمان! جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور پاکیزہ تر ہے"۔

ثعلبی اور واحدی کے علاوہ دیگر مفسرین نے لکھا کہ دولت مند افراد نے رسولِ خدا سے زیادہ سرگوشیاں شروع کر دی تھیں اور حضورؐ کے پاس مجالس میں غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

رسول اکرمؐ کو یہ طرزِ عمل ناگوار گزرا اور اُن کی زیادہ سرگوشیوں سے آپؐ تنگ آ گئے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے آیتِ نجویٰ نازل کی اور حکم دیا کہ جس نے رسولِ خدا سے سرگوشی کرنی ہو تو

پہلے صدقہ دے، پھر آپؐ سے سرگوشی کرے۔

غریبوں کے پاس دولت نہ تھی، اسی لیے وہ صدقہ دینے سے قاصر تھے اور دولت مندوں نے کنجوسی سے کام لیا۔ لہٰذا رسولؐ خدا کو سکون نصیب ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس پر عمل نہ کرنے کا طعنہ دیا اور اپنے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ کی کتاب میں ایک آیت ایسی بھی ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا تھا اور میرے بعد کوئی بھی اس پر عمل نہیں کر سکے گا اور وہ آیتِ نجویٰ ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اس کو change کروایا اور دس درہم حاصل کیے اور میں جب بھی آنحضرتؐ سے سرگوشی کرنا چاہتا تو ایک درہم صدقہ میں دے دیتا اور یوں مَیں نے دس مرتبہ آنحضرتؐ سے سرگوشی کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو منسوخ کر دیا اور فرمایا:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰكُمْ (سورۂ مجادلہ: آیت ۱۳)

''کیا تم سرگوشی سے پہلے صدقہ دینے سے گھبرا گئے ہو؟''

اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو سرے سے ہی منسوخ کر دیا۔

ابن عمر کا قول ہے کہ خدا کی طرف سے علیؑ کو ایسی تین فضیلتیں دی گئی ہیں، اگر مجھے اُن میں سے ایک بھی حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ رنگ کے اُونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی:

① علیؑ کی شادی حضرت فاطمہ زہراؑ سے ہوئی۔

② جنگِ خیبر میں رسولِ اکرمؐ نے علیؑ کو پرچم اسلام (علَم) عطا کیا تھا۔

③ علیؑ نے ہی آیتِ نجویٰ پر عمل کیا تھا۔

شیخ طوسیؒ لکھتے ہیں کہ ترمذی اور ثعلبی نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''میری وجہ سے خدا نے اس اُمت کو تخفیف دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے صحابہ کو آزمایا تھا اور اُنھیں صدقہ دے کر مناجات کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کی وجہ سے صحابہ نے آنحضرتؐ سے سرگوشی ترک کر دی تھی''۔

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ میرے پاس ایک

دینار تھا۔ میں نے وہ دینار راہِ خدا میں صدقہ دے دیا تھا۔ اس آیت پر صرف میں نے عمل کیا تھا۔ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی توبہ قبول کی اور اگر اس آیت پر کوئی شخص عمل نہ کرتا تو اُمت پر عذاب نازل ہو جاتا۔

دس اہم باتیں

کتاب فرائد السمطین میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے دس درہموں کے عوض آنحضرتؐ سے دس بار سرگوشی کی اور ہر بار رسولؐ خدا سے ایک مسئلہ پوچھا۔ میں نے آنحضرتؐ سے دس بار سرگوشی کی اور آپؐ نے مجھے دس اہم باتوں کی تعلیم دی۔

ہم ذیل میں ان سوالات اور اُن کے جوابات کو مکالمہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

علی علیہ السلام: یارسولؐ اللہ! وفا کیا ہے؟

رسولؐ خدا: توحید، یعنی لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا۔

علی علیہ السلام: فساد یعنی بگاڑ کیا ہے؟

رسولؐ خدا: کفر اور خدا کے ساتھ شرک کرنا۔

علی علیہ السلام: حق کیا ہے؟

رسولؐ خدا: اسلام، قرآن اور ولایت جب تم تک پہنچے۔

علی علیہ السلام: حیلہ کیا ہے؟

رسولؐ خدا: ترکِ حیلہ ہی حیلہ ہے۔

علی علیہ السلام: میرا فریضہ کیا ہے؟

رسولؐ خدا: اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرنا۔

علی علیہ السلام: خدا سے دعا مانگنے کا سلیقہ کیا ہے؟

رسولؐ خدا: صدق و یقین کے ساتھ دُعا مانگنی چاہیے۔

علی علیہ السلام: میں اللہ سے کیا مانگوں؟

رسولؐ خدا: خدا سے عافیت طلب کرو۔

علی علیہ السلام: مجھے اپنی نجات کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

رسولِ خدا: حلال کھاؤ اور سچ کہو۔

علی علیہ السلام: سُرور کہاں ہے؟

رسولِ خدا: سُرور جنت میں ہے۔

علی علیہ السلام: مومن کو راحت کب ملتی ہے؟

رسولِ خدا: اللہ کی ملاقات سے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے آنحضرتؐ سے جب یہ سوالات کر لیے تو اُس کے بعد سرگوشی سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہی منسوخ ہو گیا۔

بعض اَعلام نے کہا ہے کہ جب کوئی ان دس کلمات کی گہرائی پر نظر کرے گا تو اُسے محسوس ہوگا کہ یہ حکمت آمیز تعلیمات خاصانِ خدا کا خاصہ ہیں اور یہ تعلیمات اتنی قیمتی ہیں کہ انسان اگر ساری دولت بھی ان پر قربان کر دے تو بھی گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ امیرالمومنینؑ کے پاس کُل دولت ایک دینار تھی۔ آپؑ نے وہ دولت خرچ کی اور یہ تعلیمات حاصل کی تھیں۔

ہم نے اپنی سابقہ گفتگو میں یہ عرض کیا تھا کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت علی علیہ السلام اپنی جان بیچ کر آنحضرتؐ کے بستر پر سوئے تھے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں بیسیوں آیات ایسی ہیں جن میں حضرت علی علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں حضرت علیؑ کو شہید، شاہد، مشہود، ذکر، نُور، ہدیٰ، صادق، مُصدق، صدیق، فضل، رحمت، نعمت اور صاحبِ علم الکتاب کے القاب سے یاد کیا گیا ہے اور حدیث سے ان اسماء کی تصدیق ہوتی ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف اشارے پر اکتفا کیا ہے۔ ہم عنقریب ایسی آیات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جن کا امام علیہ السلام سے اِرتباط ہے۔

علی علیہ السلام اور علم

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۂ زمر: آیت ۹)

"آپؐ کہہ دیں کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟"

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم ہی فضیلت و کمال کا ذریعہ ہے اور دنیا کا ہر انسان علم کی عظمت کا معترف ہے اور ہر شخص اپنی فطرت کی روشنی میں عالم کو جاہل پر فضیلت دیتا ہے۔ اسلام نے بھی علم اور عالم کی فضیلت بیان کی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا فرمان ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

"علم کی تلاش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

قرآنِ کریم کی بہت سی آیات میں علم کی عظمت اور اُس کی قدر و قیمت پر گفتگو کی گئی ہے اور اہلِ علم کی تعریف کی گئی ہے۔

عدالت اور فیصلہ کے شعبہ کا علم سے گہرا رابطہ ہے، کیونکہ اس شعبہ کے لیے احکام شرعیہ اور آدابِ قضا و فتویٰ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور معرفتِ خداوندی کے درجات بھی علم پر منحصر ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے علم اور آپؑ کے ایمان کی گہرائی کو بیان کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ نبی اکرمؐ کی ایک حدیث صحیح میں یہ بیان کیا گیا ہے:

يَا عَلِيُّ لَا يَعْرِفُ اللّٰهَ إِلَّا أَنَا وَأَنْتَ وَلَا يَعْرِفُنِيْ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنْتَ وَلَا يَعْرِفُكَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَا

"اے علیؑ! اللہ کی (کماحقہ) معرفت فقط مجھے اور تجھے حاصل ہے۔ مجھے اللہ اور آپؑ ہی (کماحقہ) پہچانتے ہیں اور تجھے اللہ اور میں ہی (کماحقہ) پہچانتے ہیں"۔

کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ علمِ امامؑ کے حدود و قیود کو بیان کرے، کیونکہ آپؑ کا علم رسولِ خدا کے علم سے ماخوذ ہے اور رسولِ خدا کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے ماخوذ ہے۔ آپ کا علم کسبی نہیں تھا۔ آپ کا علم خدا کے فیضان کا نتیجہ تھا۔

قرآنِ کریم میں ہمیں بہت سی ایسی آیات دکھائی دیتی ہیں جن میں انبیاءؑ کے علم پر بحث کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ یہ واضح کیا ہے کہ انبیاء کے علم کا منبع ذاتِ خداوندی ہے اور انبیاء براہِ راست خدا کے شاگرد ہوتے ہیں۔

اسی لیے انبیاءؑ کا علم حقیقی ہے اور اس میں باطل کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ انبیاءؑ کا علم حق ہے، جو کہ مطابق واقعہ ہے۔ اسی سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ○ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۱۴)

"آپؐ کہیں کہ میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما"۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

"ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پالیا، جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اور اپنی طرف سے اُسے تعلیم دی تھی"۔

وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ

"خدا نے طالوت کے علم اور جسمانی قوت میں اضافہ کیا تھا"۔

وکلا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا

"ان سب انبیاءؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا تھا"۔

وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا

"ہم نے لوطؑ کو حکم دیا اور علم عطا کیا"۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا

''ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا کیا''۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗٓ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا

''جب موسیٰؑ سنِ رُشد پر پہنچ کر تنومند ہو گیا تو ہم نے اُنھیں حکمت اور علم عطا کیا''۔

اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ

''اے موسیٰؑ! میں نے آپؑ کو لوگوں میں سے اپنے پیغامات اور ہم کلامی کے لیے منتخب کیا ہے''۔

اذ قال اللہ یاعیسٰی بن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک ابدتک بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ

''جب خدا نے کہا: اے عیسٰی بن مریمؑ! میری اس نعمت کو یاد کر، جو آپؑ پر اور آپؑ کی والدہ پر ہوئی۔ جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی جو گہوارے اور پختہ عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب وحکمت کی تعلیم دی''۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا

''اور خدا نے آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دی''۔

یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ

''بابا جان (اے چچا) میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو کہ تیرے پاس نہیں آیا ہے''۔

فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ

''ہم نے وہ مسئلہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا''۔

ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ

''تعبیر خواب یہ اس علم کا نتیجہ ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم دیا ہے''۔

وَ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ

"خدا نے آپؐ پر کتاب و حکمت نازل کی ہے اور آپؐ کو اس چیز کی تعلیم دی جسے آپؐ نہ جانتے تھے"۔

وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَ اٰتٰىہُ اللّٰہُ الۡمُلۡکَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ عَلَّمَہٗ مِمَّا یَشَآءُ

"داوُدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا، اللہ نے اُسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جو کچھ چاہا اُسے سکھا دیا"۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰہُ

"بے شک ہم نے آپؐ کے پاس حق کے ساتھ کتاب نازل کی، تاکہ آپؐ لوگوں میں اس طرح کے فیصلے کریں جیسا کہ اس نے آپؐ کو دکھایا ہے"۔

یہ حقائق جاننے کے بعد ہم امام علیہ السلام کے علوم و معارف اور اُن کی ثقافتِ الٰہیہ کا کیسے اندازہ کر سکتے ہیں؟

رسولِؐ خدا کے شہرِ علم کے دروازے کا احاطہ کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ آپؑ رسولِ اکرمؐ کے پہلے شاگرد ہیں اور آنحضرتؐ نے اپنے تمام علوم آپؑ کے سینے میں اُنڈیلے تھے، اور ایک ہی لمحے میں آپؐ نے اپنے شاگرد کے لیے علم کے ہزار دروازے کھولے تھے، پھر لائق و فائق شاگرد نے ہر دروازے سے ہزار علم کے دروازے کھولے تھے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہرِعلم کے دروازہ (علیؑ مولا) جاہلی معاشرے میں علومِ ربانیہ اور معارفِ الٰہیہ کو بیان نہیں کر سکے تھے۔ مجھے اس دور کے لوگوں پر افسوس ہوتا ہے کہ جنھوں نے اتنے بڑے عالم سے علم حاصل نہیں کیا تھا جب کہ اُنھیں علم کی شدید ضرورت تھی۔

اس سے بڑھ کر مقامِ افسوس کیا ہوسکتا ہے کہ کائنات کا سب سے بڑا عالم پورے پچیس برس اپنے گھر میں عزلت اور خانہ نشینی کی زندگی بسر کرتا رہا اور وہ اپنے علوم سے لوگوں کے عقول کو منور نہ کر سکا اور علم کے قیمتی موتی معاشرے کے سپرد نہیں کر سکا۔

آج اہلِ مغرب اُسکندریہ کی لائبریری کے جلائے جانے پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ کاش حکام نے اسکندریہ کا کتب خانہ نہ جلایا ہوتا تو آج انسانیت بہت

ترقی کر چکی ہوتی، لیکن وہ علوم کے موتی نذرِ آتش کیے گئے اور ایسا کر کے حکام نے تمام انسانیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔

کتب خانے کے جلائے جانے کی ہم بھی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں، لیکن اُس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کا جلایا جانا کسی المیہ سے کم نہیں ہے، لیکن اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ جیسا کائنات کا عالم ترین فرد پورے پچیس برس کی خاموشی اختیار کرے، اور خانہ نشین ہونے پر مجبور ہو جائے۔

اسکندریہ میں تو صرف کتابیں ضائع ہوئی تھیں اور وہ خاموش تھیں۔ اُن کے منہ میں زبان نہ تھی جب کہ آپؑ مجسم علم تھے اور منہ میں زبان بھی رکھتے تھے۔ اس امر پر شدید افسوس ہے کہ اُمت اسلامیہ جہالت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے جب کہ خدا نے اُنھیں ایسا ہادی بھی دیا تھا جس کے چراغِ علم سے جہالت کی تیرگی روشنی میں بدل سکتی تھی۔

افسوس ہے ان اہلِ اقتدار پر، جنھوں نے چند روزہ حکومت و اقتدار کے لیے اُمت سے معارف کے خزانے چھین لیے اور اُمت کو الٰہی علوم سے محروم کر دیا اور زبان بندی کا یہ عرصہ پچیس سال پر محیط ہے۔

پھر جیسے ہی حالات سازگار ہوئے اور آپؑ کو حکومت ملی تو آپؑ نے پوری کوشش کی کہ اُمت اسلامیہ کے دامن کو علم و حکمت کے موتیوں سے بھر دیں، لیکن مخالفین نے آپؑ کو اس کا موقع بھی نہ دیا اور اندرونی جنگیں شروع کر دی گئیں اور آپؑ کو اطمینان سے محروم کر دیا گیا اور یوں نشاطِ علمی جنگی طاقت میں بدل دی گئی اور ثقافتی ادارے خونریز معرکہ گاہوں میں بدل گئے، جس کے بُرے نتائج سے آج تک اُمت اسلامیہ باہر نہیں نکل سکی۔

ان تمام تر سختیوں کے باوجود امیر المومنینؑ نے ثقافت و معرفت کے آسمان پر علم کی شمع کو روشن کیا۔ اس کے لیے نہج البلاغہ پر نظر ڈالیں۔ اس کتاب میں آپؑ کے خطبات، مکتوبات اور کلمات حکمت کا چوبیسواں حصّہ ہے۔ یہ حصّہ اس کتاب کی شکل میں محفوظ ہے۔اس کے علاوہ آپؑ کے خطبات ضائع ہوئے ہیں، ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں ہے۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ ایک مرتبہ آپؑ نے نمازِ فجر کے بعد خطبہ شروع کیا اور نمازِ ظہر

تک خطبہ میں مصروف رہے، یعنی آپؑ نے چھے گھنٹے کا خطبہ دیا، لیکن آج وہ علم کے موتی ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

علومِ امامؑ کی وسعت کے لیے حسب ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لو ثنیت لی الوسادۃ وجلست علیھا لحکمت بین اھل القرآن بالقرآن حتّٰی یزھر الی اللہ ولحکمت بین اھل التورات بالتورات حتّٰی یزھر الی اللہ ولحکمت بین اھل الانجیل بالانجیل حتّٰی یزھر الی اللہ ولحکمت بین اھل الزبور بالزبور حتّٰی یزھر الی اللہ ولولا آیۃ فی کتاب اللہ لانباء تکم بما یکون حتّٰی تقوم الساعۃ، لانا اعلم بالتوراۃ من اھل التوراۃ واعلم بالانجیل من اھل الانجیل

"اگر میرے لیے مسند بچھا دی جائے اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہلِ قرآن کے درمیان قرآن سے فیصلہ کروں گا اور اہلِ تورات کے درمیان تورات سے فیصلہ کروں گا اور اہلِ انجیل کے درمیان انجیل سے فیصلہ کروں گا اور اہلِ زبور کے درمیان زبور سے فیصلہ کروں گا۔ اگر کتابِ الٰہی میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے واقعات سے تمہیں باخبر کرتا۔ میں اہلِ تورات سے تورات کو بہتر جانتا ہوں اور اہلِ انجیل سے انجیل کو بہتر جانتا ہوں"۔

اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ جب امیرالمومنین علیہ السلام کوفہ تشریف لائے تو آپؑ نے پورے چالیس دن تک سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ سبح اسم ربک الاعلیٰ کی تلاوت کی۔

لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علیؑ کو قرآن پر عبور حاصل نہیں ہے ورنہ وہ اور سورتیں بھی پڑھتے۔

جب علی علیہ السلام نے یہ سنا تو آپؑ نے فرمایا:

ویلھم ! انی لا اعرف ناسخہ ومنسوفہ ومحکمہ ومتشابھہ وفصالہ من وصالہ وحروفہ من ھانیہ واللہ ما نزل حرف علی محمد ﴿ﷺ﴾ الا وانا اعرف فیمن انزل وفی ای یوم نزل وفی ای موضع نزل۔ ویلھم اما یقرؤون ﴿ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم وموسٰی﴾ واللہ عندی ، ورثتھا من رسول اللہ ﴿ﷺ﴾ وورثھا رسول اللہ ﴿ﷺ﴾ من ابراھیم وموسٰی ۔ ویلھم واللہ انی انا الذی انزل اللہ فی ﴿وتعیھا اذن واعیۃ﴾ فکنا عند رسول اللہ ﴿ﷺ﴾ فیخبرنا بالوحی فاعیہ ویفوتھم فان اخرجنا قالوا: مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔

"ان پر افسوس! میں قرآن کے ناسخ، منسوخ، محکم اور متشابہ کو جانتا ہوں اور قرآن کے "فصل" اور "وصل" سے واقف ہوں اور تمام حروف کے معانی جانتا ہوں۔ خدا نے اپنے نبی پر جو بھی قرآن اُتارا ہے میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی اور کس دن نازل ہوئی اور کس سرزمین پر نازل ہوئی۔

ان پر افسوس! میں تو وہ ہوں جس کے متعلق خود قرآن نے کہا ہے: "اسے یاد رکھنے والا کان یاد رکھے گا"۔ چنانچہ وہ یاد رکھنے والا کان میں ہی ہوں۔ ہم رسولِؐ خدا کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔ آنحضرتؐ ہمیں وحی سے مطلع کرتے تھے، میں یادکرلیتا تھا اور باقی لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ جب وہ باہر آتے تو کہتے تھے: مَاذَا قَالَ اٰنِفًا (آپؐ نے ابھی ابھی کیا کہا ہے؟)"

عبایہ بن ربعی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا، آپؑ فرما رہے تھے:

سلونی قبل ان تفقدونی ، الا تسئلون من عندہ علم المنایا

والبلایا والانساب؟

"مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ کیا تم اس سے نہیں پوچھو گے جس کے پاس اَموات، آزمائشات اور اَنساب کا علم ہے؟"

اصبغ بن نباتہ راوی ہیں کہ جب امیر المومنین علی علیہ السلام کی بیعتِ خلافت ہوئی تو آپؑ نے سر پر رسولؐ خدا کا عمامہ سجایا اور رسولؐ خدا کی چادر لپیٹی اور منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور لوگوں کو نصیحتیں کیں۔ پھر آپؑ نے اپنی اُنگلیوں میں اُنگلیاں ڈالیں اور اپنے ہاتھ ناف کے نیچے رکھ کر فرمایا:

اے گروہ مردم! مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ میرے پاس اوّلین و آخرین کا علم ہے۔ خدا کی قسم! اگر میرے لیے مسند بچھا دی جائے تو میں اہلِ توریت کے لیے توریت کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اہلِ انجیل کے لیے انجیل کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اہلِ زبور کے لیے زبور کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اہلِ قرآن کے لیے قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اور صرف فیصلہ ہی نہیں کروں گا ان میں سے ہر کتاب یہ اعلان کرے گی کہ خدایا! علیؑ نے تیرے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

خدا کی قسم! میں تو قرآن کا دعویٰ کرنے والے ہر دعویدار سے قرآن کو زیادہ جانتا ہوں اور اس کی تاویل کو سب سے بہتر جانتا ہوں۔ اور اگر قرآن میں ایک آیت (یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ وَ عِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ) نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے حالات کی تمہیں خبر دے دیتا۔

پھر آپؑ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ اس ذات کی قسم، جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا تم مجھ سے جس بھی آیت کے متعلق سوال کرو گے تو میں تمہیں اس کے وقتِ نزول کی خبر دوں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ وہ کس مسئلہ کے متعلق نازل ہوئی اور میں تمہیں ناسخ و منسوخ، خاص و عام، محکم و متشابہ اور مکی و مدنی ہر آیت کے متعلق بتاؤں گا۔ خدا کی قسم! جتنے بھی قیامت تک گروہ آنے ہیں، جنھوں نے گمراہی یا ہدایت کو پھیلایا ہے میں ان گروہوں کے رہبروں اور اُن کے محرکین اور اُن کے

پیروکاروں کے متعلق جانتا ہوں"۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ خدا نے علم دیا تھا اور رسولؐ خدا کو خدا نے علم دیا تھا، لہٰذا نبیؐ کے علم کا سرچشمہ خدا کا علم ہے اور علیؑ کے علم کا سرچشمہ رسولؐ خدا کا علم ہے اور میرے علم کا سرچشمہ علیؑ کا علم ہے۔ میرے اور جملہ اصحابِ محمدؐ کے علم کی علیؑ کے علم سے وہی نسبت ہے جو ایک قطرے کی سات سمندروں کے سامنے ہے۔

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: اے ابوالحسن! جب بھی آپؑ سے سوال کیا جاتا ہے تو آپؑ کسی غور وفکر کے بغیر فوراً جواب دے دیتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے کہا: اچھا یہ بتاؤ تمہارے ہاتھ کی کتنی اُنگلیاں ہیں؟

حضرت عمر نے فوراً کہا: پانچ۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم نے غور وفکر کیوں نہ کیا فوراً جواب کیوں دے دیا؟

حضرت عمر نے کہا: بھلا اس میں سوچنے کی کیا بات ہے، یہ انگلیاں ہر وقت میرے سامنے موجود ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: جس طرح سے انگلیاں تمہارے سامنے ہیں اور تمہیں ان کے متعلق سوچنا نہیں پڑتا اسی طرح سے کائنات میرے سامنے ہے لہٰذا مجھے بھی غور وفکر کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قاضی ابن ابی لیلیٰ سے فرمایا: عبدالرحمٰن! تم فیصلہ کس بنیاد پر کرتے ہو؟

اُس نے کہا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر مسئلہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو تو پھر؟

اس نے کہا: میں سنتِ رسولؐ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور اگر مسئلے کا حل سنت میں موجود نہ ہو تو صحابہ کے اجماع کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر صحابہ کا آپس میں اختلاف ہو تو پھر کس

صحابی کے قول پر عمل کرو گے؟

اس نے کہا: میں ایک صحابی کے قول کو چن لوں گا، باقی اقوال کو چھوڑ دوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر رسولؐ خدا نے قیامت کے دن یہ کہہ دیا کہ پروردگارا! اس تک میرا فرمان پہنچا تھا لیکن اُس نے میرے فرمان کی مخالفت کی تھی تو پھر کیا جواب دو گے؟

قاضی ابن ابی لیلیٰ نے کہا: میں نے فرمانِ پیغمبرؐ کی کیسے مخالفت کی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تجھ تک رسولؐ خدا کا یہ فرمان پہنچا تھا: اَقْضَاکُم عَلِیٌ "تم میں بڑا قاضی علیؑ ہے"۔

ابن ابی لیلیٰ نے جواب دیا: جی ہاں، مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب تم قولِ علیؑ کے خلاف فیصلہ کرو گے تو کیا اُس سے قولِ رسولؐ کی مخالفت لازم نہ آئے گی؟

قاضی ابن ابی لیلیٰ کا چہرہ زرد ہو گیا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اصبغ بن نباتہ اور ایک پوری جماعت کا بیان ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے مہاجرین و انصار کے سامنے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

یہ سینہ علم سے بھرا ہوا ہے، کاش کوئی اس کا طالب ہوتا۔ مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے تم مجھے نہ پاؤ۔ اس سینہ میں شفاف علم ہے۔ یہ رسولِ خدا کے لُعاب کا اثر ہے۔ یہ وہ علم ہے جو رسولؐ خدا نے مجھے اس طرح سے دیا تھا جیسے پرندہ اپنے بچے کو دانا منہ میں بھراتا ہے۔

مجھ سے پوچھ لو میرے پاس اوّلین و آخرین کا علم ہے۔ خدا کی قسم! اگر میرے لیے مسند بچھا دی جائے۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبے میں آپؑ نے فرمایا:

فاسئلونی قبل ان تفقدونی فوالذی نفسی بیدہ لا تسئلونی عن شیٔ فیما بینکم و بین الساعۃ ولا عن فئۃ تھدی مائۃ وتضل مائۃ الا انبأتکم بناعقھا وقائدھا وسائقھا ومناخ رکابھا ومحط

رحالها ومن یقتتل من اھلھا قتلا ویموت منھم موتا

"تم جو چاہو مجھ سے پوچھ لو، اس سے قبل کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت سے لے کر قیامت تک کے درمیانی عرصہ کی جو بھی بات مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں بتاؤں گا اور کسی ایسے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے جس نے سو کو ہدایت کی ہو اور سو کو گمراہ کیا ہو، تو میں اس کے للکارنے والے، اُسے آگے سے کھینچنے والے، پیچھے سے دھکیلنے والے اور اُن کی سواریوں کی منزل اور اس کے سازوسامان سے لدے ہوئے پالانوں کے اُترنے کی جگہ تک بتا دوں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ اُن میں کون قتل کیا جائے گا اور کون اپنی موت مرے گا"۔

سلمان بیان کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

"میرے پاس علم المنایا، علم البلایا، علم الوصایا اور علم انساب اور فیصلہ کرنے کا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اسلام پر پیدا ہونے والے کون ہیں اور کفر پر پیدا ہونے والے کون ہیں؟ میں ہی مہر کی انگوٹھی والا ہوں۔ میں فاروقِ اعظم ہوں اور تمام سلطنتوں کی سلطنت ہوں، قیامت تک کے حالات کے متعلق مجھ سے پوچھ لو اور مجھ سے پہلے لوگوں کے بارے پوچھو اور مجھ سے بعد میں آنے والے کے حالات پوچھ لو جب تک خدا کی عبادت رہے گی تب تک کے حالات پوچھ لو"۔

علی علیہ السلام اور خطابت

حضرت علی علیہ السلام خطابت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اگر کسی نے آپ کی خطابت کے جوہر دیکھنے ہوں تو اُسے چاہیے کہ وہ توحید الٰہی پر آپ کے خطبات پڑھے۔ خطبہ شقشقیہ کا مطالعہ کرے اور خطبۂ ہدایت، ملاحم، لؤلؤہ، غراء، قاصعہ، اِفتخار، اَشباح، الدرۃ الیتیمہ، اَقالیم، وسیلہ، طالوتیہ، قصبیہ، سلمانیہ، ناطقہ، دامغہ اور فاصحہ کا مطالعہ کرے، بلکہ پوری نہج البلاغہ کا مطالعہ کرے۔ اس کے علاوہ اسماعیل بن مہران کی جمع کردہ کتاب خطب امیرالمومنین کا مطالعہ کرے۔

سیّد رضی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب کہا تھا:

"امیرالمومنین علی علیہ السلام فصاحت کا گھاٹ اور بلاغت کا منبع تھے اور آپ نے ہی فصاحت و بلاغت کو عروج بخشا تھا۔ آپ نے ہی فصاحت و بلاغت کے قوانین مقرر کیے تھے"۔

جاحظ کتاب الغرہ میں لکھتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت کے لیے اُن کے اس مکتوب کا مطالعہ کریں جو اُنھوں نے معاویہ کے نام لکھا تھا۔ مکتوب کے الفاظ یہ ہیں:

غرك عزك فصا رقصا و ذُلك ذُلك فاخش فاحش فعلك فعلك تهدا بهذا

آپ کے کلماتِ قصار میں ان مختصر سے جملوں کو دیکھیں:

مَن آمن آمِن "جو ایمان لایا اُسے امن ملا"۔

الدنیا تغر، تضر، تمر "دنیا دھوکا دیتی ہے، نقصان پہنچاتی ہے، چلی جاتی ہے"۔

اپنے سیاسی رقیبوں کے متعلق جامع تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

زرعوا الفجور وسقوہ الغرور وحصدوا الثبور

''اُنھوں نے فجور کاشت کیا، دھوکے کے پانی سے اس کی آبیاری کی اور ہلاکت کی فصل کاٹی''۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

جہاں تک فصاحت کا تعلق ہے تو آپؑ امام الفصحاء اور سید البلغاء تھے اور آپؑ کے کلام کے متعلق دنیا کے ادیبوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔

هُوَ دُوْنَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَفَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ

''وہ کلامِ خالق سے نیچے اور کلامِ مخلوق سے بلند و بالا ہے''۔

لوگوں نے خطابت اور کتابت کا انداز آپؑ سے ہی سیکھا ہے۔

عبدالحمید بن یحییٰ کا قول ہے کہ میں نے امیرالمومنینؑ کے ستر خطبات یاد کیے اور اُن کی برکت سے میں سب سے بڑا ادیب بن گیا۔

نباتہ کا قول ہے کہ میں نے خطابتِ علیؑ کے کچھ خطبات یاد کیے، جتنا انھیں خرچ کیا ان میں وسعت اور کثرت پیدا ہوئی۔ میں نے مواعظِ علیؑ کی ایک سو فصول یاد کی ہیں۔

محقن بن ابی محقن معاویہ کے پاس گیا تو اُس نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟

اُس نے خوشامد کرتے ہوئے کہا: میں عاجز ترین شخص کے ہاں سے تیرے پاس آیا ہوں۔

معاویہ نے کہا: تجھ پر افسوس، خدا کی قسم! قریش کے لیے فصاحت کی بنیاد ہی علیؑ نے رکھی ہے۔

حضرتؑ کا فصاحت میں کوئی ثانی نہیں اور بلاغت میں کوئی آپؑ کا مثیل نہیں ہے۔

آپؑ کے خطبات کا دسواں حصہ بھی صحابہ کے لیے مدوّن نہیں کیا گیا۔

ابوعثمان جاحظ نامور ادیب اور نقاد تھے۔ اُنھوں نے اپنی کتاب ''البیان والتبیین'' میں آپؑ کی فصاحت و بلاغت پر جامع بحث کی ہے۔

اس خطبہ میں چمگادڑ کی عجیب و غریب خلقت کا ذکر فرمایا ہے:

"تمام حمد اُس اللہ کے لیے ہے جس کی معرفت کی حقیقت ظاہر کرنے سے اوصاف عاجز ہیں اور اُس کی عظمت و بلندی نے عقلوں کو روک دیا ہے جس سے وہ اُس کی سرحد فرمانروائی تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پاتیں۔ وہ اللہ اقتدار کا مالک ہے اور (سراپا) حق اور (حق) کا ظاہر کرنے والا ہے۔ وہ ان چیزوں سے بھی زیادہ (اپنے مقام پر) ثابت و آشکارا ہے کہ جنھیں آنکھیں دیکھتی ہیں، عقلیں اُس کی حد بندی کر کے اس تک نہیں پہنچ سکتیں کہ وہ دوسروں سے مشابہ ہو جائے اور نہ ہم اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کسی چیز کے مانند ہو جائے۔ اُس نے بغیر نمونہ و مثال کے اور بغیر کسی مشیر کار کے مشورہ کے اور بغیر کسی معاون کی امداد کے مخلوقات کو پیدا کیا۔ اُس کے حکم سے مخلوق اپنے کمال کو پہنچ گئی اور اُس کی اطاعت کے لیے جھک گئی اور بلا توقف لبیک کہی اور بغیر کسی نزاع و مزاحمت کے اُس کی مطیع ہو گئی۔ اس کی صنعت کی لطافتوں اور خلقت کی عجیب و غریب کارفرمائیوں میں کیا کیا گہری حکمتیں ہیں کہ جو اُس نے ہمیں چمگادڑوں کے اندر دکھائی دی ہیں کہ جن کی آنکھوں کو (دن کا) اُجالا سکیڑ دیتا ہے۔ حالانکہ وہ تمام آنکھوں میں روشنی پھیلانے والا ہے اور اندھیرا اُن کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر زندہ شے کی آنکھوں پر انقلاب ڈالنے والا ہے اور کیونکہ چمکتے ہوئے سورج میں ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں کہ وہ اُس کی نور پاش شعاعوں سے مدد لے کر اپنے راستوں پر آجا سکیں اور نور آفتاب کے پھیلاؤ میں اپنی جانی پہچانی ہوئی چیزوں تک پہنچ سکیں۔ اُس نے تو اپنی ضو پاشیوں کی تابش سے انھیں نور کی تجلیوں میں بڑھنے سے روک دیا ہے اور اُن کے پوشیدہ ٹھکانوں میں انھیں چھپا دیا ہے کہ وہ اُس کی روشنی کے اُجالوں میں آسکیں۔ دن کے وقت تو

وہ اس طرح ہوتی ہیں کہ اُن کی پلکیں جھلک کر آنکھوں پر لٹک آتی ہیں اور تاریکی شب کو اپنا چراغ بنا کر رزق کے ڈھونڈنے میں اس سے مدد لیتی ہیں۔ رات کی تاریکیاں اُن کی آنکھوں کو دیکھنے سے نہیں روکتیں اور نہ اُس کی گھٹاٹوپ اندھیاریاں راہ پیمائیوں سے باز رکھتی ہیں۔ مگر جب آفتاب اپنے چہرے سے نقاب ہٹاتا ہے اور دن کے اُجالے اُبھر آتے ہیں اور سورج کی کرنیں سوسمار کے سوراخ کے اندر تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ اپنی پلکوں کو آنکھوں پر جھکا لیتی ہیں اور رات کی تاریکیوں میں جو معاش حاصل کی ہے اسی پر اپنا وقت پورا کر لیتی ہے۔ سبحان اللہ کہ جس نے رات ان کے کسب معاش کے لیے اور دن آرام و سکون کے لیے بنایا ہے اور ان کے گوشت ہی سے ان کے پَر بنائے ہیں اور جب اُڑنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انھی پَروں سے اُونچی ہوتی ہیں گویا کہ وہ کانوں کی لویں ہیں کہ نہ ان میں پَر و بال ہیں اور نہ کریاں، مگر تم اُن کی رگوں کی جگہ کو دیکھو گے کہ اس کے نشان ظاہر ہیں اور اس میں دو پَر سے لگے ہوئے ہیں کہ جو نہ اتنے باریک ہیں کہ پھٹ جائیں اور نہ اتنے موٹے ہیں کہ بوجھل ہو جائیں (کہ اُڑا نہ جا سکے)۔ وہ اڑتی ہیں تو بچے اُن سے چمٹے پڑتے ہیں اور جب وہ نیچے کی طرف جھکتی ہیں تو بچے بھی جھک پڑتے ہیں اور جب وہ اُونچی ہوتی ہیں تو بچے بھی اُونچے ہو جاتے ہیں اور اُس وقت تک الگ نہیں ہوتے جب تک اُن کے اعضاء میں مضبوطی نہ آ جائے اور بلند ہونے کے لیے اُن کے پَر (ان کا بوجھ) اُٹھانے کے قابل نہ ہو جائیں۔ وہ اپنی زندگیوں کی راہوں پر اپنی مصلحتوں کو پہچانتے ہیں۔ پاک ہے وہ خدا کہ جس نے بغیر کسی نمونہ کے جو اس سے پہلے کسی نے بنایا ہو ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے"۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام کی خطابت کے جوہر کا مشاہدہ کرنے کے لیے حضرت کے اس خطبہ کا بھی ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اس خطبہ میں مور کی عجیب و غریب خلقت اور جنت کے دلفریب مناظر پر بحث کی گئی ہے۔

”قدرت نے ہر قسم کی مخلوق کو، وہ جان دار ہو یا بے جان، ساکن ہو یا متحرک، عجیب و غریب آفرینش کا جامہ پہنا کر ایجاد کیا ہے اور اپنی لطیف صنعت اور عظیم قدرت پر ایسی واضح نشانیاں شاہد بنا کر قائم کی ہیں کہ جن کے سامنے عقلیں اس کی ہستی کا اعتراف اور اُس کی (فرمانبرداری) کا اقرار کرتے ہوئے سرِ اطاعت خم کر چکی ہیں اور اُس کی یکتائی پر یہی عقل کی تسلیم کی ہوئی اور (اُس کی خالق بے مثال ہونے پر) مختلف شکل و صورت کے پرندوں کی آفرینش سے اُبھری ہوئی دلیلیں ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ وہ پرندے جن کو اُس نے زمین کے گڑھوں، اور دروں کے شگافوں اور مضبوط پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسایا ہے۔ جو مختلف طرح کے پَر و بال اور جداگانہ شکل و صورت والے ہیں۔ جنھیں تسلط (الٰہی) کی باگ ڈور میں گھمایا پھرایا جاتا ہے اور جو کشادہ ہوا کی وسعتوں اور کھلی فضاؤں میں پَروں کو پھڑپھڑاتے ہیں۔ انھیں جبکہ یہ موجود نہ تھے عجیب و غریب ظاہری صورتوں سے (آراستہ کر کے) پیدا کیا اور (گوشت و پوست میں) ڈھکے ہوئے جوڑوں کے سروں سے ان کے (جسموں کی) ساخت قائم کی۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جنھیں ان کے جسموں کے بوجھل ہونے کی وجہ سے فضا میں بلند ہو کر تیز پروازی سے روک دیا ہے اور انھیں ایسا بنایا ہے کہ وہ زمین سے کچھ تھوڑے ہی اُونچے ہو کر پرواز کر سکیں۔ اُس نے اپنی لطیف قدرت اور باریک صنعت سے ان قسم قسم کے پرندوں کو (مختلف) رنگوں سے ترتیب دیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک ہی رنگ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے

ہیں۔ یوں کہ جس رنگ کی ان میں آمیزش نہیں کی گئی اور بعض اس طرح رنگ میں ڈبوئے گئے ہیں کہ جس رنگ کا طوق انھیں پہنا دیا گیا ہے وہ اس رنگ سے نہیں ملتا جس سے خود رنگین ہیں۔ ان سب پرندوں سے زائد عجیب الخلقت مور ہے کہ (اللہ نے) جس کے (اعضاء کو) موزونیت کے محکم ترین سانچے میں ڈھالا ہے اور اس کے رنگوں کو ایک حسین ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ یہ (حسن وتوازن) ایسے پروں سے ہے کہ جن کی جڑوں کو (ایک دوسرے سے) جوڑ دیا ہے۔ جب وہ اپنی مادہ کی طرف بڑھتا ہے تو اپنی لپٹی ہوئی دُم کو پھیلا دیتا ہے اور اُسے اس طرح اُونچا لے جاتا ہے کہ وہ اس کے سر پر سایہ فگن ہو کر پھیل جاتی ہے۔ گویا وہ (مقام) دارین کی اس کشتی کا بادبان ہے جسے اس کا ملاح اِدھر اُدھر موڑ رہا ہے۔ وہ اُس کے رنگوں پر اِتراتا ہے اور اس کی جنبشوں کے ساتھ جھومنے لگتا ہے اور مرغوں کی طرح جفتی کھاتا ہے اور (اپنی مادہ کو) حاملہ کرنے کے لیے جوش و ہیجان میں بھرے ہوئے نروں کی طرح جوڑ کھاتا ہے۔ میں اس (بیان) کے لیے مشاہدہ کو تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اُس شخص کی طرح نہیں کہتا جو کسی کمزور سند کا حوالہ دے رہا ہو۔ گمان کرنے والوں کا یہ صرف وہم و گمان ہے کہ وہ اپنے گوشہ ہائے چشم کے بہائے ہوئے اس آنسو سے اپنی مادہ کو انڈوں پر لاتا ہے کہ جو اُس کی پلکوں کے دونوں کناروں میں آ کر ٹھہر جاتا ہے اور مورنی اُسے پی لیتی ہے اور پھر وہ انڈے دینے لگتی ہے اور اس پھوٹ کر نکلنے والے آنسو کے علاوہ یوں نر اُس سے جفتی نہیں کھاتا۔ اگر ایسا ہو تو بھی (ان کے خیال کے مطابق) کوے کی اپنی مادہ کو (پوٹے سے دانا پانی) بھر کر انڈوں پر لانے سے زیادہ تعجب چیز نہیں ہے (تم اگر بغور دیکھو گے) تو اس کے پروں کی درمیانی تیلیوں کو چاندی کی سلائیاں تصور کرو گے اور ان پر جو

عجیب وغریب ہالے بنے ہوئے ہیں اور سورج (کی شعاعوں) کے مانند (جو پر و بال) اُگے ہوئے ہیں انھیں زردی میں خالص سونا اور (سبزی میں) زمرد کے ٹکڑے خیال کرو گے۔ اگر تم اسے زمین کی اُگائی ہوئی چیزوں سے تشبیہ دو گے تو یہ کہو گے کہ وہ ہر موسم بہار کے چنے ہوئے شگوفوں کا گلدستہ ہے اور اگر کپڑوں سے تشبیہ دو گے تو وہ منقش حلوں یا خوش نما یمنی چادروں کے مانند ہیں اور اگر زیورات سے تشبیہ دو گے تو وہ رنگ برنگ کے اُن نگینوں کی طرح ہے جو مرصع بجواہر چاندی میں دائروں کی صورت میں پھیلا دیئے گئے ہوں اور اس طرح چلتا ہے جس طرح کوئی ہشاش بشاش اور متکبر محوِ خرام ہوتا ہے، اور اپنی دُم اور پَر و بال کو غور سے دیکھتا ہے تو اپنے پیراہن کے حُسن و جمال اور اپنے گول بند کی رنگتوں کی وجہ سے قہقہہ لگا کر ہنستا ہے مگر جب اپنے پیروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس طرح اُونچی آواز سے روتا ہے کہ گویا اپنی فریاد کو ظاہر کر رہا ہے اور اپنے سچے درد (دل) کی گواہی دے رہا ہے۔ کیونکہ اس کے پیر خاکستری رنگ کے دوغلے مرغوں کے پیروں کی طرح باریک اور پتلے ہوتے ہیں اور اس کی پنڈلی کے کنارے پر ایک باریک سا کانٹا نمایاں ہوتا ہے اور اس کی (گردن پر) ایال کی جگہ سبز رنگ کے منقش پَروں کا گچھا ہوتا ہے اور گردن کا پھیلاؤ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے صراحی (کی گردن) اور اس کے گڑنے کی جگہ سے لے کر وہاں تک کا حصّہ کہ جہاں اس کا پیٹ ہے یمنی وسمہ کے رنگ کی طرح (گہرا سبز) ہے یا اس ریشم کی طرح ہے جو صیقل کیے ہوئے آئینہ پر پہنا دیا گیا ہو۔ گویا کہ وہ سیاہ رنگ کی اُوڑھنی میں لپٹا ہوا ہے لیکن اس کی آب و تاب کی فراوانی اور چمک دمک کی بہتات سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ اس میں تر و تازہ سبزی کی (الگ سے) آمیزش کر دی گئی ہے اور اس کے کانوں کے شگاف سے

ملی ہوئی بابونہ کے پھولوں جیسی ایک سفید چمکیلی لکیر ہوتی ہے جو قلم کی باریک نوک کے مانند ہے۔ وہ (لکیر) اپنی سفیدی کے ساتھ اس جگہ کی سیاہیوں میں جگمگاتی ہے۔ کم ہی ایسے رنگ ہوں گے جس نے سفید دھاری کا کچھ حصّہ نہ لیا ہو اور وہ ان میں رنگوں پر اپنی آب و تاب کی زیادتی اپنے پیکر ریشمیں کی چمک دمک اور زیبائش کی وجہ سے چھائی ہوئی ہے۔ وہ ان بکھری ہوئی کلیوں کے مانند ہے کہ جنھیں نہ فصلِ بہار کی بارشوں نے پروان چڑھایا ہو اور نہ گرمیوں کے سورج نے پرورش کیا ہو، وہ کبھی اپنے پَر و بال سے برہنہ اور اپنے رنگین لباس سے عریاں ہو جاتا ہے۔ اُس کے بال و پَر لگاتار جھڑتے ہیں اور پھر پے در پے اُگنے لگتے ہیں۔ وہ اس کے بازوؤں سے اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح ٹہنیوں سے پتے۔ یہاں تک کہ جھڑنے سے پہلے جو شکل و صورت تھی اُس کی طرف پلٹ آتا ہے اور اپنے پہلے رنگوں سے سرمو اِدھر سے اُدھر نہیں ہوتا اور نہ کوئی رنگ اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اختیار کرتا ہے۔ جب اس کے پَروں کے ریشوں میں سے کسی ریشے کو تم غور سے دیکھو گے تو وہ تمھیں کبھی گلاب کے پھولوں جیسی سرخی اور کبھی زمرد جیسی سبزی اور کبھی سونے جیسی زردی کی (جھلکیاں) دکھائے گا۔ (غور تو کرو کہ) ایک ایسی مخلوق اس کی صفتوں تک فکر کی گہرائیاں کیوں کر پہنچ سکتی ہیں یا عقلوں کی طبع آزمائیاں کس طرح وہاں تک رسائی پا سکتی ہیں، یا بیان کرنے والوں کے کلمات کیوں اس کے وصفوں کو ترتیب دے سکتے ہیں کہ جس کے چھوٹے سے چھوٹے جز نے واہموں کو سمجھنے سے عاجز اور زبانوں کو بیان کرنے سے درماندہ کر دیا ہو، تو پاک ہے وہ ذات کہ جس نے ایک ایسی مخلوق کی حالت بیان کرنے سے بھی عقلوں کو مغلوب کر رکھا ہے کہ جسے آنکھوں کے سامنے نمایاں کر دیا تھا اور ان آنکھوں نے اس کو

ایک حد میں گھرا ہوا اور (اجزاء) سے مرکب اور (مختلف رنگوں سے) رنگین صورت میں دیکھ بھی لیا اور جس نے زبانوں کو اس (مخلوق) کے وصفوں کا خلاصہ کرنے سے عاجز اور اس کی صفتوں کے بیان کرنے سے درماندہ کردیا ہے۔ اور پاک ہے وہ خدا کہ جس نے چیونٹی اور مچھر سے لے کر ان سے بڑی مخلوق مچھلیوں اور ہاتھیوں تک کے پیروں کو مضبوط و مستحکم کیا ہے اور اپنی ذات پر لازم کرلیا ہے کہ کوئی پیکر کہ جس میں اُس نے روح داخل کی ہے جنبش نہیں کھائے گا۔ مگر یہ کہ موت کو اس کی وعدہ گاہ اور فنا کو اس کی حدِ آخر قرار دے گا۔

اس خطبہ کا یہ حصہ جنت کے بیان میں ہے۔ اگر تم دیدۂ دل سے جنت کی ان کیفیتوں پر نظر کرو جو تم سے بیان کی جاتی ہیں تو تمھارا نفس دنیا میں پیش کی ہوئی عمدہ سے عمدہ خواہشوں اور لذتوں اور اس کے مناظر کی زیبائشوں سے نفرت کرنے لگے گا اور وہ ان درختوں کے پتوں کے کھڑکھڑانے کی آوازوں میں کہ جن کی جڑیں جنت کی نہروں کے کناروں پر مشک کے ٹیلوں میں ڈوبی ہوئی ہیں کھو جائے گا اور ان کی بڑی اور چھوٹی ٹہنیوں میں تر و تازہ موتیوں کے گچھوں کے لٹکنے اور سبز پتیوں کے غلافوں میں مختلف قسم کے پھلوں کے لٹکنے کے (نظاروں) میں محو ہوجائے گا۔ ایسے پھل کہ جو بغیر کسی زحمت کے چنے جاسکتے ہیں اور چننے والے کی خواہش کے مطابق آگے بڑھ آتے ہیں۔ وہاں کے بلند ایوانوں کے صحنوں میں اُترنے والے مہمانوں کے گرد پاک و صاف شہد اور صاف ستھری شراب (کے جام) گردش میں لائے جائیں گے اور ایسے لوگ ہیں کہ اللہ کی بخشش و عنایت ہمیشہ اُن کے شاملِ حال رہی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جائے قیام میں اُتر پڑے اور سفروں کی نقل و حرکت سے آسودہ ہوگئے۔ اے سننے والے اگر تو ان دلکش مناظر تک پہنچنے کے لیے

اپنے نفس کو متوجہ کرے جو تیری طرف ایک دم آنے والے ہیں تو اس کے اشتیاق میں تیری جان ہی نکل جائے گی اور اسے جلد سے جلد پالینے کے لیے میری اس مجلس سے اُٹھ کر قبروں میں رہنے والوں کی ہمسائیگی اختیار کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ اپنی رحمت سے ہمیں اور تمھیں ان لوگوں میں سے قرار دے کر جو نیک بندوں کی منزل تک پہنچنے کی (سرتوڑ) کوشش کرتے ہیں۔

سیّد رضی اس خطبہ کے بعض مشکل الفاظ کی توضیح وتشریح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ آپ کے ارشاد ویؤر یملا قَحِطِ میں لفظ ازّ سے مباشرت کی طرف کنایہ ہے۔ یوں کہا جاتا ہے کہ ار المرأة یورها، یعنی اُس نے عورت سے مباشرت کی اور آپ کے اس ارشاد کانه قلع داری عنجه نوتیُہُ میں قلع کے معنی کشتی کے بادبان کے ہیں اور لفظ داری، دارین کی طرف منسوب ہے اور دارین سمندر کے کنارے ایک شہر کا نام ہے کہ جہاں سے خوشبودار چیزیں لائی جاتی ہیں اور عنجا کے معنی ہیں اس کو موڑا اور استعمال یوں ہوتا ہے عنجت الناقة ﴿عنجت بروزن نصرت﴾ یعنی میں نے اُونٹنی کے رُخ کو موڑا اور اعنجها عنجا اس وقت کہو گے کہ جب تم اس کے رُخ کو موڑو گے اور نوتی کے معنی ملاح کے ہیں اور آپ کے ارشاد صفقی جفرنه سے مراد مور کی پلکوں کے دونوں کنارے ہیں اور یوں ضنفتان کے معنی دو کناروں کے ہوتے ہیں اور آپ کے قول فلذ الزبرجد میں فلذ فلذة کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور آپ کے قول کَبَائِسِ اللؤلؤ الرطب میں کبائس کبائسه کی جمع ہے جس کے معنی کھجور کے خوشے کے ہیں اور عسالیج عسلوج کی جمع ہے جس کے معنی ٹہنی کے ہیں"۔

علی علیہ السلام کے دو حیرت انگیز خطبات

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام دنیائے ادب و خطابت کے شاہسوار تھے۔ ایک مرتبہ یہ گفتگو چلی کہ عربی زبان میں لفظ "الف" زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: یہ ضروری نہیں ہے۔

حاضرین نے عرض کیا: بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟

آپؑ نے فی البدیہہ یہ خطبہ دیا۔ پورے خطبہ میں کہیں بھی لفظ "الف" استعمال نہیں ہوا اور کمال یہ ہے کہ مفہوم کی ادائیگی میں کہیں کوتاہی دکھائی نہیں دیتی۔ آپؑ کے اس خطبہ کو "خطبہ مونقہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اس خطبہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

خطبہ مونقہ

یہ خطبہ مناقب میں مرقوم ہے اور اس کے سلسلۂ سند کو یوں بیان کیا گیا ہے: کلبی نے ابوصالح اور ابوجعفر ابن بابویہ سے نقل کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنی اسناد سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ بزمِ صحابہ میں یہ ذکر چھڑا کہ عربی زبان میں حرف "الف" زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: "الف" کا استعمال ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے فی البدیہہ یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

حمدت من عظمت منته وسبغت نعمته وسبقت رحمته غضبه وتمت كلمته ونفذت مشيته وبلغت قضيته حمدته حمد مقر بربوبيته يومر يشغل عن خصيلته وبنيه ونسعتينه ونسترشده ونستهديه ونؤمن به ونتوكل عليه وشهدت له شهود مخلص موقن وفردته تفريد مؤمن متيقن ووحدته توحيد عبد مذعن ليس له شريك فی ملكه ولم يكن له ولی فی صنعه جل عن مشير و

وزیر وعن عون ومعین ونصیر ونظیر علم فستر وبطن فخبر
وملك فقهر وعصی فغفر وحكم فعدل لم یزل ولن یزول لیس
كمثله شیٔ وهو بعد كل شیٔ رب متعزز بعزته متمكن بقوته
متقدس بعلوه متكبر بسموه لیس یدركه بصر ولم یحط به نظر
قوی منیع بصیر سمیع رؤف رحیم عجز عن وصفه من یصفه
وضل عن نعته من یعرفه قرب فبعد وبعد فقرب یجیب دعوته
من یدعوه ویرزقه ویحبوه ذولطف خفی وبطش قوی ورحمة
موسعة وعقوبة موجعة رحمته جنة عریضة مونقة وعقوبته
جحیم ممدودة بعثه فی خیر عصر وحین فترة وكفر رحمة لعبیده
ومنة لمزیده ختم به نبوته وشیّد به وبركة وتكریم من رب
غفور رحیم قریب مجیب وصیتكم معشر من حضرنی بوصیة ربكم
وذكرتكم بسنة نبیكم فعلیكم برهبة تسكین قلوبكم وخشیة
تذری دموعكم وتقیة تنجیكم قبل یوم یبلكم ویذهلكم یوم
یفوز فیه من ثقل وزن حسنته وخف وزن سیئته ولتكن
سئلتكم وتملقكم سئلة ذل و خضوع وشكر وخشوع بتوبة ونزوع
وندم ورجوع ویسغتنم كل مغتنم منكم صحته قبل سقمه
وشیته قبل هرمه وسعته قبل فقره وفرغته قبل شغله وحضره
قبل سفره قبل تكبر وتهرم وتسقم یمله طبیبه ویعرض عنه
حبیبه ویقطع عمره ویتغیر عقله - ثم قبل هو موعوك وجسمه
منهوك ثم جد فی نزع شدید وحضره كل قریب وبعید فشخص
بصره وطمح نظره ورشح جبینه وعطف عرینه وسكن حنینه
وحزنته نفسه وبكته عرسه وحفر رمسه ویتم منه ولده وتفرق
منه عدده وقسم جمعه وذهب بصره وسمعه ومُدِّد وجرِّد وعدی

وغسّل ونشف ضجي وبسط له وهُيّئ ونشر عليه كفنه وشد منه
ذقنه وقمّص وعمّم وودع وسُلّم وحمل فوق سرير وصلى عليه
بتكبير ونقل من دور مزخرفة وقصور مشيدة وحجر منجدة
وجعل في ضريح ملحود وضيق مرصود ببلن منضود مسقف
بجلمود وهيل عليه حفره وحثي عليه قدره وتحقق حضره ونسي
خبره ورجع عنه وليه وصفيه ونديمه ونسيبه وبتدل به قرينه
وحبيبه فهو حشو قبر ورهين قفر يسعى بجسمه دود قبره
ويسيل صديده من منخره يسحق برمته لحمه وينشف دمه
ويرم عظمه حتّى يوم حشره فنشر من قبره حين ينفخ في صور
ويدعى بحشر ونشور فثم بعثرت قبور احصلت سريرة صدور
وجيء بكل نبي وصديق وشهيد وتوحد للفصل قدير بعبده
خبير بصير، فكم من زفرة تضنيه وحسرة تنضيه في موقف مهول
ومشهد جليل بين يدي ملك عظيم وبكل صغير وكبير عليم
فحينئذ يلجمه عرقه ويحصره قلقه عبرته غير مرحومة
وصرخته غير مسموعة وحجته غير مقبولة زاول جريدته ونشر
صحيفته نظر في سؤ عمله وشهدت عليه عينه بنظره ويده ببطشه
ورجله بخطوه وفرجه بلمسه وجلده بمسه فسلسل جيده وغلت
يده وسيق فسحب وحده فورد جهنم بكرب وشدة فظل يعذب في
جحيم ويسقى شربة من حميم تشوي وجهه وتسلخ جلده
وتضربه زبنيته بمقمع من حديد ويعود جلده بعد لفنجه كجلد
جديد يستغيث فتعرض عنه خزنته جهنم ويستصرخ فيلبث
حقبه فيندم، نعوذ برب قدير من شر كل مصير۔
ونسئله عفو من رضي عنه مغفرة من قبله فهو ولي مسئلتي

ومنجح طلبتي فمن زحزح عن تعذيب ربه جعل في جنته بعزته وخلد في قصور مشيدة وملك بحور عين وحفدة وطيف عليه بكوؤس وسكن خطيرة القدس وتقلب في نعيم وسقي من تسنيم وشرب من عين سلسبيل ومزج له بزنجبيل مكتم بمسك وعبير مستديم للملك مستشعر للسرور يشرب من خمور في روض مغدق ليس يصدع من شرب وليس ينزف هذه منزلة من خشي ربه وحذر نفسه معصيته فهو قول فصل وحكم عدل وخير قصص قص ووعظ نص تنزيل من حكيم حميد نزل به روح قدس مبين على قلب بن مهتدر رشيد صلت عليه رسل سفرة مكرمون بررة عذت برب عليم رحيم كريم من شر كل عدو لعين رجيم فليتضرع متضرعكم ويبتهل مبتهلكم ويستغفر كل مرجوب منكم لي ولكم وحسبي ربي وحده

"میں اُس ذات کی حمد بجالاتا ہوں جس کے احسانات عظیم ہیں اور نعمات کامل ہیں۔ جس کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے اور جس کے کلمات کامل ہیں اور اُس کی مشیت جاری ہے اور اُس کا فیصلہ نافذ ہے۔

میں اُس ذات کی اُس شخص کی سی حمد بجالاتا ہوں، جو اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے والا ہے۔ اس کی عبودیت کے سامنے خاضع ہے۔ اپنی خطاؤں سے بھاگنے والا ہے اور اپنی تنہائی میں متفرد ہے اور اُس سے اسکی مغفرت کا طالب ہے جو کہ اُسے اس دن نجات دلائے جب وہ اپنے خاندان اور اولاد کا ہوش نہیں ہوگا۔

میں اُس کی توحید کا اس طرح سے اقرار کرتا ہوں جیسا کہ کوئی یقین رکھنے والا مومن اقرار کرتا ہے۔ میں اُس کی توحید کا یقین رکھنے والے بندے کے مانند اعتراف کرتا ہوں۔ اُس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں ہے اور

اُس کی صفت میں اُس کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔ وہ کسی بھی مشیر اور وزیر سے بلند وبالا ہے اور وہ ہر طرح کے ناصر، مددگار اور نظیر سے بلند وبرتر ہے۔ وہ جانتا ہے پھر بھی پردہ پوشی کرتا ہے اور وہ باطن کی خبر دیتا ہے۔ وہ مالک ہے اور غالب ہے۔ اُس کی نافرمانی کی گئی تو اُس نے معاف کیا اور فیصلہ کیا تو عدل کو قائم رکھا۔ وہ اَزل سے ہے اور اَبد تک رہے گا۔ کوئی چیز اُس کے مانند نہیں ہے۔ تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی وہ اُن کے بعد میں بھی باقی رہے گا۔

وہ ایسا رب ہے جسے اپنی عزت پر فخر ہے اور اپنی قوت سے متمکن ہے، اپنی بلندی کا مقدس ہے اور اپنی بلندی میں متکبر ہے۔ اس کی آنکھ اِدراک نہیں کرسکتی اور نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ وہ قوی اور مضبوط ہے۔ وہ سمیع وبصیر اور رؤوف و رحیم ہے۔ اُس کی وصف کرنے والا اُس کی وصف کرنے سے عاجز ہے اُس کی معرفت رکھنے والا اُس کے بیان سے قاصر ہے۔ وہ قریب بھی ہے اور بعید بھی ہے اور بعید ہو کر بھی قریب ہے۔ پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہتا ہے اور اُسے رزق سے نوازتا ہے اور اس پر عطیات کرتا ہے۔ وہ لطفِ خفی اور قوی کا مالک ہے۔ وہ وسیع رحمت اور دردناک عقوبت کا مالک ہے۔ اُس کی رحمت وسیع وعریض اور حسین جنت کی شکل میں ہے اور اُس کی عقوبت دوزخ ہے، جو کہ ہلاک کنندہ ہے۔

میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی گواہی دیتا ہوں جو کہ اُس کے عبد اور اُس کے رسولؐ ہیں، اُس کے پسندیدہ نبی ہیں اور اُس سے کلام کرنے والے ہیں اور اُس کے حبیب اور خلیل ہیں۔ خدا نے اُنھیں بہترین دَور میں مبعوث کیا۔ وہ دورِ فترت تھا اور اُس وقت کفر پھیلا ہوا تھا۔ خدا نے آپؐ کو اس لیے مبعوث کیا کہ اپنے بندوں پر رحمت نازل فرمائے اور

اپنے احسانات میں اضافہ فرمائے۔ خدا نے آپؐ پر نبوت کا اختتام کیا اور اپنی حجت کو مضبوط کیا۔ آپؐ نے کامل و اکمل انداز میں وعظ و نصیحت فرمائی۔ آپؐ ہر مومن کے لیے رؤوف و رحیم ہیں۔ آپؐ خدا کے پسندیدہ دوست اور پاکیزہ فطرت ہیں۔ آپؐ پر رحمتیں ہوں، سلام ہوں اور برکتیں ہوں اور تکریم ہو اُس رب کی طرف سے جو کہ غفور و رحیم اور قریب و مجیب ہے۔

اے میری اس محفل میں موجود گروہ! میں تمہارے سامنے تمہارے رب کی وصیت کو دُہراتا ہوں اور تمہیں تمہارے نبیؐ کی سنت کی یاد دہانی کراتا ہوں۔ تمہیں اپنے اندر ایسا خوف پیدا کرنا چاہیے جو تمہارے دلوں میں رچ بس جائے اور اُس خوف کی وجہ سے تمہارے آنسو بہنے لگیں۔ میں تمہیں ایسے تقویٰ کی دعوت دیتا ہوں جو تمہیں اُس دن سے نجات دلائے، جو لوگوں کی آزمائش ہوگی اور انھیں ہر چیز کا ہوش بھلا دے گی۔

اور قیامت کا دن وہ دن ہے جس میں وہ شخص کامیاب قرار پائے گا، جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری اور برائیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔ تم پورے خشوع و خضوع اور مسکنت و شکر کے ساتھ اُس سے سوال کرو۔ تمہارے سوال میں توبہ و انابت، ندامت و رجوع شامل ہونا چاہیے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ بیماری سے قبل صحت مندی اور بڑھاپے سے قبل جوانی اور غربت سے پہلے مالداری اور مصروفیت سے قبل فارغ البالی کو غنیمت جانے۔ اسی طرح سے سفر سے پہلے حضر کو اور بڑھاپے اور بیماریوں سے قبل جوانی اور تندرستی کو غنیمت جانے۔

وہ وقت آنے والا ہے جب طبیب مایوس ہوجائے گا اور دوست منہ پھیر لیں گے اور عمر کی رسی کٹ جائے گی اور عقل ٹھکانے نہیں رہے گی۔ پھر کہا جائے گا کہ اُسے شدید بخار ہے اور اس کا جسم کمزور ہو چکا ہے۔ پھر نزع

کا عالم طاری ہوگا۔ اس وقت ہر قریب و بعید موجود ہوگا۔ نگاہ پتھرا جائے گی اور نظر ٹھہر جائے گی اور ماتھے پر پسینہ آئے گا۔ اس وقت اس کی چیخ و پکار رُک جائے گی اور اس کا نفس غمگین ہوگا اور دلہن رونے لگ جائے گی اور اُس کی تدفین کے لیے قبر کھودی جائے گی، اولاد یتیم ہوجائے گی اور تعداد منتشر ہوجائے گی اور اس کا جمع کردہ مال تقسیم کردیا جائے گا اور اُس کی سماعت و بصارت زائل ہوجائے گی۔ پھر اُسے غسل کے لیے لکڑی کے تختہ پر لٹا دیا جائے گا اور کپڑے اُتار لیے جائیں گے اور غسلِ میت دیا جائے گا۔ غسل کے بعد اُس کے جسم کو کپڑے سے خشک کیا جائے گا اور اُسے کفن میں لپیٹ دیا جائے گا اور اُس کی ٹھوڑی باندھ دی جائے گی اور قمیص اور عمامہ اُتارا جائے گا، اُس کو الوداع کہا جائے گا اور اُسے آخری سلام کہا جائے گا اور چارپائی پر اُٹھا کر اُسے گھر سے باہر لایا جائے گا اور اُس پر نمازِ میت پڑھی جائے گی۔ خوب صورت مکانات اور پختہ محلات اور قرینے سے رکھے ہوئے پتھروں کے مکان سے اُسے نکال کر تنگ و تاریک لحد کے سپرد کیا جائے گا۔ جہاں اینٹیں لگی ہوں گی، جس کی چھت کسی مضبوط پتھر کی ہوگی اور اس پر مٹی ڈال دی جائے گی اور وہ خدا کے حضور پیش ہوگا اور لوگ اُس کی خبر تک کو فراموش کردیں گے۔ پھر اُسے قبر میں تنہا چھوڑ کر اُس کے تمام دوست احباب رشتہ دار واپس اپنے گھروں کو چل پڑیں گے اور اُس کے متبادل اپنے نئے دوست اور احباب بنالیں گے جب کہ مرنے والا قبر میں تنہا پڑا ہوگا اور ویرانیوں کو گلے لگائے ہوئے ہوگا اور قبر کے کیڑے اُس کے جسم پر دوڑ رہے ہوں گے اور اُس کے نتھنوں سے خون اور پیپ جاری ہوگا۔ کیڑے مکوڑے اُس کے گوشت کو کھا رہے ہوں گے۔ اُس کا خون خشک ہوجائے گا اور ہڈیوں کا پنجر پڑا ہوگا اور یہ حالت قیامت تک برقرار رہے گی۔ پھر جب

صُور پھونکا جائے گا تو اُسے قبر سے اُٹھایا جائے گا اور اُسے محشر کے لیے بلایا جائے گا۔ قبریں پھٹ جائیں گی اور سینوں میں چھپے ہوئے بھید آشکارا ہوں گے۔ اس وقت نبی، صدیق اور گواہوں کو لایا جائے گا اور فیصلہ کرنے والا قادرِ مطلق ہوگا۔ خبیر و بصیر خدا بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اُس وقت وہ کتنی ٹھنڈی سانسیں لے گا جو اُسے کمزور کردیں گی اور اُس کی حسرتیں اسے ہلکان کر رہی ہوں گی۔ وہ انتہائی خوفناک مقام ہوگا اور بہت بڑی پیشی ہوگی۔ یہ پیشی عظیم بادشاہ کے حضور ہوگی، جو ہر چھوٹی بڑی بات سے آگاہ ہے۔ اس وقت وہ اپنے پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا اور قلق نے اُس کا محاصرہ کر رکھا ہوگا۔ اُس کے آنسوؤں پر رحم نہیں کیا جائے گا اور اُس کی چیخوں کو نہیں سنا جائے گا اور اس کے عذر بہانوں کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اُس کے سامنے اُس کا نامۂ اعمال کھول دیا جائے گا اور وہ اپنے بُرے اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔ اس کے خلاف اس کی آنکھیں غیر شرعی مناظر دیکھنے کی گواہی دیں گی اور اُس کے ساتھ اُس کی ناجائز پکڑ کی گواہی دیں گے اور اُس کے پاؤں حرام مقامات پر جانے کی گواہی دیں گے اور اُس کی شرم گاہ ملاست کی اور اُس کی جلد مَس ہونے کی گواہی دیں گی۔ پھر اُس کی گردن میں زنجیر ڈال دیے جائیں گے اور اُس کے ہاتھوں کو جکڑ دیا جائے گا اور اُسے تن تنہا کھینچا جائے گا اور وہ دوزخ میں کرب و شدت کے ساتھ داخل ہوگا اور وہاں اُسے عذاب دیا جائے گا۔ اُسے گرم ترین پانی پلایا جائے گا جس سے اُس کا چہرہ جھلس جائے گا اور اُس کی جلد پھٹ جائے گی اور دوزخ پر مامور فرشتے لوہے کے مرسلوں سے اُسے پیٹیں گے۔ اُس کی جلد جل جانے کے بعد دوبارہ پلٹ آئے گی۔ وہ مدد کے لیے پکارے گا۔ دوزخ کے خازن اُس سے منہ پھیر لیں گے۔ وہ چلائے گا، پھر وہ زندگی پر ندامت کا اظہار کرے گا۔

ہر بُرے انجام سے ہم ربِ قدیر کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس سے بخشش و مغفرت کا سوال کرتے ہیں۔ وہی میرے سوالات کا پورا کرنے والا ہے اور میری حاجات بَر لانے والا ہے۔ جسے عذاب سے بچایا جائے تو اُسے عزت کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا اور مضبوط محلات میں اُسے ہمیشہ رکھا جائے گا اور حورِ عین کا مالک ہوگا۔ اس کے گرد جام گردش کریں گے اور وہ حظیرۃ القدس میں رہائش پذیر ہوگا اور نعمات میں پلٹتا رہے گا اور اُسے تسنیم کا پانی پلایا جائے گا اور سلسبیل کے چشمہ سے اُس کی پیاس بجھائی جائے گی جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی اور اُس کے جام پر کستوری اور عنبر کی مُہر لگی ہوئی ہوگی۔ اُس کی ملکیت دائمی ہوگی۔ وہ خوشیوں کا اظہار کرے گا۔ وہ جنت میں ایسا شرابِ طہور پیے گا جس سے سر درد نہ ہوگا اور نہ ہی دیوانگی اُس پر چھا جائے گی۔ یہ اُس کا مقام ہے جس نے اپنے رب کا خوف کیا اور اپنے آپ کو خدا کی معصیت سے خبردار کیا۔ سزا کے حق دار وہ ہیں جنھوں نے اُس کی مشیت کا انکار کیا اور جن کے نفوس نے معصیت کو مزین کر کے پیش کیا۔ یہ قولِ فیصل ہے اور عادلانہ فیصلہ ہے اور بہترین بیان کیا گیا قصہ ہے اور وعظ کی گئی نص ہے۔ قرآن صاحبِ حکمت اور لائق حمد خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، جسے روح القدس لے کر نازل ہوا ہے۔

یہ قرآن ہدایت یافتہ نبیؐ کے دل پر اُترا ہے۔ اس پر عزت مند ملائکہ کا درود و سلام ہو۔ مَیں علیم و رحیم اور کریم رب کی ہر لعین و رجیم دشمن سے پناہ چاہتا ہوں۔ تم میں سے ہر تضرع کرنے والے کو اپنے لیے اور میرے لیے استغفار کرنا چاہیے۔ اللہ ہی میرے لیے کافی ہے"۔

غیر منقوط خطبہ

کتابوں میں منبر سلونی کے خطیب بے بدیل کا غیر منقوط خطبہ بھی منقول ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے پوری کتابیں غیر منقوط حروف سے لکھی ہیں، جس کی واضح مثال ہندوستان کے مغل اعظم بادشاہ محمد اکبر کے مشیر مُلّا فیضی کی تفسیر "سواطع الالہام" ہے۔

مُلّا فیضی نے اپنی تفسیر میں ایک بھی نقطے والا حرف نہیں آنے دیا، لیکن اس طرح کی کتابیں "آورد" پر مبنی ہیں اور گہرے سوچ بچار کا نتیجہ ہیں، جب کہ امیر المومنینؑ کے ہاں "آورد" کی بجائے "آمد" دکھائی دیتی ہے۔ آپؑ نے یہ خطبہ فی البدیہہ کہا تھا، اسی لیے اُسے دنیائے ادب کا معجزہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

آپ سے دو غیر منقوط خطبات منقول ہیں۔ ہم پہلا خطبہ نقل کرتے ہیں اور دوسرے خطبہ کی بطور نمونہ چند سطریں ہی پیش کریں گے۔

الحمدلله الملك المحمود المالك الودود مصور كل مولود ومآل كل مطرود ساطح المهاد وموطو الاطواد مرسل الامطار ومسهل الاوطار عالم الاسرار ومدركها ومدمر الاملاك ومهلكها ومكور الدهور ومكررها ومورد الامور ومصدرها عم سماحه وكمل وكامه وهمل وطاوع السوال والامل واوسع الرمل وارمل احمده حمدا ممدودا واوحده كما وحد الاواه وهو الله لااله للامم سواه ولا صادع لما عدله وسواه ارسل محمدا علما للاسلام واماما للحكام مسددا الرعاع ومعطل احكام ودوسواع اعلم وعلم وحكم واصل الاصول ومهد واكد الموعود واوعدا وصل الله له الاكرام واودع روحه السلام ورحم آله واهله الكرام ما لمع رائل وملع دال وطلع هلال وسمع اهلال اعملوا رعاكم الله اصلح الاعمال واسلكوا مسالك الحلال واطرحوا الحرام ودعوه واسمعوا امر الله

ودعوه وصلوا الارحام وراعوها وعاصوا الاهواء واردعوها
وصاهروا اهل الصلاح والورع وصارموا رهط اللهو والطمع
ومصاهركم اطهر الاحرار مولدا واسراهم سؤددا واحلاهم
موردا وهاهو امكم وحل حرمكم مملكا عروسكم المكرمه
وما مهر لها الا كما مهر رسول الله ام سلمه وهو اكرم صهر
اودع الاولاد وملك وما اراد وما سها مملكه ولا دهم ولا وكس
ملاحمه ولا وصم اسأل الله حكم احماد وصاله ودوام اسعاده
والهم كلا اصلاح حاله والاعداد مما له ومعاده وله الحمد
السرمد والمدح لرسوله احمد

''تمام حمد اُس اللہ کے لیے ہے جو کہ قابلِ حمد بادشاہ ہے اور محبت رکھنے والا مالک ہے اور ہر مولود کی تصویر بنانے والا ہے اور راندہ فرد کا سہارا ہے۔ وہ زمین کا بچھانے والا ہے اور ٹیلوں کو بلندی دینے والا ہے اور بارشوں کو روانہ کرنے والا ہے اور مطالب میں آسانی پیدا کرنے والا ہے۔
وہ تمام اسرار کا اِدراک وعلم رکھتا ہے اور ملکیتوں کو تباہ اور ہلاک کرنے والا ہے اور زمانوں کو لپیٹنے والا اور پلٹانے والا ہے اور جملہ اُمور کا فقط آغاز و انجام ہے۔ اس کی سخاوت عام ہے اور اُس کا فیض کامل ہے۔
وہی پانی کو جاری کرنے والا ہے اور سوال اور اُمید میں اسی نے مطابقت پیدا کی ہے۔ اسی نے ریت کو وسعت دی اور اُسے باریکی عطا کی۔
میں اُس کی ایسی حمد بجا لاتا ہوں، جو کہ پھیلی ہوئی ہے اور میں اُس کی توحید کا اقرار کرتا ہوں جیسا کہ نرم دل انسان اقرارِ توحید کرتا ہے۔ وہ اللہ ہے اُمتوں کا اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ خدا جس کو سیدھا کردے اُسے کوئی ٹیڑھا نہیں کرسکتا۔
خدا نے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اسلام کا رہنما اور حکام کا امام بنا کر بھیجا

اور رعیت کی اصلاح کرنے والا اور ودّ‌وسواع جیسے بتوں کے خودساختہ احکام کو باطل کرنے والا بنا کر بھیجا۔ آپؐ نے اعلان کیا اور تعلیم دی اور مضبوط فیصلے کیے۔ اللہ آپؐ کی روح پر سلام بھیجے اور آپؐ کی محترم آل اور خاندان پر رحم فرمائے جب تک کوئی ستارہ چمکتا رہے اور جب تک جہان قائم رہے اور پہلی کا چاند طلوع ہوتا رہے اور شور سنا جاتا رہے۔

لوگو! خدا تمہاری نگہبانی کرے، اچھے اعمال بجا لاتے رہو اور حلال کے راستوں پر گامزن رہو، اور حرام کو دُور پھینک دو اور اُسے چھوڑ دو، اور خدا کے فرمان کو سنتے رہو اور اُسے حفظ کرو۔ صلہ رحمی کرو اور اُس کی نگہبانی کرو۔ خواہشات کی نافرمانی کرو اور اُنھیں کچل دو اور باصلاحیت اور اہلِ تقویٰ سے رشتہ داری قائم کرو۔ لہو اور طمع کار لوگوں کے گروہ سے علیحدہ رہو۔ تم سے رشتہ کی درخواست اُسی نے کی ہے جو کہ آزاد افراد میں پاک باز فرد ہے اور سرداری کے قابل ہے اور جو ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اس نے تمھارا قصد کیا ہے اور تمھارے ہاں اُترا ہے اور تم سے زوجیت کا طلب گار ہے اور اُس نے اپنی دلہن کے لیے وہی مہر مقرر کیا ہے جو رسولؐ خدا نے حضرت اُمِ سلمہؓ کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ بہترین داماد ہے اور وہ اپنے ارادوں کا مالک ہے۔ وہ کمزور اور کاہل نہیں ہے۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کا وصال بہتری لائے اور سعادت کا ذریعہ ثابت ہو۔ خدا سب کو اصلاحِ حال اور معاد کی تیاری کی توفیق بخشے اس کے لیے ابدی حمد ہے اور اُس کے رسولؐ احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے مدح ہے"۔

اسی طرح کا ایک اور خطبہ مناقب میں مرقوم ہے۔ کلبی نے ابی صالح اور ابوجعفر بن بابویہ سے روایت نقل کی ہے۔ اُنھوں نے اپنی اسناد سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے یہ بیان کیا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک

اور غیر منقوط خطبہ فی البدیہہ ارشاد فرمایا، جس کا ابتدائیہ یہ ہے:

الحمد لله اهل الحمد ومأواه واوكد الحمد واحلاه واسرع الحمد اسراه واطهر الحمد وسماه واكرم الحمد واولاده.....

الی آخرہ

علیؑ، شاعر، وعظ اور فلسفہ

امیر المومنین علیہ السلام ہر علم وفن میں یگانہ روزگار تھے۔ اگر شعر وشاعری کی بات کی جائے تو آپؑ بہت بڑے شاعر تھے۔ چنانچہ بلاذری نے أنساب الاشراف میں لکھا: ''حضرت علی علیہ السلام تمام صحابہ سے بڑے شاعر تھے اور آپؑ سب سے زیادہ فصیح وبلیغ تھے اور آپؑ لکھائی میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے''۔

تاریخ بلاذری میں مرقوم ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان شعر کہا کرتے تھے لیکن حضرت علی علیہ السلام اُن تینوں سے بڑے شاعر تھے۔

آپؑ بلحاظ واعظ دنیا کے موثر ترین واعظ تھے۔ آپؑ کے بیان کردہ اَقوالِ زریں اور مواعظ بہت زیادہ ہیں۔ اتنے اَقوالِ زریں اور مواعظ کسی بھی صحابی سے منقول نہیں ہیں جتنے آپؑ سے ہیں۔

حضرتؑ کے چند اقوالِ زریں ملاحظہ فرمائیں:

من زرع العدوان حصد الخسران

''جو ظلم وزیادتی کی فصل کاشت کرے گا تو وہ خسارہ کاٹے گا''۔

من ذكر المنية نسى الامنية

''جو موت کو یاد کرے گا تو اُسے آرزوئیں بھول جائیں گی''۔

من قعد به العقل قام به الجهل

''جس شخص کو عقل بٹھا دے جہالت اُسے کھڑا کردیتی ہے''۔

يا اهل الغرور ما ألهجكم بدار خيرها زهيد وشرها عتيد

ونقیمها مسلوب وعزیزها منکوب ومسالبها محروب ومالکها مملوك وتراثها متروك؟

"اے دھوکے میں مبتلا لوگو! تمہیں اس گھر سے بڑی محبت ہے جس کی بھلائی کم اور جس کی برائی زیادہ ہے۔ یہاں کی نعمات چھین لی جائیں گی اور یہاں کے معزز فرد کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ یہاں صلح رکھنے والے سے جنگ کی جاتی ہے اور یہاں کے مالک کو مملوک بننا پڑتا ہے اور یہاں کی مالیت وراثت کا ترکہ بنتی ہے"۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام فلسفہ وحکمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپؑ سے بڑا فیلسوف چشمِ فلک نے نہیں دیکھا۔

حضرت علیؑ کے اس فرمان کو سنیے اور سوچیے کہ کیا حکمت وفلسفہ اس کے علاوہ اور کسی چیز کا نام ہے؟

اَنَا النُّقطَۃُ اَنَا الخَطُّ، اَنَا الخَطُّ اَنَا النُّقطَۃُ، اَنَا النُّقطَۃُ وَالخَطُّ

خطیب منبر سلونی فلاسفہ بیان کرتے ہیں:

"قدرت اصل ہے اور جسم اُس کا حجاب ہے اور صورت جسم کا حجاب ہے کیونکہ نقطہ اصل ہے اور خط اُس کا حجاب اور اُس کا مقام ہے اور حجاب جسم ناسوتی کے علاوہ اور چیز ہے"۔

آپؑ سے عالمِ علوی کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

صور عارية من المواد عالية عن القوة والاستعداد تجلى لها فاشرقت وطالعها فتلألأت والقى فى هويتها مثاله فاظهر عنها افعاله وخلق الانسان ذانفس ناطقة ان زكاها بالعلم فقد شابهت جواهر اوائل عللها واذا اعتدل مزاجها وفارقت الاضداد فقد شارك بها السبع الشداد

"وہ مواد سے خالی صورتوں پر مشتمل ہے اور قوت و استعداد سے بلند

ہے۔ اس پر تجلی ڈالی گئی تو وہ چمک اُٹھی اور اس کا مطالعہ کیا گیا تو وہ روشن ہوگئی۔ اُس کی اصلیت میں اس کی مثال کو ڈالا گیا۔ اس سے اس کے افعال ظاہر ہوئے اور انسان کو نفسِ ناطقہ کا مالک بنا کر پیدا کیا گیا۔ اگر وہ علم کے ساتھ اس کا تزکیہ کرے تو وہ اپنے اوائل علل کے جواہر سے مشابہہ ہوگی اور جب اس کے مزاج میں اعتدال ہو اور تضادات سے جدا ہوجائے تو اس میں سات آسمان بھی شریک ہوجاتے ہیں"۔

شیخ الرئیس ابن سینا نے کہا: "کوئی بھی بہادر اور دلیر شخص فیلسوف نہ ہوگا، البتہ حضرت علی علیہ السلام اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں"۔

سیّد شریف رضی فرماتے ہیں: "جو حضرتؑ کا کلام سنے تو وہ اس بات میں شک نہ کرے گا کہ یہ کسی ایسے تارک الدنیا انسان کی گفتگو ہے جو کہ کسی گھر کے کونے میں خانہ نشین ہے یا کسی پہاڑ کے دامن میں دنیا سے کٹ کر بیٹھا ہوا ہے، جہاں تنہائی میں اپنی آواز کے علاوہ کوئی آواز نہیں سنتا اور اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا۔

وہ یہ ماننے پر آمادہ نہ ہوگا کہ یہ اس کا کلام ہے جو کہ جنگ میں گھس کر جنگ کا پانسہ پلٹانے والا ہے اور اُس نے تلوار بے نیام کی ہوئی ہے اور مخالفین کی گردنوں کو اُڑا رہا ہے اور بڑے بڑے بہادروں کو زیر کر رہا ہے۔ اُس کی تلوار سے دشمنوں کے خون کے قطرات ٹپک رہے ہیں اور اس کی تلوار دشمنوں کی روح قبض کر رہی ہے۔

اتنا بڑا جری اور دلیر ہوتے ہوئے بھی وہ سب سے بڑا زاہد اور تمام اَبدال کا رئیس و سردار ہے۔ یہ بات آپؑ کے عجیب فضائل میں سے ہے اور یہ آپؑ کے وہ خصائص ہیں کہ اُن کے ذریعے سے آپؑ نے اضداد کو جمع کیا تھا۔ اور اگر بات ستارہ شناسی اور علمِ نجوم کی ہو تو آپؑ سے بڑا ماہر نجوم آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام جنگ لڑنے کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں آپؑ کی ایک منجم سے ملاقات ہوگئی۔

اس نے عرض کیا: امیرالمومنینؑ! اس وقت منحوس ستارے طلوع کر چکے ہیں اور سعد

ستارے فی الحال اُن کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ ایسے وقت میں دانش مند شخص کو چاہیے کہ وہ خاموشی سے گھر میں بیٹھا رہے۔ آج کا دن تمھارے لیے بہت بھاری ہے۔ دو ستاروں کا ملاپ ہو چکا ہے اور میزان سے ہٹ چکے ہیں۔ آپؑ کے برج سے دو روشن ستارے ہٹ چکے ہیں۔ اس وقت تم لوگوں کے لیے جنگ کرنا نامناسب ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اے دہقان! آنے والے حالات کی خبر دینے والے اور اقدار سے ڈرانے والے! بھلا یہ تو بتا کہ کل صاحبِ میزان کیا تھا؟ اور سرطان کا ساتھی کس برج میں تھا؟ اَسد کی حرکات کی کتنی ساعتیں تھیں اور سراری اور زراری ستاروں میں کتنا فاصلہ ہے؟

منجم نے کہا: میں اسطرلاب میں دیکھوں گا۔

اس کا یہ جواب سن کر آپؑ مسکرا دیئے اور پھر اس سے فرمایا: اے دہقان! تجھ پر افسوس، کیا ثوابت کو چلانے والا تو ہے؟ یا تو چلنے والوں پر فیصلہ کیسے کرتا ہے؟

اَسد کون سے مطلع میں ہے اور زہرہ کے توابع اور جوامع کیا ہیں؟ اور سراری محرکات کا کردار کیا ہے؟ اور روشن ستاروں کی شعاع کہاں تک جاتی ہے؟ صبح کے اوقات میں کتنے درجے حاصل ہوتے ہیں؟

منجم نے کہا: امیر المومنینؑ! مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اے دہقان! کیا تیرے علم نے تجھے یہ بتایا ہے کہ چین میں بادشاہت کا گھر بدل گیا ہے اور زنج میں شہر جل گئے ہیں اور آتش کدہ فارس بجھ گیا ہے اور ہندوستان کا مینار گر گیا ہے اور سراندیپ ڈوب گیا ہے اور اندلس کا قلعہ ٹوٹ گیا ہے اور ترکوں اور رومیوں میں لڑائی ہو چکی ہے۔

یہ سنا تو دہقان سجدہ میں گر گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو امیر المومنینؑ نے فرمایا: کیا میں نے تجھے توفیق کے چشمہ سے سیراب نہیں کیا؟

اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: میں اور میرے ساتھی شرقی ہیں اور نہ غربی ہیں، ہم ناشئہ قطب اور اَعلامِ فلک ہیں۔

تُو نے کہا کہ آپؑ کے برج سے دو روشن ستارے ہٹ چکے ہیں اور سرطان ظاہر ہو چکا ہے تو تیرے لیے ضروری ہے کہ تو اس سے میرے حق میں نتیجہ نکالتا نہ کہ میرے خلاف، کیونکہ اس کا نُور اور روشنی تو میرے پاس ہے اور اس کی سوزش اور آتش مجھ سے دُور ہو چکی ہے۔ یہ ایک ضروری مسئلہ ہے اگر حساب کرنا ہو تو اس طرح سے کیا کرو۔

دہقان نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّكَ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰهِ۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے توحید اور الٰہیات کے موضوع پر سیر حاصل خطبات دیے۔ آپؑ نے اپنے خطبات میں صفاتِ ثبوتیہ اور صفاتِ سلبیہ اور اُن کے متعلقات پر بحث کی۔ علاوہ ازیں آپؑ نے افلاک، نجوم، بادل اور رعد، برق اور بارش کے نزول کے متعلق علومِ طبیعیات پر بھی خطبات دیے تھے۔

آپؑ نے انسانی کیفیات نطفہ، جنین، شیرخوارگی اور بچپن کے عناوین پر انسان کے وجود کے متعلق اپنے قیمتی نظریات کا اظہار کیا تھا۔ آپؑ نے علمِ نفس اور انسانی فلسفہ پر بھی اپنے خیالاتِ عالیہ کا اظہار فرمایا تھا۔

اس طرح کے تمام مباحث تمہیں نہج البلاغہ کے خطبات میں دکھائی دے سکتے ہیں۔ ہم اس بحث کے اختتام پر اس عنوان کے متعلق ابن ابی الحدید کا کلام نقل کرنا چاہتے ہیں۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: تم جانتے ہو کہ تمام علوم سے علمِ الٰہی زیادہ محترم ہے، کیونکہ جتنا معلوم کو شرف حاصل ہوگا اُتنا ہی اس کے علم کو شرف حاصل ہوگا۔ ذاتِ الٰہی تمام موجودات سے افضل ہے، لہٰذا ذاتِ الٰہی کا علم بھی تمام علوم سے افضل ہے۔ اور توحید کی مباحث کا اقتباس آپ کے کلام سے ہوتا ہے۔ الٰہیات کے مباحث آپ سے ہی منقول ہیں اور ان کا انجام بھی آپ کی ذات پر ہوتا ہے۔

معتزلہ اپنے آپ کو اہلِ توحید و عدل کہلاتے ہیں۔ توحید و عدل کے مباحث کا منبع امیرالمومنین علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے۔ معتزلہ فرقہ کا سربراہ واصل بن عطاء ہے اور وہ ابوہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ کا شاگرد ہے۔ عبداللہ اپنے والد محمد حنفیہ کے شاگرد ہیں اور محمد حنفیہ اپنے والد ماجد امیرالمومنین علی علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔

جہاں تک فرقہ اشاعرہ کا تعلق ہے تو وہ اپنے آپ کو ابوالحسن بن ابی بشیر اشعری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اشعری ابوعلی جبائی کے شاگرد تھے اور ابوعلی معتزلی العقیدہ تھے، لہٰذا اشاعرہ کی نسبت کا سفر معتزلہ کے معلم پر تمام ہوتا ہے اور پورے معتزلہ حضرت علی علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔

جہاں تک امامیہ اور زیدیہ کا تعلق ہے تو ان کا انتساب تو بالکل واضح ہے۔ آیئے علمِ فقہ پر نظر دوڑائیں۔ جب آپ علمِ فقہ کا تفصیلی اور تاریخی جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ آپؑ کی ذات ہی فقہ کی بنیاد اور اساس ہے اور اسلام کا ہر فقیہ آپؑ کے خرمنِ علم کا خوشہ چین ہے۔

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں مثلاً ابو یوسف اور محمد وغیرہ نے فقہ کا علم امام ابوحنیفہ سے حاصل کیا اور شافعی نے محمد بن حسن کے سامنے قرأت کی تھی، لہٰذا اس کی فقہ بھی امام ابوحنیفہ سے متصل ہوجاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا اور اُنھوں نے اپنے والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اور اُنھوں نے اپنے والد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے اور اُنھوں نے اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام سے اور اُنھوں نے حضرت علی علیہ السلام سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا۔

امام مالک کا سلسلۂ علم اس طرح سے ہے کہ اُنھوں نے ربیعۃ الرائے سے علمِ فقہ حاصل کیا تھا اور اُس نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے ابن عباسؓ سے اور ابن عباسؓ نے امیرالمومنینؑ سے علمِ فقہ کا اکتساب کیا تھا۔

اگر آپ چاہیں تو اسی سلسلہ سے شافعی کو بھی منسلک کرسکتے ہیں، کیونکہ شافعی نے مالک سے علمِ فقہ حاصل کیا تھا اور مالک کا سلسلہ حضرت علی علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے۔

شیعہ فقہ کا انتساب تو بالکل واضح ہے اور حضرت عمر بن خطاب اور ابن عباسؓ ان دونوں بزرگوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کسبِ فیض کیا تھا۔

ابن عباسؓ کی شاگردی سب پر ظاہر ہے اور جہاں تک حضرت عمر کا تعلق ہے تو ہر شخص جانتا ہے کہ جب بھی ان پر کوئی مشکل آتی تھی تو وہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع

کرتے تھے اور انھوں نے کئی بار لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ کہا تھا۔

حضرت عمر کا مشہور قول ہے کہ "خدا مجھے اس دن تک زندہ ہی نہ رکھے جب مشکل پڑے اور مشکل کشائی کے لیے علیؑ موجود نہ ہوں"۔

حضرت عمر نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ "مسجد نبوی میں حضرت علیؑ کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص فتویٰ جاری نہ کرے"۔

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ فقہ کی بازگشت آپؑ کی طرف ہے۔ علمائے عامہ و خاصہ نے رسولؐ خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اَقْضَاکُم عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِب

"تمھارا سب سے بڑا قاضی علیؑ ہے"۔

قاضی کا لفظ قضا سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور قضا علمِ فقہ کا دوسرا نام ہے۔ اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ امیرالمومنینؑ سب سے بڑے فقیہ تھے۔

جملہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے آپؑ کو قاضی بنا کر یمن روانہ کیا تو آپؐ نے یہ دعا مانگی تھی:

اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَلْبَهٗ وَثَبِّت لِسَانَهٗ

"خدایا! اس کے دل کو ہدایت فرما اور اس کی زبان کو ثابت رکھ"۔

حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے: "اس کے بعد سے کبھی مجھے دو افراد کے درمیان فیصلہ کرنے میں شک نہیں ہوا تھا"۔

جب ایک عورت کے ہاں شادی کے چھے ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو حضرت عمر نے اس پر شرعی حد جاری کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی علیہ السلام نے قرآن کریم کی آیت وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سے استدلال کیا کہ چھے ماہ میں بچہ ہونا ممکن ہے، لہٰذا اس عورت پر کوئی حد جاری نہیں کی جاسکتی۔

آپؑ نے منبر پر یہ کہا تھا کہ اس کا آٹھواں حصّہ نویں حصّہ میں بدل گیا۔

اگر اس مسئلے پر پورا غور وخوض کیا جائے تو آپؑ کے جواب کی خوبی واضح ہوسکتی ہے۔ تم

اُس شخصیت کے متعلق کیا کہو گے جس نے یہ جواب فی البدیہہ دیا تھا؟

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام علمِ تفسیر کے منبع اور مصدر تھے۔ جب تم کتبِ تفسیر کی طرف رجوع کرو گے تو تم کو اس حقیقت کا پورا علم ہو جائے گا۔

ابن عباسؓ دنیائے اسلام کے مشہور مفسر تھے اور وہ آپؑ کے تلمیذ رشید تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپؓ کے علم کا آپؑ کے ابنِ عم کے مقابلہ سے کیا تناسب ہے؟

اُنھوں نے جواب دیا کہ میرے علم کی وہی حیثیت ہے جو کہ ایک قطرہ کی سمندر کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔

علمِ نحو کے اُصول وقوانین علی علیہ السلام نے وضع کیے تھے۔ آپؑ نے ابوالاسود دوئلی کو علمِ نحو کے مبادیات کی تعلیم دی تھی۔ آپؑ نے فرمایا تھا: کلام کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔

آپؑ نے یہ تعلیم دی تھی کہ اسم معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ ہوتا ہے اور آپؑ نے یہ تعلیم بھی دی تھی کہ اعراب کی چار قسمیں ہوتی ہیں: ① رفع ② نصب ③ جر ④ جزم۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام کی ذات تمام علوم کا منبع و مصدر ہے، اُسے کسی معجزے کا نام ہی دیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک عام انسان تمام علوم میں یدِ طولیٰ حاصل نہیں کرسکتا، اور نہ ہی وہ ہر علم میں جدید استنباط کرسکتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اور فضائلِ نفسانی

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۸۴)

"آپ کہہ دیں کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے"۔

علومِ نفسیات کے ماہرین اور فلاسفہ کہتے ہیں: انسان سے جو اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں وہ دراصل اس کی نفسیات کے وہ آثار ہوتے ہیں جن پر اس کی تخلیق ہوتی ہے اور وہ وراثت و تربیت کے وہ اثرات مرتب ہوتے ہیں جو اُس کی روح کی گہرائیوں میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ تمام فضائل اور تمام رذائل تربیت اور وراثت کا ثمر ہوتے ہیں۔

ہم نے اپنی سابقہ گفتگو میں تربیت کے کچھ اطراف اور نتائج پر بحث کی تھی اور اگر ہم نے اس عنوان پر مزید بحث کی تو ہم اپنے مقصد سے ہٹ جائیں گے۔

ہماری آج کی گفتگو کا عنوان حضرت امام علی علیہ السلام کے وہ نفسانی فضائل ہیں، جن میں آپؑ ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ ہم نے فضائلِ نفسانیہ کی اس لیے گفتگو کی ہے کہ حضرتؑ کے کچھ فضائل ایسے بھی ہیں جن کا تعلق آپ کی کدوکاوش سے نہیں ہے، مثلاً آپؑ کا عظیم نسب، بیت اللہ میں ولادت، آپؑ کا جمال اور قوت وغیرہ آپؑ کے ایسے مناقب ہیں، جن کا تعلق آپؑ کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس کے بجائے ہم صرف آپ کے اُن فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کا تعلق آپؑ کی محنت و کاوش سے تھا، مثلاً سخاوت، عفو و درگزر، زُہد اور عبادت وغیرہ۔

یہ صفات آپؑ کے فضائل اور شریف نفس کے پیدا کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو یوں بیان فرمایا: قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔

''یعنی اے محمدؐ! ہر انسان خواہ مومن ہو یا کافر وہ اپنی فطرت وطبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے''۔

اور کسی شاعر نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا تھا۔

ملکنا فکان العفو مناسجیة   فلما ملکتم سال بالدم ابطح

فحسبکم هذا التفاوت بیننا   فکل اناء بالذی فیه ینضح

''ہم نے حکومت حاصل کی تو ہم نے عفو ودرگزر کو اپنایا لیکن جب تم نے حکومت حاصل کی تو خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ہمارے اور تمھارے درمیان یہی فرق کافی ہے۔ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اُس میں ہوتا ہے''۔

ہم نے اس سے قبل کچھ ایسے علل و اسباب کا تذکرہ کیا، جنھوں نے آپؑ کی ذات والاصفات پر اثرات مرتب کیے تھے، مثلاً آپ کا بیت اللہ میں پیدا ہونا اور رسولِ اکرمؐ کی زیرِ نگرانی پرورش پانا وغیرہ۔

یہ وہ عوامل تھے، جنھوں نے آپؑ کی شخصیت کو سنوارنے میں بھرپور مدد کی۔ پیغمبر اکرمؐ کی تربیت کا یہ اثر مرتب ہوا کہ آپؑ عدالتِ انسانی کی آواز بن گئے اور شجاعت و جوانمردی اور رحم وکرم اور سخاوت میں ضرب المثل قرار پائے۔

بلند نفوس کی خواہشات ہمیشہ پست نفوس سے مختلف ہوتی ہیں اور وہ ہمیشہ اپنے انسانی ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے ہیں اور اس ایثار کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نفوس میں معرفتِ الٰہی مستقر ہوتی ہے اور اُن کے رگ وریشہ میں محبتِ الٰہی مخلوط ہوتی ہے۔ وہ ان گھڑیوں کو اپنی قیمتی گھڑیاں سمجھتے ہیں، جن میں وہ اپنے پروردگار سے محوِ مناجات ہوتے ہیں اور خدا سے راز ونیاز کرتے ہوئے کبھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔

یہاں ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب کوئی انسان اپنے اندر نقص محسوس کرتا ہے مثلاً کوئی شخص جب علم وفن اور فضیلت وقوت اور حسن و جمال میں نقص محسوس کرتا ہے تو وہ اس کی تلافی اعلیٰ لباس، ماکولات ومشروبات اور بلند وبالا عمارات سے کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے وجدان وضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کہ

اولیائے خدا میں کوئی نقص نہیں ہوتا، لہٰذا اپنی فضولیات سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا، اسی لیے وہ سادہ زندگی کو پر تعیش زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی سادگی اور زُہد کا نمونہ ہوتی ہے۔ اُنھیں لذیذ کھانوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور وہ دنیا کے حُسن و جمال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اُنھیں اپنے نفوس کے کامل ہونے کا یقین ہوتا ہے، لہٰذا وہ دنیاوی زیب و زینت کی طرف راغب نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم انبیاء و ائمہ کی سادہ ترین زندگی پر نظر ڈالتے ہیں اور اُن کے زُہد کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں اس پر تعجب نہیں ہوتا۔

ہم عنقریب ایسی اخبار و احادیث کو بیان کریں گے جنھیں محدثین و مؤرخین نے حضرت علی علیہ السلام کے فضائلِ نفسانیہ کے متعلق نقل کیا ہے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> ''میں اس عظیم انسان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، جس کی فضیلت اور عظمت کا اعتراف اس کے دشمنوں نے کیا ہو؟ اور وہ دشمنی کے باوجود اس کے فضائل و مناقب کو چھپانے سے عاجز رہے ہوں؟''

تم جانتے ہو کہ بنی اُمیہ نے مشرق و مغرب پر حکومت کی اور اُنھوں نے آپؑ کے نور کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور اُنھوں نے آپؑ کی شخصیت کو عیب دار بنانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا اور اُنھوں نے منبروں پر آپؑ پر سَب و شتم رواج دیا اور آپؑ کے مدح کرنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا تھا اور آپؑ سے محبت کرنے والوں کو اُنھوں نے قید کیا اور اُنھیں قتل کیا اور اُنھیں آپؑ کے فضائل بیان کرنے سے روکا اور حد یہ ہے کہ لوگوں کو منع کیا گیا کہ اپنی اولاد کا نام ''علی'' نہ رکھیں، مگر اس کے باوجود خدا نے آپؑ کی عزت و عظمت میں اضافہ کیا۔ اور جس طرح سے بھی کستوری کو چھپایا جائے تو اُس کی خوشبو چھپنے میں نہیں آتی بعینہٖ اسی طرح سے آپؑ کے فضائل کی خوشبو اتنی زیادہ تھی کہ چھپانے والے اس کو چھپانے میں ناکام رہے۔ جس طرح ہتھیلی سے سورج کو چھپایا نہیں جا سکتا اسی طرح سے بنی اُمیہ بھی شمسِ امامت کو چھپانے میں ناکام رہے اور اگر چمگادڑ سورج کے وجود کا انکار کرے تو اس کی

روشنی چھپ نہیں جاتی۔ اسی طرح سے شپرہ چشم افراد نے آپؑ کے فضائل سے آنکھیں موند لیں، لیکن پورے جہان کی آنکھوں نے آپؑ کے نُور کا اِدراک کیا۔

میں اس عظیم الشان کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں جس پر ہر فضیلت کی انتہا ہوتی ہے؟ اور ہر فرقہ ان سے انتساب کو اپنے لیے لائق فخر سمجھتا ہے۔ آپؑ کی ذات فضائل کا مصدر و منبع ہے۔ آپؑ کے بعد خدا نے اسے ہی عزت و عظمت بخشی جس نے آپؑ کے نقشِ قدم کی پیروی کی۔ اگر تم امیرؑ کے خصائصِ خلقت اور فضائلِ نفسانی و دینی کی طرف نگاہ کرو گے تو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ آپؑ ہر فضیلت میں پوری دنیا سے پیش پیش ہیں۔

علی علیہ السلام اور یقین

بحارالانوار، جلدنہم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:
حضرت علی علیہ السلام کا ایک غلام تھا جس کا نام قنبرؓ تھا۔ اُسے آپؑ سے والہانہ محبت تھی۔ حضرت علیؑ جہاں جاتے وہ تلوار لے کر آپؑ کے پیچھے چلتا۔ ایک رات آپؑ کہیں جانے لگے تو قنبرؓ حسب عادت آپؑ کے پیچھے روانہ ہوا۔

حضرتؑ نے اسے آواز دے کر فرمایا: قنبرؓ! کیا بات ہے؟

قنبرؓ نے عرض کیا: مولاؑ! زمانہ آپؑ کا دشمن ہے، اسی لیے میں آپؑ کی حفاظت کے لیے آپؑ کے پیچھے آرہا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تم مجھے آسمان والوں سے بچاؤ گے یا زمین والوں سے؟

قنبرؓ نے عرض کیا: میں زمین والوں سے آپؑ کی حفاظت کروں گا۔

آپؑ نے فرمایا: زمین والے مجھے اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک آسمانوں کے مالک کا اذن شامل نہ ہو، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔

حضرت قنبرؓ واپس چلے گئے۔ جنگِ صفین میں آپؑ سے یہ کہا گیا کہ آپؑ اپنے لیے محافظ مقرر کریں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کوئی لعین آپؑ کو شہید نہ کردے۔

آپؑ نے فرمایا: موت ہی سب سے بڑی محافظ ہے۔ ہر انسان کے ساتھ خدا نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو کہ اسے کسی کنوئیں میں گرنے سے بچاتے ہیں اور دیوار کے نیچے آنے اور کسی مصیبت میں مبتلا ہونے سے بچاتے ہیں اور جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو وہ اس سے ہٹ جاتے ہیں۔ جب میرا مقررہ وقت آئے گا تو دنیا کا بدبخت ترین شخص اُٹھے گا اور وہ میری ریش کو میرے سر کے خون سے خضاب کرے گا۔ یہ ایک عہد ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی۔

علی علیہ السلام اور قوتِ حافظہ

بحارالانوار، جلدنہم میں سلیم بن قیس سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم کی جو بھی آیت نازل ہوئی آپؐ نے مجھے اس کی تعلیم دی اور مجھ سے لکھوائی۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اُسے لکھا۔ آنحضرتؐ نے مجھے ہر آیت کی تاویل، تفسیر، ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ کی تعلیم دی اور آپؐ نے خدا سے یہ دعا کی کہ وہ مجھے قرآن کے سمجھنے اور یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں کوئی بھی آیت نہیں بھولا اور نہ ہی لکھی ہوئی عبارت مجھ سے کبھی جدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جس بھی حلال وحرام، اُمر ونہی اور اطاعت ومعصیت کا جو بھی علم دیا آنحضرتؐ نے مجھے ان تمام باتوں کی تعلیم دی اور میں نے اُنھیں یاد رکھا اور میں ایک حرف تک نہیں بھولا۔

پھر رسولِ اکرمؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور دعا کی کہ خدا میرے دل کو علم وفہم، حکمت ونُور سے بھر دے۔ ان میں سے مَیں کچھ بھی نہیں بھولا اور کوئی بھی بات میں نے کتابت کے بغیر نہیں چھوڑی۔

آنحضرتؐ نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ خدا نے تمھارے متعلق میری دعا کو قبول کیا ہے۔

علیؑ اور رحم دلی

بحارالانوار، جلدنہم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام سخت گرمی میں اپنے گھر واپس آئے تو آپؑ نے دیکھا دروازے پر ایک عورت کھڑی تھی، اُس نے آپؑ سے کہا: میرے شوہر نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور مجھے ڈرایا دھمکایا ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ مجھ پر ضرور تشدد کرے گا۔

آپؑ نے فرمایا: کنیز خدا! کچھ دیر صبر کر، تا کہ دن ٹھنڈا ہو جائے میں تیرے ساتھ چلوں گا۔

عورت نے کہا: جتنی دیر ہوگی اُس کا غصہ مزید تیز ہوگا۔

آپؑ نے سر جھکایا، پھر بلند کر کے فرمایا: ہمارے ہوتے ہوئے کسی پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا۔ پھر آپؑ نے عورت سے پوچھا: تیرا گھر کہاں ہے؟

اُس نے گھر کا پتا بتایا۔ آپؑ اُس کے دروازے پر تشریف لے گئے اور دستک دی۔

ایک نوجوان باہر آیا۔ آپؑ نے اس پر سلام کیا اور پھر فرمایا: بندۂ خدا! اپنی بیوی کے متعلق خدا کا خوف کھا۔ تم نے اُسے دہشت زدہ کیا ہے اور گھر سے باہر نکالا ہے۔

نوجوان (جو کہ آپ کو نہیں پہچانتا تھا) نے کہا: اگر آپؑ اس کے سفارشی ہیں تو میں اُسے جلاؤں گا۔ آخر آپؑ کی سفارش کا کیا مطلب ہے؟

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: میں تجھے نیکی کا حکم دے رہا ہوں اور غلط کام سے روک رہا ہوں، لیکن تو اپنی غلطی کو میرے سامنے دُہرا رہا ہے۔

اتنے میں لوگ وہاں سے گزرے تو ہر شخص نے آپؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کیا۔

جب نوجوان نے دیکھا کہ اُس کے دروازے پر امیر المومنینؑ کھڑے ہیں تو وہ آپؑ کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا: مولا! مجھے معاف کر دیں، آج کے بعد میری بیوی جو کچھ کہے گی مَیں اس کا کہنا مانوں گا۔

امیر المومنینؑ نے تلوار نیام میں ڈالی اور خاتونِ خانہ سے فرمایا: کنیز خدا! تم بے خوف ہو کر گھر میں جاؤ اور اپنے شوہر کی نافرمانی کر کے اُسے طیش میں مت لانا۔

ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام یتامیٰ کو بلا کر اُنھیں شہد کے

ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔آپؑ کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر آپؑ کے ایک صحابی نے کہا:

امیرالمومنینؑ کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے میری خواہش ہے کہ کاش میں بھی یتیم ہوتا اور آپؑ کے دسترخوان پر شہد کے ساتھ کھانا کھاتا۔

علی علیہ السلام اور حق

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

(سورۂ کہف: آیت ۲۹)

"اور آپؐ کہہ دیں کہ تمھارے رب کی طرف سے حق آگیا، پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر اختیار کرے"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ (سورۂ یونس: آیت ۳۵)

"کیا وہ جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس کی اتباع کی جائے؟"

حضرت ابوذر غفاریؓ سے لوگوں کے اختلاف کے متعلق پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا: "تمھارے لیے اللہ کی کتاب اور علی بن ابی طالبؑ کی پیروی ضروری ہے۔ میں نے رسولؐ خدا کی زبانِ مبارک سے یہ سنا:

عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَهٗ وَعَلٰی لِسَانِهٖ يَدُوْرُ حَيْثُ مَا دَارَ عَلِیٌّ

"علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق اُس کے ساتھ ہے اور اُس کی زبان پر ہے۔ حق اُدھر پھرتا ہے جس طرف علیؑ پھرتا ہے"۔

حضرت محمد بن ابی بکرؓ نے روزِ جمل حضرت بی بی عائشہؓ پر سلام کیا، لیکن آپ سے بی بی نے گفتگو نہ کی۔ اس وقت محمد بن ابی بکر نے کہا کہ میں آپ کو اس خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا

ہوں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے کیا تُو نے خود اپنی زبان سے مجھے یہ نہیں کہا تھا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ رہنا۔ میں نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا:

"حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر نہ پہنچ جائیں"۔

بی بی نے کہا: جی ہاں، میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات سنی تھی۔

اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

"اس کے لیے تباہی ہے، جو میری معرفت سے جاہل رہے اور میرے حق کو نہ پہچانے۔ آگاہ رہو، میرا حق ہی اللہ کا حق ہے اور اللہ کا حق میرا حق ہے"۔

علیؑ اور مالِ دُنیا

الکافی کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ امیرالمومنین علی علیہ السلام پھٹی ہوئی قمیص پہنے لوگوں کے پاس سے گزرے تو لوگوں نے کہا: علیؑ بڑا ہی مفلس ہے۔ اُس کے پاس پہننے کے لیے ڈھنگ کی قمیص تک نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ وہ جو صدقہ کی کھجوریں چنتے ہیں وہ کسی ضرورت مند تک نہ پہنچائیں بلکہ اُنھیں فروخت کر کے رقم لائیں۔

ملازمین نے کھجوریں چُن کر فروخت کر دیں اور درہم لے آئے۔ دو دن تک کھجوریں بکتی رہیں اور یوں اچھی خاصی رقم جمع ہوگئی۔

حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کو بلایا اور درہموں کو پاؤں کی ٹھوکر ماری اور فرمایا: لوگو! دیکھ لو، علیؑ غریب نہیں ہے، اگر میں یہ رقم اپنے پاس رکھنا چاہوں تو میں بھی دولت مند کہلا سکتا ہوں، لیکن میں پسند کرتا ہوں کہ غرباء و یتامٰی کی امداد کروں۔

پھر آپؑ نے اپنے باغ کے ملازمین سے فرمایا: یہ رقم اُٹھاؤ اور غرباء و یتامٰی کے درمیان جا کر تقسیم کر دو۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: ''ینبع'' کے مقام پر حضرت علیؑ کی جاگیر تھی۔ اس سے سالانہ جو غلہ حاصل ہوتا تھا اس کی قیمت چالیس ہزار دینار ہوتی تھی۔ آپؑ ساری دولت راہِ خدا میں صدقہ کر دیتے تھے۔

علیؑ اور عفو و درگزر

امیرالمومنین علی علیہ السلام کسی بات پر نعیم بن دجاجہ پر ناراض ہوئے۔ آپؑ نے ارادہ کیا

کہ اُسے سزا دی جائے۔ نعیم نے آپؑ سے کہا: آپؑ کے ساتھ رہنا ذلت کا موجب ہے اور آپؑ کو چھوڑنا سراسر کفر ہے۔

جب آپؑ نے اس کے یہ جذبات سے تو آپؑ نے فرمایا: میں نے تمہیں معاف کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

"برائی کو اچھائی کے ذریعے سے دُور کرو"۔

تُو نے یہ کہا ہے کہ "آپؑ کے ساتھ رہنا ذلت کا موجب ہے"۔ یہ ایک برائی ہے جو تجھ سے صادر ہوئی ہے۔ پھر تُو نے یہ کہا: آپؑ کو چھوڑنا سراسر کفر ہے۔ تیرے یہ الفاظ نیکی پر مبنی ہیں۔ تیری یہ نیکی تیری برائی کو ختم کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

علی علیہ السلام اور حکمت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

"جسے حکمت عطا کی جائے تو اُسے بہت زیادہ بھلائی عطا ہوئی ہے"۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

"میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے"۔

مفسرین نے حکمت کے متعدد معانی بیان کیے ہیں۔ امیرالمومنین حکمت کے جملہ معانی اور اطراف کے حامل تھے۔ طبری مرحوم نے حکمت کے حسب ذیل معانی بیان کیے ہیں:

① علم القرآن: اس سے قرآن کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور مقدم و موخر اور حلال و حرام کا علم مراد ہے۔

② قول و فعل کی درستگی۔

③ علمِ دین۔

④ وہ علم جس کے فوائد اور منافع قابلِ احترام ہوں۔

⑤ قرآن اور فقہ۔

⑥ خدا نے انبیاءؑ کو جو دلائل و براہین عطا کیے جن سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے، ان کے علم کو حکمت کہا جاتا ہے۔

امالی طوسی میں مرقوم ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسولِ خدا نے علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

هٰذَا اَمِيْرُ الْبَرَرَةِ وَقَاتِلُ الْفَجَرَةِ مَنْصُوْرٌ مَنْ نَصَرَهٗ مَخْذُوْلٌ مَنْ خَذَلَهٗ

"یہ نیک افراد کا امیر ہے اور فاجر افراد کا قاتل ہے جو اس کی مدد کرے گا اس کی قدرت کی طرف سے مدد کی جائے گی اور جو اسے بے یار و مددگار چھوڑے گا خدا بھی اُسے بے یار و مددگار چھوڑے گا"۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ اَرَادَ الْحِكْمَةَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ

"میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے، جسے حکمت کی ضرورت ہو تو وہ دروازے پر آئے"۔

بغوی نے صحاح میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

"میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے"۔

حلیۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"حکمت کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اُس میں سے علیؑ بن ابی طالبؑ کو نو حصے ملے، باقی تمام دنیا کے مقدر میں اس کا صرف ایک حصہ آیا"۔

غزالی لکھتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں میزانِ حکمت ہوں اور علیؑ اُس کا مرکزی مقام ہے"۔

علیؑ اور زُہد

عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "میں نے اس اُمت میں علیؑ بن ابی طالبؑ سے بڑا زاہد کسی کو نہیں پایا"۔

امام علی علیہ السلام کا اپنا فرمان ہے: "میں نے اپنی قمیص کو اتنی بار رفو کرایا ہے کہ اب مجھے رفوگر سے شرم محسوس ہوتی ہے"۔

بحار میں سیّد ابن طاؤس کی زبانی منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: "جب میری فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے شادی ہوئی تو میرے گھر میں بچھونا تک موجود نہیں تھا اور آج میں اتنا صدقہ دے رہا ہوں جسے تمام بنی ہاشم پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لیے کافی ہوگا"۔

آپؑ نے اپنا اموال وقف کیا تھا جہاں سے سالانہ چالیس ہزار دینار کا غلہ حاصل ہوتا تھا۔ آپؑ نے ایک بار اپنی تلوار فروخت کرنا چاہی اور فرمایا: کوئی ہے جو مجھ سے میری تلوار خریدے؟ اگر میرے پاس رات کا کھانا موجود ہوتا تو مَیں اُسے کبھی فروخت نہ کرتا۔

آپؑ نے ایک بار فرمایا: "کوئی ہے جو مجھ سے میری فلاں تلوار خرید کرے؟ اگر میرے پاس ایک چادر کی رقم موجود ہوتی تو مَیں اُسے کبھی نہ بیچتا"۔

واضح رہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپؑ کی موقوفہ جائیداد سے چالیس ہزار دینار کا غلہ پیدا ہوتا تھا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کے زُہد کے بارے میں فرمایا:

"آپؑ نے پانچ برس تک حکومت کی، لیکن آپؑ نے اینٹ پر اینٹ نہ رکھی، یعنی کوئی مکان تعمیر نہ کرایا اور نہ ہی کوئی جائیداد بنائی اور وراثت میں سونا چاندی نہیں چھوڑی تھی"۔

زمخشری لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے قمیص خریدی اور اُس کا جو حصہ آپؑ کی انگلیوں سے زیادہ تھا آپؑ نے اُسے کاٹ دیا اور درزی سے فرمایا: اس سے کوئی ٹوپی وغیرہ بنادو۔

اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اہلِ بصرہ سے فرمایا:

"میں تمہارے علاقہ میں یہ پرانے کپڑے پہن کر اس سواری پر سوار ہوکر آیا ہوں اور اگر میں ان کو تبدیل کر کے تمہارے علاقے سے جاؤں تو پھر مجھے خیانت کار تصور کرنا"۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''اہلِ بصرہ! تمہیں مجھ پر کیا ناراضگی ہے؟ میرا لباس میرے اہلِ خانہ کا کاتا ہوا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی قمیص کی طرف اشارہ کیا''۔

ایک مرتبہ عمرو بن حریث آپؑ کی خدمت میں ناشتے کے وقت آیا۔ اتنے میں آپؑ کی کنیز حضرت فضہؑ آپؑ کے لیے ایک تھیلی لائیں، جس پر مُہر لگی ہوئی تھی۔ آپؑ نے مہر ہٹائی اس میں سے جَو کی روکھی سوکھی روٹی برآمد ہوئی۔

عمرو نے کنیز سے کہا: آپؑ اسے چھان لیتیں تو اس کا چھان دُور ہو جاتا۔

کنیز نے جواب دیا: میں تو چھاننا چاہتی ہوں لیکن خود اُنھوں نے ہی مجھے اس سے روک رکھا ہے۔ میں جَو کی روٹی کے ساتھ اچھی روٹی بھی رکھا کرتی تھی، لیکن آپ حضرتؑ اس پر مُہر لگا دیتے ہیں۔

عمرو بن حریث کا بیان ہے کہ حضرتؑ نے وہ خشک روٹی ایک پیالے میں بھگوئی، اور اس پر تھوڑا سا نمک چھڑکا اور آستینیں چڑھا کر وہ کھانا کھایا۔ جب آپؑ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا:

''اے عمرو! زندگی کے آخری ایام ہیں، میں کھانے کی وجہ سے اپنے جسم میں دوزخ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ یہی غذا میرے لیے کافی ہے''۔

عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپؑ کے سامنے ایک پیالہ رکھا ہوا ہے، جس میں نان شیر کے چند ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔

میں نے عرض کیا: امیرالمومنینؑ! آپؑ سارا دن بھوکے رہتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں اور آپؑ کا ناشتا بھی یہ ہے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

عَلّلِ النفس بِالقُنُوعِ وَ اِلّاَ

طلبت مِنْکَ فَوقَ مَا یَکفِیُھَا

''اپنے نفس کو قناعت کا عادی بناؤ، ورنہ وہ تم سے ضرورت سے زیادہ

اشیاء کا تقاضا کرے گا"۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے غلام قنبرؓ کی قمیص کی آستین پھٹی ہوئی ہے، آپؑ نے اس کی آستین کو سیا اور پھر وہ قمیص اس کے سپرد کردی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا بیان ہے: امیرالمومنین علی علیہ السلام کپڑے کے بازار میں گئے۔ آپؑ نے دکاندار سے فرمایا: مجھے دو لباس دیں۔

دکاندار آپؑ کو پہچانتا تھا۔ اُس نے کہا: امیرالمومنینؑ! میرے پاس آپؑ کے مطلب کے کپڑے موجود نہیں۔

آپؑ نے اس دکان کو چھوڑ دیا اور دوسری دکان پر تشریف لے گئے جہاں ایک نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔ آپؑ نے اُس سے دو لباس خرید کیے۔ ایک کی قیمت تین درہم اور دوسرے کی قیمت دو درہم تھی۔

حضرتؑ نے قیمتی لباس قنبرؓ کو دیا اور کم قیمت کا لباس اپنے لیے رکھ لیا۔

قنبرؓ نے عرض کیا: امیرالمومنینؑ! آپؑ قیمتی لباس لے لیں، کیونکہ آپؑ نے منبر پر خطبہ دینا ہوتا ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: یہ قمیص تمہیں زیب دیتا ہے، کیونکہ تو جوان ہے اور میں بوڑھا ہوں اور مجھے اپنے خدا سے حیا آتی ہے کہ میں رہن سہن میں تجھ پر فوقیت حاصل کروں۔

میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا: "اپنے غلاموں کو وہی کھانا کھلاؤ، جو تم خود کھاتے ہو اور وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو"۔

جب آپؑ نے قمیص پہنی تو اس کے بازو لمبے تھے۔ آپؑ نے لمبا حصہ کاٹ دیا اور درزی سے فرمایا کہ اس سے غرباء کی ٹوپیاں سی دو۔

غلام نے کہا: مولاؑ! اسے کاٹنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے حکم کریں میں اسے سی دیتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: رہنے دو، حکمِ الٰہی اس سے کہیں تیز رفتار ہے۔

اتنے میں نوجوان دکاندار کا والد آپؑ کے پاس آیا اور اس نے کہا: مولاؑ! میرا بیٹا آپؑ کو پہچانتا نہیں تھا، اسی لیے اُس نے آپؑ سے دو درہم منافع لیا ہے۔ آپؑ منافع کے دو درہم

مجھ سے لے لیں۔

آپؑ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے آپس میں بھاؤ پر بحث کی ہے اور ہم نے اپنی رضامندی سے یہ قیمت دی ہے۔

ابن عبدالبر مالکی "استیعاب" میں لکھتے ہیں: ایک مرتبہ معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت علیؑ کے ایک ساتھی ضرار بن ضمرہ سے کہا: میرے سامنے علیؑ کے اوصاف بیان کریں۔

ضرار نے کہا: مجھے اس سے معاف رکھو۔

معاویہ نے کہا: تجھے ضرور اُن کے اوصاف بیان کرنا پڑیں گے۔

ضرار نے کہا: اگر تمھیں اتنا ہی اصرار ہے تو پھر سُن:

"علیؑ بلند نظر اور طاقت ور انسان تھے۔ آپؑ کی ہر بات فیصلہ کن ہوتی اور ہر فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہوتا۔ آپؑ کے اَطراف سے علم ٹپکتا تھا اور آپؑ کے وجودِ مبارک سے حکمت جاری و ساری رہتی تھی۔ آپؑ دنیا اور اُس کی شادابیوں سے وحشت محسوس کرتے تھے۔ آپؑ کو رات کی خاموشی سے خصوصی اُنس تھا۔ آپؑ خوفِ خدا میں بہت موٹے موٹے آنسو بہاتے تھے۔ آپؑ طویل فکر رکھنے والے تھے۔ آپؑ کو کھردرا لباس اور خشک روٹی پسند تھی۔ آپؑ ہمارے درمیان ہوتے تو ہماری ہی ایک جماعت کے فرد دکھائی دیتے تھے۔ جب ہم آپؑ سے کچھ پوچھتے تو آپؑ ہمیں جواب دیتے تھے اور جب ہم اُنھیں دعوت دیتے تو ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے۔ اتنی قربت اور بے تکلفی کے باوجود آپؑ کی ہیبت اس قدر تھی کہ ہمیں بات کرنے کا یارا تک نہ ہوتا تھا۔ آپؑ اہلِ دین کا احترام کرتے تھے اور مساکین کو اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔ کسی طاقت ور کو یہ توقع نہ تھی کہ حضرتؑ اُس کے حق میں فیصلہ دیں گے اور کوئی بھی کمزور انسان اُن کے عدل سے مایوس نہیں تھا۔

مَیں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپؑ کو اس وقت دیکھا جب رات اپنی

زلفیں دراز کر چکی ہوتی اور ستارے ڈوب چکے تھے اس وقت وہ اپنی ریش مبارک کو پکڑے ہوئے تھے اور کسی مار گزیدہ کی طرح سے تلملا رہے تھے اور غم زدہ انسان کے مانند بے ساختہ رو رہے تھے اور آپ کہہ رہے تھے: "اے دنیا! میرے غیر کو جا کر دھوکا دے۔ کیا تو میری طرف متوجہ ہے اور تجھے مجھ سے پیار ہوا ہے؟"

ھیہات، ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہیں۔ اب تو رجوع کا اختیار ہی باقی نہیں رہا۔ تیری عمر کوتاہ ہے اور تیرے خطرات بہت زیادہ ہیں اور تیری زندگی حقیر ہے۔

آہ! زادِ راہ بہت کم ہے اور سفر طویل ہے اور راستہ پُر وحشت ہے۔

جب ضرار یہاں تک پہنچے تو معاویہ رونے لگا: خدا ابوالحسنؑ پر رحم کرے واقعاً وہ ایسے ہی تھے جیسا کہ تُو نے بیان کیا ہے۔

پھر معاویہ نے ضرار سے پوچھا: یہ بتا! علیؑ کی موت کا تمہیں کتنا صدمہ ہوا؟

ضرار نے جواب میں کہا: "مجھے اس عورت کے مانند دُکھ ہوا جس کے بیٹے کو اُس کی آغوش میں قتل کیا گیا ہو اور اس کے آنسو نہ تھمتے ہوں اور اُسے غم سے تسکین حاصل نہ ہوتی ہو"۔

مناقب میں ہے کہ اس کے بعد ضرار روتے ہوئے معاویہ کے دربار سے اُٹھے۔ اُس کے جانے کے بعد معاویہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرے مرنے کے بعد تم میں سے کوئی بھی میری اس طرح سے تعریف نہیں کرے گا جیسا کہ ضرار نے علیؑ کی تعریف کی ہے۔

حاضرین میں سے ایک نے کہا: جیسے آپ ہیں ویسے بھی اہم ہیں۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: "جہاں تک دنیا سے بے رغبتی اور زُہد کا تعلق ہے تو امیرالمومنینؑ تمام زاہدوں کے سردار تھے اور تمام اَبدال کے سرگروہ تھے، اُنھی کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے اور اُنھی کے ہاں عارفین ڈیرہ ڈالتے ہیں۔ آپؑ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ آپؑ کا لباس ہمیشہ کھردرا ہوتا تھا اور کھانا بے لذت ہوتا تھا"۔

عبداللہ بن ابی رافع کا بیان ہے کہ میں عید کے دن امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؑ کے سامنے مہر شدہ ایک تھیلی لائی گئی۔ ہم نے دیکھا کہ اس میں جَو کی باسی روٹی تھی۔

آپؑ نے وہ روٹی کھائی۔

میں نے عرض کیا: امیرالمومنینؑ! آپؑ اس پر مہر کیوں لگاتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں حسنینؑ (شریفین) اس میں گھی یا تیل شامل نہ کردیں۔

آپؑ کے لباس پر پیوند لگے ہوتے تھے۔ کبھی چمڑے اور کبھی لیفِ خرما کے پیوند ہوتے تھے۔ آپؑ کا جوتا لیفِ خرما کا ہوتا تھا۔ آپؑ موٹی پٹ سن کا لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ اور اگر آستین طویل ہوتی تو اُسے کاٹ دیتے تھے۔ اس کی سلائی نہیں کراتے تھے۔ پھر وہ قمیص کے بازو آپؑ کی بانہوں پر جھولتے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بیکار ہوجاتے تھے۔

آپؑ سالن بھی استعمال کرتے تھے۔ آپؑ سرکہ یا نمک کو سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اگر اس سے ترقی کرتے تو پھر ساگ وغیرہ کا سالن کھاتے اور اگر اس سے مزید ترقی کرتے تو اُونٹنی کے دودھ سے کھانا تناول فرماتے تھے۔ آپؑ گوشت بہت کم کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''اپنے شکموں کو حیوانات کا قبرستان مت بناؤ''۔

اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر وغنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوتِ حیدری

علی علیہ السلام اور عفت

بحارالانوار میں عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زوجہ زینب بنت جحش کے حجرہ سے نکل کر حضرتِ اُمِ سلمہؓ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت علیؑ جنابِ اُمِ سلمہؓ کے حجرے کے دروازے پر آئے اور آپؑ نے دروازے پر دستک دی۔

رسولؐ خدا نے اپنی زوجہ سے فرمایا: اُٹھو اور دروازہ کھولو۔

اُمِ سلمہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! نجانے دستک دینے والا کون ہے، جب کہ ہمارے متعلق تو یانساء النبی...... کی آیات نازل ہوچکی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "اُمِ سلمہؓ! رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور رسولؐ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ دروازے پر وہ شخص موجود ہے جو کہ انتہائی ذمہ دار ہے اور اُس میں بُرائی کا کوئی گزر تک نہیں ہے اور وہ گھر میں اس وقت تک قدم نہیں رکھے گا جب تک تمھارے چلنے کی آواز موقوف نہ ہو جائے گی۔ آنے والا اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا ہے اور خدا اُس کے رسولؐ کا محبوب ہے"۔

حضرت اُمِ سلمہؓ اُٹھیں اور آپؑ نے دروازہ کھولا۔ حضرت علیؑ دروازے کی ڈیوڑھی پکڑ کر کھڑے رہے۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ بی بی پردہ کی اوٹ میں چلی گئی ہیں تو اُنھوں نے گھر میں قدم رکھا اور رسولِ خدا پر سلام کیا۔

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: اے اُمِ سلمہؓ! آپ اسے پہچانتی ہو؟

اُنھوں نے عرض کیا: جی ہاں! یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔ اس کی عادت میری عادت کے مانند ہے۔ اس کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور اُس کا خون میرے خون سے ہے......

علی علیہ السلام اور تواضع

حضرت سعد بن معاذ حضرت علی علیہ السلام کے پاس گئے اور اُن سے کہا: آپؑ رسولِ اکرمؐ سے آپؐ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کا رشتہ طلب کیوں نہیں کرتے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: مَیں بھلا رسول اکرم ﷺ کے سامنے اتنی بڑی جسارت کیسے کرسکتا ہوں؟ اگر آنحضرتؐ کے ہاں کوئی کنیز بھی ہوتی تو بھی مَیں یہ جسارت نہ کرتا۔

سعد بن معاذ نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے حضرت علیؑ کی یہ گفتگو نقل کی تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: علیؑ سے کہو کہ وہ ہرگز نہ جھجکے، کھل کر مجھ سے بات کرے، میں اس کا مقصد حل کروں گا۔

جب حضرت علی علیہ السلام تک یہ پیغام پہنچا تو آپؑ رو دیئے اور سعد سے فرمایا: یہ میری خوش نصیبی ہوگی کہ مجھے آنحضرتؐ کی قرابت کے ساتھ آپؐ کی دامادی کا شرف بھی حاصل

ہو جائے۔ میرے والد ابوطالبؑ آنحضرتؐ کے والد کے سگے بھائی تھے۔

بحار میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "جو شخص اپنے بھائیوں سے زیادہ محبت کرتا ہو اور بڑھ چڑھ کر اُن کی حاجات پوری کرتا ہو تو خدا کے ہاں اُس کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ جو شخص دنیا میں اپنے بھائیوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے تو وہ اللہ کے ہاں صدیقین اور شیعانِ امیرالمومنینؑ کا فرد ہے"۔

ایک مرتبہ امیرالمومنینؑ کے پاس باپ بیٹا مہمان ہوئے۔ آپؑ نے اُن کا احترام کیا اور انھیں صدرِ مجلس میں جگہ دی اور خود اُن کے سامنے بیٹھ گئے اور اُن کے لیے کھانے کا حکم دیا۔ الغرض کھانا لایا گیا تو قنبرؓ تھال، لوٹا اور تولیہ لے کر آگے بڑھے۔ حضرتؑ نے تمام چیزیں قنبرؓ سے لے لیں اور جو مہمان باپ تھا آپؑ نے اُس سے فرمایا: ہاتھ آگے بڑھاؤ میں تمھارے ہاتھ دُھلاتا ہوں۔

مہمان نے یہ سنا تو آپؑ کے قدموں پر گر گیا اور عرض کیا: مولاؑ! یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا مجھے اس حال میں دیکھے کہ آپؑ میرے ہاتھ دُھلا رہے ہوں؟!

آپؑ نے فرمایا: خدا دیکھ رہا ہے۔ میں تیرا ایمانی بھائی ہوں۔ تیری خدمت ادا کر کے خدا سے اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ اگر قنبرؓ ہاتھ دُھلاتا تو کیا آپ انکار کرتے؟ تجھے میرے اس عظیم حق کا واسطہ جس کی تمھیں معرفت ہے تم مجھے پانی ڈالنے سے مت روکو۔

الغرض آپؑ نے اُس شخص کے ہاتھ دُھلائے، پھر آپؑ نے فرمایا: اگر یہ تیرا بیٹا نہ ہوتا تو میں اس کے ہاتھ بھی خود دُھلاتا، لیکن باپ اور بیٹے میں فرق ضرور ہونا چاہیے۔ اس لیے تیرے بیٹے کے میں ہاتھ نہیں دُھلاؤں گا۔ میرا بیٹا محمد بن حنفیہؒ اس کے ہاتھ دُھلائے گا۔

حضرت محمد بن حنفیہؒ نے اُس شخص کے بیٹے کے ہاتھ دُھلائے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: "جو شخص مہمان نوازی میں علیؑ کی پیروی کرے گا تو وہ حقیقی شیعہ ہے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "امیرالمومنینؑ اپنے گھر کی لکڑیاں لاتے تھے اور اپنے گھر کا پانی خود بھرا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہراؑ چکی پیستی تھیں، آٹا گوندھتی تھیں

اور روٹیاں پکاتی تھیں"۔

آپؑ نے ایک بار بازار سے کچھ کھجوریں خرید کیں اور اپنی چادر کے پلو میں اُنھیں باندھ کر چلنے لگے۔ لوگوں نے کہا: مولاؑ! یہ کھجوریں ہم اُٹھائیں گے۔

آپؑ نے فرمایا: خاندان کے کفیل کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کے خوردونوش کا سامان خود اُٹھائے۔

آپؑ نمک اور کھجوریں اپنے ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے اور فرماتے تھے: "اگر کوئی شخص اپنے خاندان کو نفع پہنچائے تو اس سے اس کے کمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا"۔

زید بن علی کا بیان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پانچ مقامات پر پاپیادہ جوتا اُتار کر چلا کرتے تھے۔ ان مواقع پر آپؑ جوتے کو بائیں ہاتھ میں اُٹھا لیتے تھے:

① عیدالفطر کے دن ② قربانی کے دن ③ نماز جمعہ پر جاتے ہوئے ④ عیادت پر جاتے ہوئے ⑤ جنازہ کی مشایعت کے وقت۔

آپؑ فرماتے تھے کہ یہ خدا کے خصوصی مقامات ہیں۔ میں یہاں پاپیادہ ہو کر چلنا چاہتا ہوں۔

آپؑ تن تنہا بازاروں میں جاتے تھے۔ وہاں بھٹکے ہوئے افراد کو راستہ دکھاتے اور کمزوروں کی مدد کرتے اور دوکانداروں کے پاس پہنچ کر اُن کے سامنے قرآن کھول کر تلاوت کرتے تھے۔

علی علیہ السلام اور حلم و درگزر

کتاب شریف بحارالانوار میں نہج البلاغہ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ حضرتؑ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے سے ایک حسین عورت کا گزر ہوا، جسے اُن لوگوں نے دیکھنا شروع کیا، جس پر حضرتؑ نے فرمایا:

"ان مردوں کی آنکھیں تاکنے والی ہیں اور یہ نظربازی اُن کی خواہشات کو برانگیختہ کرنے کا سبب ہے، لہٰذا اگر تم میں سے کسی کی نظر ایسی عورت پر پڑے کہ جو اُسے اچھی معلوم

ہوتو اُسے اپنی زوجہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ عورت بھی عورت کے مانند ہے"۔

یہ سن کر ایک خارجی نے کہا: خدا اس کافر کو قتل کرے یہ کتنا بڑا فقیہ ہے۔

یہ سن کر لوگ اُسے قتل کرنے کے لیے اُٹھے۔ آپؑ نے فرمایا: ٹھہرو! زیادہ سے زیادہ گالی کا بدلہ گالی ہوسکتا ہے یا پھر اس کے گناہ سے ہی درگزر کرو۔

حضرت قنبرؓ کا بیان ہے کہ مَیں امیرالمومنینؑ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس گیا۔ خلیفہ نے چاہا کہ خلوت ہو۔

امیرالمومنینؑ نے مجھے اشارہ کیا تو مَیں کچھ دُور چلا گیا۔ خلیفہ نے حضرت علیؑ پر عتاب کیا۔ آپؑ خاموشی سے سر جھکائے اُس کی کڑوی کسیلی باتیں سنتے رہے۔

خلیفہ نے کہا: آپؑ خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میرا جواب تجھے پسند ہی نہیں آئے گا۔ میرے پاس تمہاری پسندیدہ بات موجود نہیں ہے۔

بحار میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کھجور فروشوں کے پاس سے گزرے۔ آپؑ نے دیکھا کہ ایک کنیز رو رہی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اے کنیز! تو کیوں رو رہی ہے؟

اس نے جواب دیا کہ میرے مالک نے ایک درہم دے کر مجھے روانہ کیا اور کہا کہ اس سے کھجوریں خرید کر لاؤ۔ مَیں یہاں آئی اور مَیں نے اس دکاندار سے کھجوریں خریدیں، لیکن وہ کھجوریں مالک کو پسند نہ آئیں۔ اس نے مجھے کہا: جاؤ یہ کھجوریں واپس کرو اور رقم لے کر آؤ۔ مَیں کھجوریں لے کر اس کے پاس آئی۔ اُس نے کھجوریں لینے سے انکار کر دیا ہے اور اب یہ مجھے درہم واپس کرنے پر راضی نہیں ہے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے دکاندار سے فرمایا: بندۂ خدا! یہ بیچاری نوکرانی ہے۔ تم اس سے اپنی کھجوریں واپس لے لو اور اُسے درہم واپس لوٹا دے۔

دکاندار نے آپؑ سے بداَخلاقی کی۔ لوگ آگے بڑھے اور اُسے بتایا کہ جن سے تو تلخ کلامی کر رہا ہے یہ خلیفۃ المسلمین اور امیرالمومنینؑ ہیں۔

دکاندار نے یہ سنا تو اُس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے کنیز کو درہم واپس کیا اور کہنے لگا: امیرالمومنینؑ! مجھ سے گستاخی ہوئی ہے۔ میں آپؑ سے معافی چاہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: لوگوں کو اُن کے حقوق دو گے تو میں تم سے راضی ہو جاؤں گا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؑ نے اپنے ایک غلام کو کئی بار آوازیں دیں، لیکن اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپؑ اُٹھے اور دیکھا کہ وہ گھر کے دروازے پر موجود تھا۔ آپؑ نے فرمایا: تُو نے میری آوازوں کا جواب کیوں نہ دیا؟

اُس نے جواب دیا کہ مجھ سے جواب دینے میں سُستی ہوئی ہے۔ مجھے آپؑ کی عقوبت کا کوئی خوف نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تمام حمد اُس خدا کے لیے ہے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ اُس کی مخلوق مجھ سے خوف زدہ نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے غلام سے فرمایا: جاؤ میں نے تمھیں رضائے خداوندی کے لیے آزاد کر دیا ہے۔

بحار میں اصبغ بن نباتہ کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے ہمیں کوفہ سے مدائن جانے کا حکم دیا۔ ہم اتوار کے دن کوفہ سے روانہ ہوئے۔ عمرو بن حریث اپنے سات دوستوں کے ساتھ ہم سے علیحدہ ہوا اور وہ حیرہ کے قریب خورنق کے مقام پر گئے اور یہ طے کیا کہ ہم یہاں رہ کر سیر و سیاحت کریں گے، پھر بدھ کے دن یہاں سے روانہ ہو کر نمازِ جمعہ میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جا کر مل جائیں گے۔

وہ آٹھوں افراد کھانا کھا رہے تھے کہ ایک سوسمار ظاہر ہوئی۔ اُنھوں نے اُسے پکڑ لیا۔ عمرو بن حریث نے گستاخی کرتے ہوئے کہا: آؤ اس کی بیعت کریں، یہ امیرالمومنین ہے۔ چنانچہ عمرو سمیت اُس کے ساتھیوں نے سوسمار (گوہ) کی بیعت کی۔ پھر وہ بدھ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے اور نمازِ جمعہ کے وقت مدائن میں پہنچے اور مسجد کے دروازے پر گئے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"لوگو! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ایک ہزار راز کی باتیں کی تھیں اور ہر بات کے ایک ہزار دروازے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

"قیامت کے دن ہم تمام لوگوں کو اُن کے امام کے نام سے پکاریں گے"۔

میں تمہارے سامنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں آٹھ افراد ایسے بھی ہیں جنھیں قیامت کے دن سوسمار کے پیروکاروں کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ سوسمار اُن کا امام ہوگا اور اگر میں چاہوں تو اُن کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔

اصبغ بیان کرتے ہیں کہ جب عمرو بن حریث نے مولاؑ کا یہ کلام سنا تو یوں زمین پر گرا جیسے تیز ہوا میں کھجور کا درخت گرتا ہے۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک حلم اور عفو و درگزر کا معاملہ ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ دنیا کے سب سے بڑے حلیم تھے۔ آپؑ کے حلم کا یہ عالم ہے کہ مروان بن الحکم آپؑ کا بدترین دشمن تھا اور وہ جنگِ جمل میں گرفتار ہوا تھا۔ آپؑ نے اُسے بھی رہا کر دیا تھا"۔

عبداللہ بن زبیر آپؑ کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ زبیر ہم اہلِ بیتؑ کا حامی تھا لیکن جب اُس کا بیٹا عبداللہ جوان ہوا تو وہ ہمارا مخالف ہوگیا۔ یہی عبداللہ بن زبیر جنگِ جمل میں گرفتار ہوا۔ آپؑ نے اُس سے بھی درگزر کیا اور آپؑ نے اُس سے کہا کہ دوبارہ کبھی میرے سامنے نہ آنا۔

سعید بن العاص آپؑ کا بدترین دشمن تھا، لیکن جب وہ جنگِ جمل میں گرفتار ہوا تو آپؑ نے اُسے بھی معاف کر دیا۔

حضرت بی بی عائشہ نے جنگِ جمل میں اپنے لشکر کی قیادت کی تھی، لیکن جب بی بی کے لشکر کو شکست ہوئی تو آپؑ نے اُن کا پھر بھی احترام کیا اور بنی عبدالقیس کی بیس عورتوں کو حکم دیا کہ وہ مردانہ لباس پہنیں اور اپنے سروں پر پگڑیاں باندھ کر بی بی عائشہ کی محافظ بن کر اُنھیں مدینہ پہنچائیں۔

خواتین نے تلواریں حمائل کیں اور سروں پر عمامے باندھے۔ راستے میں بی بی عائشہ نے شکوہ کیا کہ علیؑ نے غیر مردوں کو میرے ساتھ بھیج کر میری ہتکِ حرمت کی ہے۔

یہ سن کر اُس وقت محافظ خواتین خاموش رہیں اور جب وہ مدینہ پہنچیں تو اُن خواتین نے اپنے سروں سے عمامے اُتارے اور کہا: ہم سب عورتیں ہیں۔ہم میں ایک بھی مرد نہیں ہے۔

اہلِ بصرہ نے آپؑ کی مخالفت کی تھی اور حضرت بی بی عائشہ کی بھرپور حمایت کی تھی اور امیرالمومنینؑ کے لشکر سے جنگ کی تھی۔لیکن آپؑ کے حلم کا یہ عالم تھا کہ جب اہلِ بصرہ کو شکست ہوئی تو آپؑ نے یہ اعلان کیا کہ کسی بھی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے اور کسی زخمی کو ہلاک نہ کیا جائے اور جو بھی ہتھیار ڈال دے اسے امن حاصل ہوگا اور جو ہمارے لشکر میں آجائے اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔

آپؑ نے ان کے گھروں کو لوٹنے اور ان کی عورتوں کو کنیز بنانے کی اجازت نہیں دی تھی اور اگر آپؑ ایسا کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے لیکن آپؑ نے دشمنوں سے درگزر کر کے حلم و درگزر کی عظیم مثال قائم کی تھی۔

علی علیہ السلام اور انسانی ہمدردی

امالی مفید میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ ایک اعرابی رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آپؐ سے بھوک کی شکایت کی۔

رسولؐ خدا نے اپنی اَزواج کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہارے پاس کچھ موجود ہے تو اس سے اس غریب کی مدد کرو اور اسے کھانا کھلاؤ۔

اَزواج نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہمارے گھر میں پانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر رسولؐ خدا نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو اس مہمان کو رات کا کھانا کھلائے؟

حضرت علیؑ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔

پھر آپؑ اپنے گھر میں تشریف لائے اور اپنی زوجہ سے پوچھا: ''آج رات کے کھانے کے لیے آپؑ کے پاس کیا چیز رکھی ہے؟

حضرت سیّدہؑ نے عرض کیا: ہمارے گھر میں بچی کی خوراک موجود ہے، اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: بچی کو لوریاں دے کر سلاؤ اور چراغ بجھا دو۔ آپؑ مہمان کو لے آئے اور کھانا اُس کے سامنے رکھا۔ مہمان نے جی بھر کر کھانا کھایا اور اس دوران آپؑ اپنے منہ کو ہلا کر یہ تاثر دیتے رہے کہ گویا آپؑ بھی کھانا کھا رہے ہیں۔

مہمان کھانا کھا کر باہر گیا تو حضرت سیّدہؑ نے چراغ روشن کیا تو آپؑ نے دیکھا کہ وہ برتن خدا کے فضل و کرم سے جوں کا توں بھرا ہوا ہے۔

صبح ہوئی، آپؑ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ

ہوکر آنحضرتؐ نے آپؑ کی طرف دیکھا اور رُو دیئے اور فرمایا: تم نے رات جو کام کیا تھا اس سے خدا بہت خوش ہوا اور اُس نے تمہاری شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

"وہ اپنے اُوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں"۔

علیؑ اور کرم پیشہ شاہ مردانِ علیؑ

بحارالانوار میں مرقوم ہے کہ ایک اَعرابی حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: مولاؑ! میں تین طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوں:

① جسمانی بیماری ② غربت کی بیماری ③ جہالت کی بیماری

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اُسے جواب دیا کہ جسمانی بیماری کے لیے کسی طبیب کے پاس جاؤ۔ جہالت کا مرض دُور کرنا چاہتے ہو تو عالم کے پاس جاؤ اور اگر غربت و اَفلاس کا مرض دُور کرنا چاہتے ہو تو پھر کسی کریم اور سخی کے پاس جاؤ۔

اَعرابی نے کہا: میرے عالم بھی آپؑ ہیں اور میرے لیے کریم اور سخی بھی آپؑ ہیں اور میرے لیے طبیب بھی آپؑ ہی ہیں۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ بیت المال سے اُسے تین ہزار درہم دیئے جائیں اور پھر آپؑ نے فرمایا: ایک ہزار درہم سے اپنا علاج کراؤ اور ایک ہزار درہم خرچ کر کے علم حاصل کرو اور ایک ہزار درہم سے اپنے اَفلاس کا علاج کرو۔

ایک اَعرابی نے آپؑ سے سوال کیا: آپؑ نے بیت المال کے خازن سے فرمایا: اسے ایک ہزار دے دو۔

خزانچی نے کہا: سونے کے درہم ہوں یا چاندی کے۔

آپؑ نے فرمایا: میری نظر میں دونوں ہی پتھر ہیں اسے وہ چیز دو جو اس کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔

ابن زبیر نے آپؑ سے کہا کہ میں نے اپنے والد کا بہی کھاتہ چیک کیا ہے۔ اُس نے آپؑ سے اسّی ہزار درہم کا قرض لینا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: تیرا والد سچا تھا، لہٰذا تمھیں اسّی ہزار درہم دیئے جاتے ہیں۔ آپؑ نے مطلوبہ رقم اُس کے حوالے کی۔

دوسرے دن وہ پھر آیا اور کہا: معذرت چاہتا ہوں مجھے مغالطہ ہوا دراصل میرا والد اتنی رقم کے لیے آپؑ کا مقروض تھا۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے وہ رقم تیرے والد کے لیے حلال کی ہے اور جو کچھ تُو نے مجھ سے وصول کیا ہے وہ تیری ملکیت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: امیرالمومنینؑ نے اپنی محنت سے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے تھے۔ آپؑ نے اتنے غلام آزاد کیے جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک مرتبہ آپؑ ایک بوری میں کوئی چیز لے کر جارہے تھے۔ راستے میں کسی نے کہا کہ یہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس میں کھجور کی ایک لاکھ گٹھلیاں ہیں۔ میں اُنھیں کاشت کروں گا۔ خدا کے حکم سے کھجوروں کا باغ پیدا ہوگا۔

آپؑ نے گٹھلیاں لگائیں، اُن میں سے کوئی گٹھلی خراب ثابت نہ ہوئی۔ یوں ایک لہلہاتا ہوا باغ وجود میں آیا۔ آپؑ نے وہ باغ راہِ خدا میں وقف کیا۔ اسی طرح سے آپؑ نے خیبر اور وادی القریٰ میں بھی باغات وقف کیے تھے۔ اس کے علاوہ آپؑ نے چشمہ ابونیزر، بغیبغہ، اُرباح، ارینہ، رعذ، رزین اور رباح کی جائیدادیں بھی وقف فرمائی تھیں۔

آپؑ نے ینبع میں پانی کا کنواں کھدوایا تھا اور اُسے عازمینِ حج کے لیے وقف کیا تھا، اور وہ آج بھی باقی ہے۔ اس کے علاوہ آپؑ نے مکہ اور کوفہ کے راستے میں بہت سے کنوئیں کھدوائے تھے۔ آپؑ نے مدینہ میں مسجد فتح کے پاس اور حضرت حمزہؓ کی قبر کے سامنے بھی کنوئیں کھدوائے تھے۔ علاوہ ازیں آپؑ نے میقات، کوفہ، جامع بصرہ اور عبادان میں بھی کنوئیں کھدوائے تھے۔

احمد بن ابی المقدام عجلی کا بیان ہے کہ ایک شخص امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے کہا کہ مجھے آپؑ سے حاجت ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تم خوددار انسان ہو، سوال کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو، لہٰذا اپنی حاجت زمین پر لکھ دو۔

اس شخص نے زمین پر یہ عبارت تحریر کی:

اَنَا فَقِیْرٌ مُحْتَاجٌ

"میں مفلس اور ضرورت مند ہوں"۔

آپؑ نے قنبرؓ سے فرمایا: "اُسے دو حُلّے پہناؤ"۔

سائل بڑا قدردان تھا۔ اُس نے آپؑ کی تعریف میں فی البدیہہ کئی اشعار کہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: اُسے ایک سو دینار دیئے جائیں۔

کسی نے کہا: امیرالمومنینؑ! آپؑ نے تو اُسے غنی کر دیا۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے رسولؐ خدا سے یہ سنا ہے کہ لوگوں کے مقام و مرتبہ کے مطابق اُن سے سلوک کرو۔ پھر آپؑ نے فرمایا: مجھے لوگوں پر تعجب ہے جو دولت خرچ کر کے غلام خریدتے ہیں، اس کے بجائے بھلائی کر کے آزاد افراد کو کیوں نہیں خریدتے؟

ابوبصیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کی آیت حضرت علی علیہ السلام کی شانِ اقدس میں نازل ہوئی۔

ایوب بن عطیہ حذاء کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فے کو تقسیم کیا۔ حضرت علی علیہ السلام کو اس میں سے کچھ زمین عطا فرمائی۔ وہ زمین ینبع میں تھی۔

حضرت علی علیہ السلام نے اُس میں کنواں کھودا۔ اُس میں اُونٹ کی گردن کی طرح سے پانی برآمد ہوا، پھر آپؑ نے اُسے وقف کر دیا اور فرمایا: اس کی پیداوار سے حجاج بیت اللہ اور مسافروں کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ اسے نہ تو فروخت کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی۔ جس نے اُسے فروخت کیا یا اُس پر ذاتی تصرف جمایا تو اس پر اللہ، ملائکہ

اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔ خدا اُس سے کوئی معاوضہ قبول نہیں کرے گا۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں: جہاں تک سخاوت و کرم کا تعلق ہے تو حضرتؑ کی ذات اس صفت میں بے مثال دکھائی دیتی ہے۔ آپؑ خالی پیٹ روزے رکھتے تھے اور افطار کا سامان ضرورت مندوں کو عطا کر دیتے تھے اور وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا کی آیت میں آپؑ کی سخاوت کو بیان کیا گیا ہے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپؑ کے پاس چار درہم آئے۔ آپؑ نے ایک درہم رات کو صدقہ کیا، ایک درہم دن کو صدقہ کیا، ایک درہم لوگوں کی نگاہ سے چھپا کر صدقہ کیا اور ایک درہم لوگوں کے سامنے صدقہ کیا۔

خدا کو آپؑ کی یہ اَدا اتنی پسند آئی کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

"وہ جو اپنے اموال خرچ کرتے ہیں رات اور دن کے وقت، چھپا کر اور ظاہر کر کے"۔

اُن کی کھجوروں کو اُجرت پر پانی پلاتے تھے۔ اس سے آپؑ کے ہاتھ زخمی ہوگئے اور اس کے عوض جو اُجرت ملتی اُسے راہِ خدا میں خیرات کر دیتے تھے اور خود اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔

شعبی نے یہ بیان کیا کہ حضرت علی علیہ السلام دنیا کے سب سے بڑے سخی تھے اور سخاوت و کرم آپؑ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اور یہ دونوں صفات خدا کو بہت پسند ہیں۔ آپؑ نے پوری زندگی سائل کو "نہ" کبھی نہیں کہا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کا ایک مخالف جس کا نام محقن بن ابی محقن تھا ایک مرتبہ وہ معاویہ کے پاس گیا۔ معاویہ نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟

اُس نے معاویہ کی خوشامد میں کہا کہ میں دنیا کے بخیل ترین شخص علیؑ کے حضور سے تیرے پاس آیا ہوں۔

معاویہ حضرت علیؑ کا دشمن اور مخالف تھا، لیکن وہ بھی اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور

کہنے لگا: تُو اُسے دنیا کا بخیل ترین شخص کیسے کہہ سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس دو گھر ہوں ایک میں سونا بھرا ہو اور دوسرے میں بھوسہ بھرا ہوا ہو تو وہ بھوسہ ختم کرنے سے پہلے سونے کے گھر کو راہِ خدا میں خرچ کر دے گا۔

علی علیہ السلام اور عدل

لفظ "عدل" مظلوم افراد کو بہت بھلا لگتا ہے اور ستم زدہ افراد اس لفظ سے بڑی محبت کرتے ہیں، لیکن یہ لفظ ظالموں کو برا لگتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عدل سے اُن کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔

نفوسِ سلیمہ اس لفظ کی عاشق ہیں اور حکومت کی بنیاد عدل پر ہے اور نظامِ اجتماع اور اُس کا اعتدال عدل پر ہی گردش کرتا ہے۔

مَیں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ کسی بھی اجتماع کی ترقی کا دارومدار عدل پر ہے۔ آج اگر طاقت ور افراد بھیڑیوں کی طرح سے کمزور افراد کو چیر پھاڑ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں عدل کا فقدان ہے۔ متکبر طبقہ عدل کا مخالف ہے اور تاریخ اور وجدان اس کے شاہد عادل ہیں۔ اس بحث کے لیے مجھے زیادہ دلائل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

عدالت کے نفاذ کے لیے خدا پر ایمان اور تقویٰ کا ہونا ضروری ہے اور عدل کو ہر طرح کی رشتہ داری اور دوستی سے بلند وبالا ہونا چاہیے۔ انسانی جذبات کو عدل کے نفاذ میں دخیل نہیں کرنا چاہیے اور عدل کا نفاذ اس وقت ہوسکتا ہے جب انسان ظاہری خطرات کو پسِ پشت ڈال دے اور عدل کی وجہ سے متوقع مشکلات کو خاطر میں نہ لائے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں مذکورہ بالا تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ آپؑ کی ذات مجسمۂ ایمان اور تقویٰ تھی۔ آپؑ راہِ حق میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ آپؑ کی ذات حق کا وہ مجسمہ تھی، جس میں باطل کی آمیزش موجود نہ تھی۔

ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپؑ کے سخت عدل کی وجہ سے لالچی افراد نے آپؑ کا ساتھ چھوڑا تھا۔ آپؑ کے عدل کی وجہ سے اہلِ منصب خوف زدہ رہتے تھے اور جن لوگوں نے خزانے میں خیانت کر کے جائیدادیں بنائی تھیں وہ آپؑ سے ڈر محسوس کرتے تھے۔ جن لوگوں پر حدودِ الٰہیہ کا اجرا لازم ہو چکا تھا اور حکام و قضاۃ کی چشم پوشی کی وجہ سے محفوظ تھے وہ آپؑ کے خالص عدل کو دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے اور حکام کے حاشیہ نشینوں کی آرزوئیں خاک میں مل گئی تھیں۔ آپؑ کے خلاف مذکورہ عوامل نے اتحاد کیا اور آپؑ کے خلاف داخلی جنگیں شروع کرائیں۔

اگر آپؑ طلحہ و زبیر کو اُن کی مرضی کے مطابق کوفہ و بصرہ کی حکومتیں سپرد کر دیتے اور اُنھیں اَموالِ مسلمین کے لوٹنے کی کھلی اجازت دے دیتے تو وہ کبھی آپؑ کو چھوڑ کر حضرت بی بی عائشہ کو میدانِ جنگ میں نہ لاتے۔

اگر آپؑ کو عدل کی پاسداری مطلوب نہ ہوتی تو معاویہ کو بدستور شام کا حاکم بنائے رکھتے اور یوں جنگِ صفین کی کبھی نوبت ہی نہ آتی۔

جی ہاں! عدالت کی وجہ سے آپؑ کی زندگی میں تلخیاں دَر آئی تھیں اور عدالت کی وجہ سے آپؑ راحت و اطمینان سے محروم ہوئے تھے۔ قیامِ عدل کی وجہ سے آپؑ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔

آج صحیح تاریخ آپؑ کی اس فضیلت کا کھلے دل سے اعتراف کرتی ہے اور آپؑ کو سلامِ عقیدت پیش کرتی ہے۔ البتہ کچھ سیاست مدار مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ علیؑ ہر جگہ سیاست پر عدالت کو مقدم رکھتے تھے جب کہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ آپؑ سیاست کو عدالت پر مقدم رکھتے، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اس سیاست کو اُٹھا کر دیوار پر مارا، جو دین کے تقاضوں سے مزاحم تھی۔

آپؑ پیغمبر اکرمؐ کے پہلے تلمذ تھے اور تمام اُمتوں کے معلمِ ثانی تھے۔ اور اگر خدانخواستہ آپؑ سیاستِ وقت کے دھارے کی پیروی کرتے تو تاریخ یہی کہتی کہ آپؑ بس ایک سیاست مدار تھے اور دنیا کے ملوک اور عظیم افراد کی پیشانیاں آپؑ کے درِ عظمت پر کبھی نہ

جھلکتیں اور دنیا کے تمام انصاف پسند آپؑ کی تقدیس کے گن کبھی نہ گاتے۔

ہم آپؑ کی عدالت کے صرف چند نمونے بیان کریں گے اور اس موضوع پر سیر حاصل بحث نہیں کریں گے اور اگر خدا نے موقع دیا تو کسی اور وقت اس عنوان پر مبسوط بحث کریں گے۔

امیر المومنینؑ سے عمرو بن العاص رات کے وقت ملاقات کرنے گیا۔ اس وقت آپؑ بیت المال میں تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کے اموال کا حساب کر رہے تھے اور خزانے کی آمد اور اُس کے اخراجات کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے۔

آپؑ کے سامنے ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا اور اس کا تیل بیت المال سے خریدا گیا تھا، کیونکہ وہ چراغ بیت المال کے لیے مخصوص تھا۔ جب عمرو بن العاص آپؑ کے پاس پہنچا اور اُس نے آپؑ سے کلام کرنا چاہی تو آپ نے وہ چراغ بجھا دیا اور چاند کی روشنی میں بیٹھ گئے۔ آپؑ نے بغیر استحقاق کے کسی کے لیے بیت المال کا تیل خرچ کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

آپؑ نے ایک کھلا مقام بنوایا، جہاں گم شدہ اُونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو رکھا جاتا تھا۔ اس جگہ کو "مربد" کہا جاتا تھا۔ وہاں جانوروں کو اتنا چارہ دیا جاتا تھا کہ وہ کمزور ہوں اور نہ ہی زیادہ فربہ ہوں۔ مالک آکر اپنے جانور کی نشانی بتاتا تو جانور اُس کے حوالے کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی مالک نہ بنتا تو وہ اسی پھاٹک ہی میں رہتے تھے۔

آپؑ کے اِس اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو جانوروں کی بھی فکر تھی اور بیت المال کی بھی فکر تھی۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے کوفہ سے ایک شخص کو عاملِ زکوٰۃ بنا کر روانہ کیا اور اُسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"بندۂ خدا! چلے جاؤ۔ میں تمہیں وحدہٗ لاشریک خدا کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنی آخرت پر اپنی دنیا کو ترجیح نہ دینا۔ اور جس چیز کا تجھے امین بنایا گیا ہے اُس چیز کی حفاظت کرنا اور خدا کے حق کی پوری نگہداشت کرنا اور اس حالت میں اُن لوگوں کے گاؤں میں داخل ہونا اور پورے سکون و وقار کے ساتھ ان لوگوں کے پاس جا کر اُنھیں سلام کرنا، پھر یہ کہنا:

"اے بندگانِ خدا! خدا کے نمائندے نے مجھے تم لوگوں کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہارے اَموال میں سے اللہ کا حق حاصل کروں۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے ذمہ خدا کا حق بنتا ہو؟

جو کہے کہ مجھ پر کوئی حق واجب نہیں ہے تو اُسے چھوڑ دینا اور اگر کوئی شخص "ہاں" کہے تو اس کے ساتھ اُس کے مویشیوں کے باڑے کی طرف چل پڑنا اور اُسے ڈرانے دھمکانے سے پرہیز کرنا۔

یاد رکھو! اس کی اجازت کے بغیر اس کے اَموال میں داخل نہ ہونا، کیونکہ اَموال کے بڑے حصّے کا وہ خود ہی مالک ہے۔ اس سے کہنا کہ اجازت ہو تو میں آپ کے اَموال میں داخل ہو جاؤں؟

جب تمہیں داخل ہونے کی اجازت ملے تو پھر کسی متکبر کے مانند داخل نہ ہونا اور مال کے دو حصّے کرنا اور اُسے ایک حصّہ کے چناؤ کا اختیار دینا۔ وہ جو بھی حصّہ چُنے اس پر اعتراض نہ کرنا۔

پھر جو حصّہ تمہارے پاس ہو اُس کے دوبارہ دو حصّے بنانا اور اس چناؤ کا اختیار دینا۔ پھر اسی طرح سے دو دو حصّے بناتے رہنا۔ پھر جب آخر میں خدا کا حق باقی رہ جائے تو اُسے وصول کر لینا۔ اور جب اَموال جمع کر لو تو کسی خیر خواہ اور امین شخص کو اُس کی حفاظت پر مقرر کرنا۔ اور جب وہ اَموال ہمارے پاس بھیجو تو اَموال لانے والے شخص کو یہ نصیحت کرو کہ وہ ناقہ کے بچے کو ماں کا دودھ پینے سے نہ روکے اور سواری کی وجہ سے اُسے تھکانے سے پرہیز کرے۔ باری باری اُونٹنیوں پر سوار ہوتا رہے اور ہر وقت ایک ہی اُونٹنی پر سوار نہ ہو اور گھاس پھوس کی سرزمین سے ہٹا کر بنجر زمینوں سے نہ لے جائے اور دورانِ سفر جہاں پانی کا گھاٹ ہو جانوروں کو وہاں لے جائے اور اُنھیں پانی پلائے اور یوں اُنھیں تھکائے اور لاغر کیے بغیر صحیح سالم اور تندرست حالت میں ہمارے پاس لے آئے۔

پھر ہم کتاب وسنت کے مطابق مستحقین میں اُنھیں تقسیم کریں گے۔

یہ طرزِ عمل تیرے اَجر کی عظمت کا ذریعہ اور تیری ہدایت کا قریب ترین وسیلہ ثابت ہوگا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے بھیجنے والے کی محنت اور اخلاص پر نظر کرم

فرمائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"وہ سرکاری نمائندہ جو محنت اور خیر خواہی سے عمل کرے اور اپنے امامؑ کا خیر خواہ ہو تو ایسا شخص رفیق اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا"۔

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا: خدا کی قسم! خدا کی ہر حرمت پامال کی جاچکی ہے اور جہان میں کتاب وسنت کو معطل کیا جاچکا ہے اور جب سے امیرالمومنینؑ کی رحلت ہوئی ہے اس کے بعد آج کے دن تک خدا کی حدود پر عمل درآمد نہیں کیا گیا اور کسی حق پر عمل نہیں کیا گیا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: شب و روز کا یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ آخرکار اس حالت کو تبدیل کرے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا اور زندوں کو مارے گا اور حق کو اس کے حق دار کے حوالے کرے گا اور اپنے اس دین کو قائم کرے گا جسے اس نے اپنے اور اپنے نبیؐ کے لیے پسند کیا ہے۔ تمہیں بشارت ہو پھر تمہیں بشارت ہو، پھر تمہیں بشارت ہو، خدا کی قسم! حق صرف تمہارے ہی ہاتھوں میں ہے۔

بحار میں مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد سودہ بنت عمارہ ہمدانیہ کو مجبور ہوکر معاویہ کے پاس جانا پڑا۔ معاویہ نے اُسے ملامت کی کہ اُس نے جنگ صفین میں لوگوں کو معاویہ کے خلاف بھڑکایا تھا۔ آخرکار طویل گفتگو کے بعد معاویہ نے پوچھا: تم کیا چاہتی ہو؟

ہمدانیہ نے جواب دیا: خدا قیامت کے دن تم سے ہمارے معاملات کے متعلق پوچھے گا اور تجھ پر خدا نے ہمارے جو حقوق فرض کیے ہیں اُن کی پامالی کے متعلق بھی ضرور تیرا محاسبہ کرے گا۔ تیری طرف سے ہم پر ایسے حکام مسلط کیے جاتے ہیں، جو ہمیں یوں کاٹتے ہیں جیسا کہ پکی ہوئی فصل کاٹی جاتی ہے اور ہمیں یوں روندتے ہیں جیسا کہ ہرل کو روندا جاتا ہے۔ تیرے حکام ہم پر سختیاں کرتے ہیں اور مظالم کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ اگر اطاعت مقصود نہ ہوتی تو ہم مقابلہ کرتے۔ اب اگر تو اپنے حاکم کو ہم سے معزول کردے تو ہم تیرا شکریہ ادا کریں گے ورنہ تیرا انکار کریں گے۔

معاویہ نے کہا: کیا تُو اپنے قبیلہ کی قوت کی مجھے دھمکی دیتی ہے؟
میں چاہتا ہوں کہ تجھے ترش رو اُونٹ پر قید کر کے اپنے اسی علاقائی حاکم کے پاس بھیجوں اور وہ جو چاہے تمہارے متعلق فیصلہ کرے۔

سودہ نے کچھ وقت کے لیے سر جھکایا، پھر اُس نے یہ اشعار پڑھے:

صلی الالہ علی روح تضمنہا قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا

قد حالف الحق لا یبغی بہ بدلا فصار بالحق والایمان مقرونا

"خدا کی رحمت ہو اُس روح پر جو قبر میں مدفون ہو چکی ہے اور اُس کے ساتھ عدل بھی دفن ہو گیا ہے۔ وہ حق کا حلیف تھا۔ اُس نے حق کے علاوہ کسی کا حلیف بننا پسند نہیں کیا تھا وہ حق اور ایمان کا مجسمہ تھا"۔

معاویہ نے کہا: اس سے تمہاری مراد کون ہے؟

سودہ نے کہا: اس سے میری مراد امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔
میں ایک مرتبہ اُن کے پاس اُن کے عاملِ زکوٰۃ کی شکایت لے کر گئی تھی کیونکہ اُس نے ہم پر زیادتی کی تھی۔ جب میں اُن کی خدمت میں پہنچی تو وہ نماز میں مصروف تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے میری حاجت دریافت کی۔ میں نے اُن کے سامنے اُن کے عامل کی زیادتی کی شکایت کی۔ یہ سن کر وہ رونے لگے اور اُنھوں نے ہاتھ بلند کر کے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

"پروردگارا! تُو میرا اور اُن کا گواہ ہے۔ میں نے اپنے نمائندوں کو ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا"۔

بعدازاں اُنھوں نے ایک کاغذ نکالا اور اس پر یہ تحریر لکھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (سورۂ اعراف: آیت ۸۵)

"تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح ہدایت تم تک پہنچ چکی ہے، لہٰذا ناپ تول صحیح طریقہ سے کرو اور لوگوں کی اشیاء میں کوئی کمی نہ کرو اور اصلاح کے بعد زمین میں بگاڑ پیدا نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو"۔

جب تمہیں میرا یہ خط موصول ہو تو تم وہ مال اپنے پاس محفوظ رکھو، ہماری طرف سے دوسرا نمائندہ آ کر تم سے وصول کرے گا اور ہم نے تمہیں تمہارے منصب سے معزول کیا ہے۔

والسلام!

پھر آپؑ نے وہ خط مجھے دیا تھا۔ آپؑ نے اس پر کوئی مہر وغیرہ نہیں لگائی تھی۔ میں نے وہ خط اس نمائندے کو دیا تھا۔ وہ معزول ہو کر ہم سے چلا گیا تھا۔

معاویہ نے کہا: جو یہ چاہتی ہے اسے لکھ کر اس کے شہر روانہ کرو۔

علی علیہ السلام اور عبادت

امالی میں عروہ بن زبیر سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ ہم مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ محفل میں اہلِ بدر اور بیعتِ رضوان کرنے والوں کے اعمال کی بحث چھڑی۔

ابوالدرداء نے کہا: لوگو! کیا میں تمہیں ایسے شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو کہ مالی طور پر سب سے کمزور ہے، لیکن تقویٰ میں سب سے آگے ہے اور عبادت میں سب سے زیادہ جدوجہد کرنے والا ہے؟

حاضرین نے کہا: بتاؤ اس سے تمہاری مراد کون ہے؟

ابوالدرداء نے کہا: وہ شخصیت امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ہے۔

جب اُنھوں نے حضرت کا نام لیا تو سب کے چہرے بگڑ گئے اور یوں لگا کہ انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

اتنے میں انصاری کھڑا ہوا، اُس نے اُنھیں مخاطب کر کے کہا: عویمر! حاضرین میں سے کسی نے بھی تیری بات کی تائید نہیں کی۔

ابوالدرداء نے کہا: لوگو! سنو، میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے مطابق بات کی ہے۔ تم لوگوں نے جو کچھ دیکھا ہو تم بھی اس کے مطابق بات کرنے کا حق رکھتے ہو۔

میں نے ایک مرتبہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی یہ حالت دیکھی کہ وہ اپنے دوستوں سے جدا ہوئے اور کھجوروں کے جھنڈ میں جا کر نگاہوں سے اُوجھل ہو گئے۔

میں نے اُنھیں تلاش کیا، لیکن وہ مجھے دکھائی نہ دیے۔ میں نے دل میں سوچا کہ وہ گھر چلے گئے ہوں گے۔ اتنے میں مجھے ایک دردناک اور غمگین صدا سنائی دی۔ کوئی رُو رُو کر یہ کہہ رہا تھا:

"اے میرے معبود! مجھ سے کتنی ہی تباہ کن غلطیاں ہوئیں جن پر تُو نے بردباری کرتے ہوئے مجھ پر عذاب نازل نہ کیا اور کتنے جرم صادر ہوئے تُو نے کرم کرتے ہوئے لوگوں میں عیاں نہ کیا۔

اے میرے معبود! اگرچہ میری عمر کا طویل ترین حصّہ تیری معصیت میں بسر ہوا، اور میرے نامۂ اعمال میں گناہ درج ہوئے، لیکن اس کے باوجود مَیں تیری مغفرت سے نااُمید نہیں ہوں اور مَیں تیری رضامندی کے علاوہ اور تجھ سے کوئی توقع نہیں رکھتا"۔

جب میں نے یہ آواز سنی تو اس کی سمت میں چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ خوفِ خدا میں نالہ کرنے والے علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔ میں کھجوروں کی اُوٹ میں کھڑا ہوا۔ اُنھوں نے چند رکعات نماز پڑھی۔ نماز کے بعد گریہ اور مناجات میں مصروف ہوئے۔

میں نے سنا وہ اپنی مناجات میں یہ کہہ رہے تھے:

"میرے معبود! جب میں تیرے عفو و درگزر کو دیکھتا ہوں تو میری خطائیں مجھے ہلکی دکھائی دیتی ہیں اور جب میں تیری پکڑ کو دیکھتا ہوں تو مجھے میری خطائیں بہت زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔

آہ! مجھے یہ خوف کھائے جاتا ہے کہ اگر تُو نے میرے نامۂ اعمال میں ایسی کوئی غلطی دیکھی جو مجھے فراموش ہو چکی ہو اور تُو نے اُس کا احصا کیا ہوا ہو تو تُو نے یہ کہہ دیا کہ اس بندہ کو پکڑو۔ وہ پھر مَیں کیا کروں گا، کیونکہ اس دن کسی پکڑے جانے والے کو اس کا خاندان نہیں چھڑائے گا اور قبیلہ نفع نہیں پہنچا سکے گا"۔

پھر اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا:

"آہ! دوزخ کی آگ اتنی سخت ہے جو کہ جگر اور پھیپھڑوں کو جلا دے گی۔ آہ! وہ آگ جلد کو جھلسا دے گی، اس آگ کے شعلے انسان کو ہر طرف سے گھیر لیں گے"۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے سخت گریہ کیا۔ پھر اچانک ان کی آواز رُک گئی۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید ان پر نیند طاری ہوگئی ہے۔ نمازِ فجر کا وقت قریب ہے، لہٰذا اُنھیں بیدار کرنا چاہیے۔

جب میں وہاں پہنچا تو وہ خشک لکڑی کے مانند پڑے ہوئے تھے۔ میں نے حرکت دی، لیکن وہ بیدار نہ ہوئے۔ میں نے جگانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ نہ جاگے۔ اس وقت میں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کی آیت تلاوت کی اور دل میں کہا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ دنیا سے چلے گئے ہیں۔

مَیں اُن کی وفات کی خبر دینے کی غرض سے حضرت زہراؑ کے گھر کی طرف دوڑا۔ سیّدہؑ نے پوچھا: معاملہ کیا ہے؟

میں نے بی بیؑ کو پورا واقعہ سنایا۔ سیّدہؑ نے فرمایا: ''وہ خوفِ خدا کی وجہ سے بے ہوش ہوئے ہیں اور ان پر اکثر یہ حالت طاری ہوتی رہتی ہے''۔

پھر مَیں پانی لایا اور آپؑ کے چہرے پر چھینٹے مارے تو آپؑ کو غشی سے افاقہ ہوا۔ آپؑ نے میری طرف دیکھا۔ میں اس وقت رو رہا تھا۔ آپؑ نے مجھ سے فرمایا: تم کیوں رو رہے ہو؟

میں نے عرض کیا: میں آپؑ کی یہ حالت دیکھ کر رو رہا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: ابوالدرداء! آخر یہ حالت نہ ہو تو پھر کیا ہو؟ اگر تم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ مجھے حساب کے لیے بلایا گیا ہو اور اہلِ جرائم کو عذاب کا یقین ہو اور سب میرے اطراف میں سخت مزاج فرشتے کھڑے ہوں اور میں جبار بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوں، تمام دوست مجھے چھوڑ چکے ہوں، تو اس وقت تمھیں میری حالت پر بڑا ترس آئے گا، لیکن یہ پیشی اس مالک کے حضور ہوگی، جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے''۔

ابوالدرداء نے یہ واقعہ سنا کر کہا کہ اصحابِ پیغمبرؐ میں سے کوئی بھی علیؑ کے مانند خوفِ خدا رکھنے والا نہیں ہے۔

علامہ معتزلی لکھتے ہیں کہ جہاں تک عبادت کا سوال ہے تو امیرالمومنین علی علیہ السلام تمام

انسانوں سے زیادہ عابد تھے اور آپؑ نماز روزہ میں سب سے ممتاز تھے۔ آپؑ ہمیشہ محوِ مناجات رہتے تھے اور آپؑ قائم اللیل تھے۔ آپؑ کے اَوراد و مناجات کے لیے یہی کافی ہے کہ جنگِ صفین میں لیلۃ الہریر کو جب چاروں طرف سے تلواریں ٹکرا رہی تھیں اور تیروں کی بارش ہو رہی تھی اس وقت بھی آپؑ نے دونوں صفوں کے درمیان مصلّٰی بچھایا اور معمول کی نماز پڑھی اور مناجات کی جب کہ آپؑ کے دائیں بائیں تیر کی برسات ہو رہی تھی، لیکن آپؑ نے کسی بھی چیز کی پرواہ نہ کی اور نماز نوافل پڑھی اور اپنے ورد بجا لائے۔

کثرتِ سجود کی وجہ سے آپؑ کی جبین پر اُونٹ کی طرح گٹھے پڑے ہوئے تھے۔ جب آپؑ امیر المومنینؑ کی دعاؤں اور مناجات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپؑ نے اپنی دُعاؤں میں خدا کی عظمت و جلالت کو کس طرح سے پیش کیا۔ ان دعاؤں کے ہر لفظ سے اِخلاص ٹپکتا ہوا دکھائی دے گا۔

حضرت علی بن الحسینؑ اتنے بڑے عابد تھے کہ لوگ اُنھیں زین العابدینؑ کہا کرتے تھے، لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ آپؑ کی عبادت کا آپؑ کے دادا علی بن ابی طالبؑ کی عبادت سے کیا تناسب ہے؟ آپؑ نے کہا: میری اور میرے دادا کی عبادت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ رسولؐ خدا اور حضرت علی علیہ السلام کی عبادت میں فرق تھا"۔

خوش روئی اور ہیبت

علیؑ مولا خوش روئی سے لوگوں کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ آپؑ کے چہرے پر ہمیشہ ملکوتی تبسم دکھائی دیتا تھا۔ آپؑ خوش رُوئی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپؑ کی خوش روئی دشمنوں کو عیب دکھائی دیتی تھی۔ عمرو بن العاص نے اہلِ شام سے کہا تھا کہ علیؑ زیادہ مذاق کرنے والے انسان ہیں۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

مجھے ابن نابغہ پر تعجب ہے۔ وہ شامیوں سے یہ کہتا ہے کہ میں ہر وقت مزاح کرتا رہتا ہوں اور میں ایک کھلنڈری طبیعت رکھنے والا ہوں۔

عمرو بن العاص نے یہ جملے اپنے پیرومرشد حضرت عمر سے سیکھے تھے۔ حضرت عمر نے آپ کو خلیفہ بنانا چاہا تو یہ کہا تھا کہ خدا تیرے باپ کا بھلا کرے میں آپ کو خلیفہ بناتا لیکن آپ میں حسِ ظرافت پائی جاتی ہے۔

حضرت عمر نے اس سے آگے کچھ نہیں کہا تھا، لیکن عمرو بن العاص نے اس میں مزید اضافہ کیا اور اس طرح سے آپ کی شان کو کم کرنا چاہا تھا۔

صعصعہ بن صوحان اور حضرت ؑ کے دیگر اصحاب کا بیان ہے کہ حضرت ؑ ہمارے درمیان ہوتے تو ہمارے ہی فرد دکھائی دیتے تھے۔ آپ ؑ بڑے نرم مزاج اور اِنکساری کرنے والے انسان تھے۔ اس کے باوجود ہم ان کی ہیبت سے لرزاں رہتے تھے اور یوں محسوس کرتے تھے جیسا کہ کوئی آدمی جلاّد کے سامنے سر جھکا کر خوف زدہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ معاویہ نے قیس بن سعد سے کہا کہ خدا ابوالحسن ؑ پر رحم کرے وہ پُر مزاح انسان تھے۔

قیس نے کہا: جی ہاں! رسولِ اکرم ﷺ بھی اپنے اصحاب سے مزاح کرتے تھے اور تبسم کیا کرتے تھے، جب کہ تم ہمیشہ ناراض اور رُوٹھے ہوئے شخص دکھائی دیتے ہو، مگر اس حسِ مزاح کے باوجود آپ ؑ کی ہیبت ہبر شیر سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ آپ ؑ کی ہیبت تقویٰ کی وجہ سے تھی، جب کہ تمہاری ہیبت تمہارے ظلم و ستم کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے اہلِ شام تم سے ہیبت زدہ ہیں۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اور خصائص

پھر علی مولاؑ نے سورج پلٹایا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ

''کیا وہ لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ خدا نے اُنھیں اپنا فضل عطا کیا ہے''۔(سورۂ نساء: آیت ۵۴)

ہماری آج کی گفتگو امیر المومنین علی علیہ السلام کے خصائص اور آپؑ کے مخصوص فضائل کے حوالے سے ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں عنایتِ الٰہی جن کے شاملِ حال ہوتی ہے اور توفیقِ پروردگار ان کی معاون ہوتی ہے اور وہ خدا کی طرف سے نعمات و فضائل کے حق دار قرار پاتے ہیں اور وہ دوسروں سے ہر سطح پر ممتاز دکھائی دیتے ہیں، اور خدا اُنھیں ایسی شخصیت عطا کرتا ہے جس کا ہمیشہ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہمیں ایسے افراد بھی دکھائی دیتے ہیں جو اس طرح کے امتیازات سے محروم ہوتے ہیں اور محرومی کی وجہ ان میں استعداد کا نہ ہونا ہے یا پھر اُنھیں اس طرح کے حالات میسر ہی نہیں آتے، اس لیے ان کا معاشرے میں کوئی وزن نہیں ہوتا اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اس طرح کے لوگوں میں اپنی حقارت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنے آپ کو پست سمجھتے ہیں اور جب احساسِ کمتری عروج پر پہنچتا ہے تو اُن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ صاحبانِ امتیاز کے امتیازات اور ان کی عزت و عظمت کا انکار کیا جائے۔ اس طرح کے

افراد اپنے حسد کے جذبات کو اس طرح سے تسکین پہنچاتے ہیں۔ ادھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فضائل سے محروم افراد کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور صاحبانِ فضائل افراد کی تعداد کم ہوتی ہے اور صاحبانِ فضائل کی فضیلت میں جتنا اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی حاسدین کے حسد میں اضافہ ہوتا ہے۔

انسان میں جب تک ایمانِ کامل اور تقدیر پر رضامندی اور محسود کے فضائل کی جستجو کا جذبہ موجود نہ ہو اس وقت تک وہ حسد کی حشر سامانیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریمؐ اور اُن کی اہلِ بیتؑ پر بے شمار انعامات فرمائے جس کی وجہ سے دنیا میں اُن کے حاسدوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

ہم نے جس آیتِ مجیدہ کو سرنامۂ کلام بنایا ہے، اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں سے حسد کیا جاتا ہے، سے مراد عترتِ رسولؐ کے افراد ہیں۔

ہم آج کی محفل میں امام علیہ السلام کے چند خصائص پر گفتگو کریں گے اس سے قبل ہم نے کچھ خصائص امامؑ بیان بھی کیے تھے۔ ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ حضرتؑ کے جملہ فضائل آپؑ کے لیے مخصوص ہیں اور ان میں آپؑ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

ایسے ہی خصائص میں ردِ شمس کا واقعہ شامل ہے۔ سورج کے پلٹنے کے متعلق شیعوں کو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک نہیں ہے اور شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سورج خدا کا پیدا کردہ ہے اور خالق اگر سورج کو پلٹانا چاہے تو وہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے اور سورج کا پلٹنا عقل و قدرت کے لحاظ سے ناممکن نہیں ہے اور اس سے اجتماعِ ضدین بھی لازم نہیں آتا۔

ہمیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا کی قبولیت کا بھی یقین ہے اور اس طرح سے ہمیں حضرت علی علیہ السلام کی عظمت اور استجابتِ دُعا کا بھی یقین ہے، لہٰذا ہماری نظر میں سورج کا پلٹانا ہرگز تعجب خیز نہیں ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اسماء بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمینِ خیبر میں صہبا کے مقام پر نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کو کسی کام کے لیے روانہ کیا۔ جب علیؑ واپس آئے تو اُس وقت آنحضرتؐ نمازِ عصر پڑھا چکے تھے۔ علیؑ آ کر

آپؐ کے پاس بیٹھے۔ آپؐ نے اپنا سر اُن کی گود میں رکھا اور سو گئے۔

حضرت علیؑ نے آپؐ کے سر کو ہٹانا پسند نہ کیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسولؐ خدا اُٹھے اور علیؑ سے فرمایا: کیا آپؑ نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! نہیں پڑھی۔

اس وقت آنحضرتؐ نے دُعا کی: پروردگارا تیرے بندے علیؑ نے اپنے نبیؐ کے لیے اپنے آپ کو ایک جگہ پر بٹھائے رکھا، اس کی نماز کے لیے سورج لوٹا دے۔

اسماء کا بیان ہے کہ سورج طلوع ہوا اور پہاڑوں پر بلند ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام اُٹھے اور آپؑ نے وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر سورج ڈوب گیا۔

شیعہ محدثین اس فضیلت پر متفق ہیں اور انھوں اپنے منابع حدیث میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کے لیے دوبار سورج پلٹایا تھا۔

پہلی بار رسولؐ خدا کی حیاتِ طیبہ میں اور دوسری بار آپؑ کے ایامِ خلافت میں۔ اس وقت آپؑ حلہ کے قریب سرزمینِ بابل سے گزر رہے تھے، جیسا کہ نصر بن مزاحم سے منقول ہے کہ مجھ سے عمر بن عبداللہ بن یعلی بن مرہ ثقفی نے اپنے والد عبد خیر کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بابل کی سرزمین سے گزر رہا تھا، اتنے میں نمازِ عصر کا وقت ہو گیا۔ ہم جہاں بھی جاتے تو وہاں خراب زمین پاتے، یہاں تک کہ ہم نسبتاً بہتر سرزمین پر پہنچے۔ اس وقت سورج کے غروب ہونے میں چند لحات باقی رہ گئے تھے۔ حضرت علیؑ گھوڑے سے نیچے اُترے اور آپؑ کے ساتھ ہم بھی اپنی سواریوں سے اُترے اور ہم سب نے وضو کیا۔ اتنے میں سورج بھی ڈوب گیا۔ اس وقت آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو سورج پلٹ آیا۔ ہم نے عصر کی نماز پڑھی پھر سورج ڈوب گیا۔

علل الشرائع میں جویریہ بن مسہر سے منقول ہے کہ ہم نے عصر کے وقت حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ "جسر الصراۃ" کو عبور کیا۔

آپؑ نے فرمایا کہ یہ زمین عذاب شدہ ہے۔ نبیؐ اور نبیؐ کے وصی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی جگہ پر نماز پڑھے۔ البتہ اگر تم میں سے کوئی نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

لوگ نماز پڑھنے کے لیے دائیں بائیں پھیل گئے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں تو حضرتؑ کی اقتداء میں نماز پڑھوں گا اور جب تک وہ نماز نہ پڑھیں تب تک میں بھی نماز نہیں پڑھوں گا۔

ہم نے سفر جاری رکھا، سورج ڈھلتا رہا۔ میں دل ہی دل میں بہت ڈرا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس وقت آپؑ نے فرمایا: جویریا اذان دیں۔ میں نے اذان دی۔ پھر فرمایا کہ اقامت کہو۔ میں نے اقامت شروع کی۔ جب میں نے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہا تو میں نے دیکھا کہ آپؑ کے لب متحرک ہیں۔ میں نے ایسا کلام سنا جو کہ عبرانی زبان کے مشابہ تھا۔ پھر اچانک سورج واپس لوٹا اور عصر کے مقام پر آ گیا۔ آپؑ نے نماز ادا کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو سورج دوبارہ ڈوب گیا اور ستارے نظر آنے لگے۔

میں نے بے ساختہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ رسولؐ خدا کے وصی ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تُو نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (اپنے عظیم رب کے نام کی پاکیزگی بیان کرو)۔

میں نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے بھی اللہ کو اُس کے عظیم نام کا واسطہ دے کر سوال کیا تھا۔ خدا نے سورج کو پلٹا دیا۔

بحارالانوار کی اس روایت میں ردِ شمس کی دونوں روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر ایسے معجزات کو ظاہر کیا جنھیں لوگ آج تک بیان کر رہے ہیں اور محدثین و مؤرخین نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور شعراء نے اس کے متعلق اشعار کہے ہیں۔ ایسے ہی معجزات میں ردِ شمس کا واقعہ بڑی شہرت رکھتا ہے۔ آپؑ کے لیے خدا نے دو مرتبہ سورج کو پلٹایا۔ پہلی بار رسولؐ خدا کی زندگی میں سورج پلٹا تھا اور دوسری بار آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اور آپؑ کے زمانہ خلافت میں پلٹا تھا۔

پہلی بار سورج کے پلٹنے کی اسماء بنت عمیس، اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ اور جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور ابوسعید خدری کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت نے نقل کیا اور یہ کہا: ایک

دن آپؑ اپنے گھر میں تھے اور حضرت علیؑ آپؐ کے سامنے بیٹھے تھے کہ جبرئیل امینؑ آپؐ پر نازل ہوئے۔ جب وحی شروع ہوئی تو آنحضرتؐ حضرت علیؑ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ جب آپؐ نے سر اُٹھایا تو سورج ڈوب چکا تھا۔ اس دوران حضرت علیؑ نے اشاروں سے عصر کی نماز پڑھ لی تھی۔

جب آنحضرتؐ نے آنکھ کھولی تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: کیا نمازِ عصر آپؑ سے فوت ہوگئی ہے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ آرام فرما رہے تھے اور وحی سننے میں مصروف تھے اس لیے میں نے اشاروں سے نماز پڑھ لی ہے۔

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: خدا سے دعا مانگو کہ وہ تمھارے لیے سورج پلٹا دے، تاکہ تم مکمل طور پر نماز پڑھ سکو۔ تم خدا اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت میں مصروف تھے، اس لیے خدا تمھاری دعا کو قبول کرے گا۔

حضرت علیؑ نے اللہ تعالیٰ سے سورج پلٹانے کی دعا مانگی اور سورج پلٹا اور عصر کے مقام پر آگیا۔ آپؑ نے نمازِ عصر ادا کی، پھر سورج ڈوب گیا۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ آپؑ بابل سے فرات کو عبور کرنا چاہتے تھے۔ آپؑ کے بہت سے ساتھی اپنی سواریوں کو تبدیل کرنے میں مصروف رہے۔ آپؑ نے چند افراد کو عصر کی نماز پڑھائی، لیکن لوگوں کی اکثریت کو دریا عبور کرتے ہوئے شام ہوگئی اور سورج ڈوب گیا اور ان کی نماز قضا ہوگئی۔

پھر سارا لشکر آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نماز قضا ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ جب آپؑ نے اُن کی گفتگو سنی تو آپؑ نے خدا سے سورج پلٹانے کی دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ڈوبا ہوا سورج پھر عصر کے مقام پر پلٹ آیا۔ آپؑ نے لوگوں کو نمازِ عصر پڑھائی۔ جیسے ہی نماز تمام ہوئی تو سورج ڈوب گیا۔

آپؑ کے اصحاب نے اس نعمتِ خداوندی پر بہت زیادہ تسبیح وتہلیل وتکبیر کہی اور یہ خبر جنگل کی آگ کے مانند لوگوں میں پھیل گئی۔

حدیث ردِ شمس نقل کرنے والے سُنّی علمائے کرام

علمائے اہلِ سنت میں سے حسب ذیل علماء نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے:

① ابوبکر الوراق نے اپنی کتاب من ردی رد الشمس میں اس واقعہ کو لکھا۔

② ابوالحسن شاذان فضیلی نے اس عنوان پر مکمل رسالہ تالیف کیا۔

③ حافظ ابوالفتح محمد بن حسین ازدی الموصلی نے اس موضوع پر مکمل کتاب لکھی۔

④ ابوالقاسم الحاکم ابن الحداد حسکانی نیشاپوری نے اس عنوان پر رسالہ لکھا، جس کا نام مسألة فی تصحیح رد الشمس ہے۔

⑤ ابوعبداللہ الجعل حسین بن علی البصری ثم البغدادی نے اس موضوع پر کتاب لکھی، جس کا نام "جواز ردّ الشمس رکھا۔

⑥ اخطب خوارزم ابوالمؤید موفق بن نے اس عنوان پر ایک کتاب لکھی جس کا نام اُنھوں نے رد الشمس لامیر المومنین رکھا۔

⑦ ابوعلی الشریف محمد بن اسعد بن العمر الحسن نقیب نسابہ نے ردِ شمس کی حدیث کے جملہ طرق کو یکجا کیا اور اُنھوں نے کتاب کا نام طرق حدیث رد الشمس لعلی رکھا تھا۔

⑧ ابوعبداللہ محمد بن یوسف دمشقی الصالحی، اُنھوں نے اس عنوان پر کامل کتاب لکھی جس کا نام مزیل اللبس عن حدیث رد الشمس رکھا۔

⑨ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر رسالہ لکھا، جس کا نام کشف اللبس عن حدیث رد الشمس ہے۔

⑩ حافظ ابوالحسن عثمان بن ابی شیبہ العبسی الکوفی نے اس واقعہ کو اپنی سنن میں لکھا۔

⑪ حافظ ابوجعفر احمد بن صالح المصری نے اس روایت کو نقل کیا۔

⑫ محمد بن حسین ازدی نے اس واقعہ کو اپنی کتاب "مناقب علیؑ" میں لکھا۔

⑬ حافظ ابوبشر محمد بن احمد دولابی نے اس واقعہ کو "الذریۃ الطاہرۃ" میں لکھا۔

⑭ حافظ ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی نے اس حدیث کو "مشکل الآثار" میں نقل کیا۔

⑮ حافظ ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی نے اس واقعہ کو بیان کیا۔

(۱۶) حافظ ابوالقاسم طبرانی نے اس واقعہ کو "معجم کبیر" میں لکھا۔
(۱۷) حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے اسے "تاریخ نیشاپور" میں نقل کیا۔
(۱۸) حافظ ابن مردویہ اصفہانی نے اس روایت کو "المناقب" میں لکھا۔
(۱۹) ابواسحاق ثعلبی نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں لکھا۔
(۲۰) فقیہ ابوالحسن علی بن حبیب بصری البغدادی الشافعی نے اس واقعہ کو پیغمبر اکرمؐ کے معجزہ کے عنوان سے "اعلام النبوۃ" میں لکھا۔
(۲۱) حافظ ابوبکر بیہقی نے اس واقعہ کو "الدلائل" میں لکھا۔
(۲۲) حافظ خطیب بغدادی نے اسی واقعہ کو "تلخیص المتشابہ" میں لکھا۔
(۲۳) حافظ ابوزکریا اصفہانی المعروف ابن مندہ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب "المعرفۃ" میں نقل کیا ہے۔
(۲۴) حافظ قاضی عیاض ابوالفضل المالکی الاندلسی نے اس روایت کو "الشفاء" میں نقل کیا ہے۔
(۲۵) اخطب خوارزمی نے اُسے "المناقب" میں نقل کیا۔
(۲۶) حافظ ابوالفتح النطنزی نے اسے "الخصائص العلویہ" میں نقل کیا ہے۔
(۲۷) ابوالمظفر یوسف قزاوغلی الحنفی نے اسے "التذکرۃ" میں بیان کیا ہے۔
(۲۸) حافظ ابوعبداللہ محمد بن یوسف الگنجی الشافعی نے اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں اس واقعہ کے لیے ایک فصل مخصوص کی ہے۔
(۲۹) ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد انصاری الاندلسی نے اس واقعہ کو اپنی کتاب "التذکرۃ باحوال الموتیٰ وامور الآخرۃ" میں بیان کیا ہے۔
(۳۰) شیخ الاسلام حموینی نے اسے "فرائد السمطین" میں نقل کیا ہے۔
(۳۱) حافظ ولی الدین ابوزرعہ عراقی نے اسے "طرح التقریب" میں لکھا ہے۔
(۳۲) امام ابوالربیع سلیمان السبی المعروف ابن سبع نے اس واقعہ کو اپنی کتاب "شفاء الصدور" میں نقل کیا ہے۔
(۳۳) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے "فتح الباری" میں نقل کیا ہے۔

۲۴ امام بدرالدین عینی الحنفی نے اسے عمدۃ القاری میں لکھا۔

۲۵ حافظ سیوطی نے اسے "جمع الجوامع" میں نقل کیا ہے۔

۲۶ نورالدین سمہودی الشافعی نے اسے "وفاء الوفاء" میں لکھا ہے۔

۲۷ حافظ ابوالعباس قسطلانی نے اسے "المواهب اللدنیہ" میں بیان کیا ہے۔

۲۸ حافظ ابن الربیع نے اسے "تمییز الطیب من الخبیث" میں بیان کیا ہے۔

۲۹ سید عبدالرحیم بن عبدالرحمن العباسی نے اس واقعہ کو "معاہد التنصیص" میں نقل کیا ہے۔

۳۰ حافظ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی نے اس واقعہ کو "الصواعق المحرقہ" میں لکھا۔

۳۱ مُلّا علی قاری نے اس واقعہ کو "المرقاۃ فی شرح المشکوٰۃ" میں لکھا۔

۳۲ نورالدین حلبی الشافعی نے اس واقعہ کو "سیرتِ نبویہ" میں لکھا۔

۳۳ شہاب الدین خفاجی الحنفی نے اسے "شرح الشفاء" میں لکھا۔

۳۴ ابوالعرفان شیخ برہان الدین ابراہیم بن حسن شہاب الدین الکردی الکورانی نے اسے "الامم لایقاظ الھمم" میں لکھا۔

۳۵ ابوعبداللہ زرقانی المالکی نے "شرح مواهب" میں اس واقعہ کو صحیح کہا ہے۔

۳۶ شمس الدین الحنفی الشافعی نے اسے سیوطی کی "الجامع الصغیر" کے تعلیقہ میں لکھا ہے۔

۳۷ میرزا محمد بدخشی نے اسے "نزل الابرار" میں لکھا ہے۔

۳۸ شیخ محمد صبان نے اسے "اسعاف الراغبین" میں لکھا ہے۔

۳۹ شیخ محمد امین بن عمر المعروف ابن عابدین دمشقی نے اسے اپنی کتاب "حاشیہ" میں لکھا ہے۔

۵۰ سید احمد زینی دحلان الشافعی نے اسے سیرتِ حلبیہ کے حاشیہ سیرتِ نبویہ میں لکھا ہے۔

۵۱ سید محمد مومن شبلنجی نے اسے "نورالابصار" میں لکھا ہے۔

وضاحت: ہم نے مذکورہ بالا حوالہ جات علامہ بزرگوار شیخ امینی کی کتاب "الغدیر" سے نقل کیے ہیں۔ شعراء نے اس موضوع پر قصائد بھی لکھے ہیں جنھیں ہم بغرضِ اختصار نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

حدیث طیر (بھنے ہوئے پرندہ کی حدیث)

احتجاج طبرسی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے:

"نمازِ فجر کے بعد رسولِؐ خدا اور میں کچھ دیر تک مسجد میں بیٹھے رہے۔ پھر آنحضرتؐ اُٹھے تو میں بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے کہیں جانا ہوتا تو مجھے بتا دیتے تھے اور اگر اُنھیں دیر ہوتی تو میں اس جگہ اُن کی خیریت معلوم کرنے کے لیے چلا جاتا تھا کیونکہ میرا دل ایک لمحہ کی جدائی کو برداشت نہیں کرتا تھا۔

اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ عائشہؓ کے حجرے میں جا رہے ہیں۔ چنانچہ آپؐ اپنی زوجہ کے حجرے میں چلے گئے اور میں اپنے گھر آ گیا اور وہاں پہنچ کر حسنین شریفینؑ کے ساتھ دل لگی کرنے لگا۔ پھر میں اُٹھا اور حضرت بی بی عائشہؓ کے حجرے میں آیا۔ میں نے دستک دی۔

بی بی عائشہ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں علیؑ ہوں۔

بی بی عائشہ نے کہا: رسولِؐ خدا سوئے ہوئے ہیں۔

میں واپس چلا آیا لیکن دل کو سکون نہ آیا، پھر واپس گیا اور دستک دی۔

بی بی عائشہ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے بتایا: میں علیؑ ہوں۔

بی بی نے کہا: آپؐ اپنی حاجت پوری کر رہے ہیں۔ مجھے دستک دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی لیکن مجھ میں آنحضرتؐ کی جدائی کی تاب باقی نہ رہی۔ پھر میں تیزی سے واپس آیا اور زور سے دستک دی۔

بی بی عائشہ نے کہا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں علیؑ ہوں۔

رسولِؐ خدا نے فرمایا: عائشہ آنے والے کے لیے دروازہ کھولو۔ چنانچہ دروازہ کھلا اور میں گھر میں داخل ہوا۔ آنحضرتؐ نے مجھے بتایا اور فرمایا: مجھ سے دیر کرنے کی داستان تم بیان کرو گے یا میں اپنی داستان تم سے بیان کروں؟

میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ بیان فرمائیں۔ آپؐ کا بیان زیادہ خوبصورت ہوتا

ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے بھوک نے ستایا اور میں عائشہ کے حجرہ میں آیا کہ شاید ان کے پاس کچھ کھلانے کے لیے موجود ہو۔ میں کافی دیر تک بیٹھا رہا لیکن انھوں نے کھانے کے لیے کوئی چیز پیش نہ کی۔ پھر میں نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ کھڑے کیے اور اس سے کھانے کے لیے کچھ طلب کیا۔ جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور وہ یہ بھنا ہوا پرندہ لے آئے اور کہا: آپؐ کا پروردگار یہ کہتا ہے: یہ جنت کا پاکیزہ ترین طعام ہے آپؐ اسے تناول فرمائیں۔

میں نے اللہ کی حمد کی اور جبرئیلؑ واپس چلے گئے۔ میں نے دعا کے لیے ہاتھ کھڑے کیے اور بارگاہِ توحید میں عرض کیا: پروردگارا! اپنے اس بندے کو بھیج جو تیرا اور میرا محب ہو اور وہ میرے ساتھ مل کر اس پرندے کا گوشت کھائے۔ میں نے کافی انتظار کیا، لیکن کسی نے دستک نہ دی۔ پھر مَیں نے خدا سے دوبارہ درخواست کی: خدایا! اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج جو تیرا اور میرا محب ہو اور میرا اور تیرا محبوب ہو اور وہ میرے ساتھ مل کر اس پرندے کے گوشت کو کھائے۔

اتنے میں تم نے دستک کی اور تمھاری آواز سنی تو مَیں نے عائشہ سے کہا: دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھلا تو تم آئے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے تجھے اللہ اور رسولؐ کا محب اور اللہ اور رسولؐ کے محبوب کا درجہ دیا۔ اب تم میرے ساتھ مل کر پرندے کا گوشت کھاؤ۔

پھر میں نے رسولِؐ خدا کے ساتھ مل کر بہشتی پرندے کا گوشت کھایا۔ بعدازاں رسولِؐ اکرم نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ! اب آپؑ اپنا حال سنائیں۔

میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ سے جدا ہونے کے بعد میں اپنے گھر گیا اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ دل لگی کرنے میں مصروف تھا۔ پھر اچانک دل میں آپؐ کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا۔ میں نے دستک دی تو بی بی عائشہ نے کہا: آپؐ سو رہے ہیں۔ میں واپس گیا، لیکن پھر راستے سے ہی واپس آیا اور دوبارہ دستک دی۔ بی بی عائشہ نے کہا: آپؐ مصروفِ حاجت ہیں۔ میں واپس گیا لیکن آپؐ کی جدائی برداشت نہ ہوسکی۔ میں تیسری بار آیا اور زور سے دستک دی جس کی وجہ سے آپؐ نے اپنی زوجہ کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: خدا نہیں چاہتا تھا کہ یہ اعزاز تمہارے علاوہ کسی اور کو دے۔ پھر

آپؐ نے بی بی عائشہ سے فرمایا: تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟

بی بی نے جواب دیا کہ میں چاہتی تھی کہ میرے والد آپؐ کی دعا کا ثمر بن کر آئیں اور آپؐ کے ساتھ اس پرندے کے گوشت کو تناول فرمائیں۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: حدیثِ طیر کو بہت سے محدثین نے اپنی کتبِ حدیث میں نقل کیا ہے۔ حسب ذیل علماء نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

① ابو عیسیٰ ترمذی نے جامع ترمذی میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

② ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

③ بلاذری نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

④ خرگوش نے شرف المصطفیٰ میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

⑤ سمعانی نے فضائل الصحابہ میں اسے نقل کیا ہے۔

⑥ طبری نے ''الولایہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

⑦ ابن البیع نے صحیح میں اسے لکھا ہے۔

⑧ حافظ ابو یعلیٰ نے اسے مسند میں لکھا ہے۔

⑨ احمد نے اسے ''الفضائل'' میں لکھا ہے۔

⑩ نطنزی نے اسے اختصاص میں لکھا ہے۔

ان کے علاوہ محمد بن یحییٰ ازدی، سعید، مازنی، ابن شاہین، سدی، ابوبکر بیہقی، مالک، اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، عبدالملک بن عمیر، مسعر بن کدام، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس اور ابو حاتم نے اس حدیث کو انس، ابن عباسؓ اور اُمِ ایمنؓ کی زبانی نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں ابن بطہ نے اسے ''الابانہ'' میں دو طریق سے نقل کیا ہے اور خطیب اور ابوبکر نے تاریخ بغداد میں اسے سات طرق سے نقل کیا ہے۔

احمد بن محمد بن سعید نے اس حدیث پر مفصل کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب الطیر ہے۔

قاضی احمد کا بیان ہے کہ میرے نزدیک حدیث طیر صحیح ہے۔

ابو عبداللہ بصری کا قول ہے کہ صحیح اخبار کے متعلق ابو عبداللہ جبائی کا طریقہ اس خبر کی

صحت کا متقاضی ہے کیونکہ حضرت علیؑ نے شوریٰ کے دن صحابہ کے مجمع میں اس حدیث کو نقل کیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا تھا۔

شیخ کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے روز شوریٰ صحابہ کے مجمع میں اپنے فضائل کے اثبات کے لیے اس حدیث کو بیان کیا تھا۔ وہاں پر جملہ صحابہ نے اس حدیث کا اقرار کیا تھا، لہٰذا اس حدیث کا علم روز شوریٰ کے علم کے مانند ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔

اُمت اسلامیہ میں اختلاف کے باوجود کسی نے بھی اس حدیث کا انکار نہیں کیا۔

مجھ سے یہ حدیث ابوالعزیز کاوش العکبری نے ابی طالب حربی العشاری کی سند سے، اور اس نے ابن شاہین الواعظ کی کتاب "ماقرب سندہ" کے حوالے سے بیان کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ مجھ سے اس حدیث کو نصر بن ابی القاسم الفرائضی نے بیان کیا۔ اس نے کہا: مجھ سے محمد بن عیسیٰ جوہری نے، اس نے کہا کہ مجھ سے نعیم بن سالم بن قنبر نے بیان کیا کہ انس بن مالک نے یہ کہا...... الخبر۔

علی بن ابراہیم نے اپنی کتاب "قرب الاسناد" میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

پینتیس صحابہ نے اسے اس واقعہ کو انس سے نقل کیا اور دس صحابہ نے اس واقعہ کو براہِ راست رسولِ اکرمؐ کی زبانی نقل کیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ اللہ اور رسولؐ حضرت علیؑ سے پیار کرتے تھے اسی لیے آپؑ کی اقتدا واجب ہے۔

پرندہ کی حدیث لکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ حضرتؑ کی امامت کا بھی اقرار کریں۔

حدیث طیر بطریق دیگر

حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ انس بن مالک پٹی باندھے ہوئے تھا۔ اس سے پوچھا گیا: تمہیں یہ کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: یہ علیؑ کی بددعا کا اثر ہے۔

پوچھا گیا: وہ کیسے؟

انس نے جواب دیا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کسی نے بھنا ہوا پرندہ بھیجا۔

رسولِؐ خدا نے دعا مانگی: خدایا! ایسے شخص کو بھیج جو تمام مخلوق میں سے تجھے زیادہ محبوب ہو اور میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے۔

اتنے میں حضرت علیؑ آئے اور انھوں نے آنحضرتؐ کے پاس جانا چاہا۔ میں آنحضرتؐ کا دربان تھا۔ میں نے کہا کہ رسولِؐ خدا مصروف ہیں، وہ اس وقت آپؑ سے ملاقات نہیں کر سکتے۔

اصل بات یہ تھی کہ میں یہ چاہتا تھا کہ میری قوم انصار میں سے کوئی شخص آئے، تا کہ اُسے یہ شرف حاصل ہو۔ چنانچہ علیؑ لوٹ گئے۔

رسولِؐ خدا نے دوبارہ یہی دعا مانگی۔ اس بار بھی دوبارہ علیؑ آئے۔

میں نے کہا: رسولِؐ خدا مصروف ہیں، وہ اس وقت آپؑ سے ملاقات نہیں کر سکتے۔

اصل بات یہ تھی کہ میں یہ چاہتا تھا کہ میری قوم انصار میں سے کوئی شخص آئے تا کہ اُسے یہ شرف حاصل ہو۔

چنانچہ علیؑ لوٹ گئے۔ رسولِؐ خدا نے دوبارہ یہی دعا مانگی۔ اس بار بھی دوبارہ علیؑ آئے۔

میں نے کہا: رسولِؐ خدا مصروف ہیں۔ وہ اس وقت آپؑ سے نہیں مل سکتے۔

حضرت علیؑ نے زور سے کہا: رسولِؐ خدا کی ایسی کون سی مصروفیت ہے کہ وہ مجھ سے نہیں مل سکتے۔

رسولِؐ خدا نے ان کی آواز سنی تو مجھ سے فرمایا: انس یہ کون ہے؟

میں نے کہا: یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔

رسولِؐ خدا نے فرمایا: انھیں میرے پاس آنے دو۔

جب علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسولِؐ خدا نے فرمایا: میں نے خدا سے تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ وہ اپنے محبوب ترین بندہ کو بھیجے، جو میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے اور اگر تم اب بھی نہ آتے تو میں تمہارا نام لے کر خدا سے سوال کرتا کہ علیؑ کو میرے ہاں بھیج دے۔

حضرت علیؑ نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں ہر بار آیا لیکن انس نے ہر بار مجھے واپس لوٹایا۔

رسولِؐ خدا نے مجھے (انس) بلا کر فرمایا: انس! تو نے ایسا کیوں کیا؟

میں نے کہا: میں آپؐ کی دعا سن چکا تھا لہٰذا میں یہ چاہتا تھا کہ میری قوم انصار میں سے کوئی شخص آئے، تاکہ یہ اعزاز اُسے حاصل ہو۔

رسولِ خدا نے فرمایا: کیا انصار میں علیؑ سے بہتر انسان موجود ہے؟

کیا انصار میں علیؑ سے افضل شخص پایا جاتا ہے؟

انس کا بیان ہے کہ یوم الدار حضرت علیؑ نے مجھ سے اس واقعہ کی گواہی طلب کی۔ میں نے (سیاسی مصلحت کے تحت) گواہی چھپائی اور کہا کہ یہ بات مجھے بھول چکی ہے۔ اس وقت حضرت علیؑ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور کہا: خدایا! انس پر ایسا نشان لگا جسے اس کا عمامہ نہ چھپا سکے۔

چنانچہ یہ داغ جو تم دیکھ رہے ہو یہ علیؑ کی بددعا کا اثر ہے۔

حدیثِ منزلت

جنگِ تبوک رسولِ خدا ﷺ کی زندگی کا آخری غزوہ ہے۔ اس جنگ میں رسول اکرمؐ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو لے کر گئے تھے۔ مدینہ میں عورتوں، بچوں اور چند بہانہ باز قسم کے افراد کے علاوہ باقی کوئی بھی نہ رہا۔ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تاکہ مدینہ کی حفاظت کریں اور مسلمان خاندانوں کی نگرانی کریں۔

اس واقعہ کی تفصیل کو شیخ مفیدؒ نے یوں بیان کیا ہے:

جب رسولِ خدا نے مدینہ سے روانگی کا ارادہ کیا تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے خاندان، ازواج اور مقامِ ہجرت پر اپنا جانشین مقرر کیا اور فرمایا: مدینہ کی اصلاح میرے بغیر یا تیرے بغیر نہیں ہوسکتی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محسوس کیا کہ انھیں دُور دراز کا سفر درپیش ہے اور اردگرد کے قبائلی اعراب اور اہلِ مکہ کا کوئی بھروسا نہیں تھا اور یہ امکان ہے کہ وہ آپ کی عدم موجودگی کا فائدہ اُٹھا کر مدینہ پر ہی یورش نہ کردیں اور آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ مفسدین صرف علیؑ سے ہی ڈرتے ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے کھل کر حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنایا

اور آپؐ نے اس کے ساتھ ہی حضرت امیر علیہ السلام کی امامت پر واضح نص فرمائی تھی۔

جب منافقین نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے تو ان کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا، اُنھیں یہ یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ کی عدم موجودگی میں علیؑ اُنھیں کوئی شرارت نہیں کرنے دیں گے۔ اُنھوں نے حضرت علیؑ کو بددل کرنے کے لیے باتیں بنانا شروع کر دیں اور کہنے لگے: رسولِ خدا علیؑ کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں، اس لیے اُنھوں نے اُسے مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ اس طرح کی باتیں بنانے کے وہ پہلے سے ہی عادی تھے مثلاً اُنھوں نے رسولِ خدا کو مجنون کہا تھا اور جب اس سے بات نہ بنی تو پھر اُنھیں شاعر کہا۔ جب اس سے بھی بات نہ بنی تو رسولِ خدا کو جادوگر اور کاہن کہا، حالانکہ اُنھیں یقین تھا کہ وہ جو کچھ بھی الزامات عائد کر رہے ہیں وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ مشرکین مکہ کی طرح سے منافقینِ مدینہ کو بھی بخوبی علم تھا کہ حضرت علیؑ رسولِ اکرمؐ کے دل کا سکون ہیں اور وہ تمام لوگوں سے آنحضرتؐ کو زیادہ محبوب ہیں۔

جب حضرت علیؑ نے منافقین کی یہ باتیں سنیں تو آپؑ نے چاہا کہ ان کی باتوں کی تکذیب ہو اور اُن کی فضیحت عوام پر کھل سکے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے ایک منزل کا فاصلہ طے کر چکے تھے کہ حضرت علیؑ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ مجھے اپنے لیے بوجھ تصور کرتے ہیں، اس لیے آپؐ نے مجھے جنگ میں شریک نہیں کیا اور مدینہ میں قیام کرنے کا حکم دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھائی آپؑ واپس چلے جائیں، مدینہ کی اصلاح میرے بغیر یا تمہارے بغیر نہیں ہو سکتی۔ تم میرے خاندان، مقامِ ہجرت اور میری قوم میں میرے خلیفہ ہو۔

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

"کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان حضرت علی علیہ السلام کی امامت و خلافت کا متضمن ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی آپؑ کے فضائل میں آپؑ کا شریک نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے لیے نبوت کے علاوہ تمام ہارونی منازل کا اثبات کیا ہے۔

جس نے بھی قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہے اُسے بخوبی علم ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے پدری اور مادری بھائی تھے اور حضرت موسیٰؑ کے جملہ اُمور میں شریک تھے اور وہ حضرت موسیٰؑ کی نبوت، تبلیغ اور احکامِ الٰہی کے پہنچانے میں اُن کے وزیر تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے سے حضرت موسیٰؑ کی کمر کو مضبوط کیا تھا اور حضرت ہارونؑ قومِ موسیٰؑ کے امام اور رہبر تھے اور اُن کی اطاعت حضرت موسیٰؑ کی طرح سے اُمت پر فرض تھی۔

حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کو سارے جہان سے زیادہ محبوب تھے اور وہ اُن کی نگاہوں میں افضل ترین فرد تھے، جیسا کہ اُن کی دعا سے واضح ہوتا ہے۔

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ○ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ○ هٰرُوْنَ اَخِي ○ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ○ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ○ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۲۵ تا ۳۲)

"پروردگارا! میرے سینہ کو کشادہ کردے اور میرے اُمور میں آسانی عطا فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تاکہ لوگ میری بات کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں اور میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر مقرر فرما۔ اس کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط فرما اور اسے میرے معاملات میں شریک قرار دے"۔

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو ہارونِ محمدی کا درجہ دیا تو اس میں وہ تمام مناصب شامل ہوں گے جن پر ہارونؑ فائز تھے۔ البتہ آنحضرتؐ نے اس میں سے منصبِ نبوت کا استثنا کیا تھا، لہٰذا منصبِ نبوت کے علاوہ باقی تمام مناصب حضرت علیؑ کے لیے ثابت ہیں۔

اور یہ حضرت علی علیہ السلام کی وہ فضیلت ہے جس میں کوئی بھی آپؑ کا شریک نہیں ہے۔ کچھ جہالت مآب مسلمان لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ حدیث کتبِ صحاح میں ثابت نہیں

ہے اور ائمہ حدیث نے اس کی صحت کا اعتراف نہیں کیا تھا۔

اس قبیلہ کے کچھ "بقراط" یہ کہتے ہیں: یہ حدیث صرف ایامِ تبوک کے لیے مخصوص ہے اس سے حضرت علیؑ کی عمومی خلافت و امامت کا اثبات نہیں ہوتا۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مسلمانوں کے ہاں حدیث متواتر کا درجہ رکھتی ہے اور آج تک کسی بھی حافظ الحدیث نے اس حدیث کے متن میں کوئی شک نہیں کیا۔

اس حدیث کو اتنے زیادہ حفاظِ اہلِ سنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جن کا شمار ممکن ہی نہیں ہے۔ ہم بطورِ تبرک چند حفاظِ حدیث کا یہاں حوالہ پیش کرتے ہیں:

① امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔

② امام مسلم نے اس حدیث کو صحیح مسلم میں بیان کیا ہے۔

③ الجمع بین الصحیحین کے مؤلف نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

④ الجمع بین الصحاح الستۃ کے مؤلف نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

⑤ ذہبی نے اسے تلخیصِ مستدرک میں بیان کیا ہے۔

⑥ ابن ماجہ نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔

⑦ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔

⑧ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے اس حدیث کو اپنی الجامع الصحیح میں بیان کیا ہے۔

⑨ بزار نے اس حدیث کو اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔

⑩ ابن عبدالبر نے اسے الاستیعاب میں بیان کیا ہے۔

⑪ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقہ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

کچھ حفاظِ اہلِ سنت نے اس حدیث کے طرق و اسناد پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

جہاں تک شیعہ محدثین اور حفاظ کا تعلق ہے تو ان کی نظر میں یہ حدیث ہر شک وشبہ سے بالا ہے۔ تمام شیعی کتب اس حدیث کے مصادر، مدارک اور اسناد سے بھری ہوئی ہیں۔

دوسرے سوال، یہ حدیث صرف ایامِ تبوک تک کے لیے کارآمد ہے، بعد میں یہ حدیث کارآمد نہیں ہے، کا جواب یہ ہے کہ اگر رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث تبوک کے

لیے روانگی کے وقت فرمائی ہوتی تو اس اعتراض میں کچھ وزن بھی ہوتا جب کہ رسول اکرمؐ نے جنگ تبوک کے علاوہ اور بھی کئی مواقع اور مقامات پر یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی جیسا کہ بشارۃ المصطفیٰ میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حسان بن ثابت کو منیٰ میں کھڑا کیا جب کہ رسول اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اکرمؐ نے مقامِ منیٰ پر فرمایا:

هذا علی بن ابی طالب سیّد العرب والوصی الاکبر منزلته منی منزلة هارون من موسیٰ اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِی بَعدِی لَا تقبل التوبة من تائب الا بحبه

"یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ یہ عرب کا سردار اور وصیِ اکبر ہے۔ اسے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ خدا کسی توبہ کرنے والے کی توبہ کو اس کی محبت کے بغیر قبول نہیں کرتا"۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان سے فرمایا کہ اس کے متعلق کچھ شعر کہو۔

حسان نے اس وقت یہ اشعار پڑھے:

لا تقبل التوبة من تائب　　الا بحب ابن ابی طالب
انی رسول الله بل صهره　　والصهر لا يعدل بالصاحب
ومن کین مثل علی رقد　　ردت له الشمس من الغرب
ردت علیه الشمس فی ضوئها　　بیضا کأن الشمس لم تغرب

"ابن ابی طالبؑ کی محبت کے بغیر کسی توبہ کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ وہ رسولِ خدا کا بھائی، بلکہ ان کا داماد ہے۔ داماد دوست کی مانند نہیں ہوتا۔ علیؑ جیسا کون ہوسکتا ہے جب کہ اس کے لیے مغرب سے سورج کو پلٹایا گیا ہے۔ سورج ایسی چمک کے ساتھ اُس کے لیے پلٹا گویا کہ وہ غروب ہی نہ ہوا ہو"۔

اس حدیث کا دوسرا مورد ملاحظہ فرمائیں۔

رسولِ خدا اُمِ سلیم (انس کی والدہ) کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور اس سے باتیں کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا:

یا اُمِ سلیم ان علیًا لحمہ من لحمی ودمہ من دمی وھو منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی

"اے اُمِ سلیم! علیؑ کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور اس کا خون میرے خون سے ہے اور اسے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی"۔

یہ روایت کنز العمال اور مسند احمد میں مرقوم ہے۔

اس حدیث کا ایک اور مورد ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دن حضرت ابوبکر، حضرت عمر، ابوعبیدہ بن الجراح رسولِ خدا کے حضور موجود تھے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کا تکیہ لیے ہوئے تھے۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کے دوشانوں پر ہاتھ مارا، پھر فرمایا:

یاعلی انت اوّل المومنین ایمانا واولھم اسلاما وانت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی.....

"اے علیؑ! تو ایمان و اسلام میں سب سے اوّل ہے اور تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی"۔

یوم الدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اور دوسری مواخات کے موقع پر بھی آپؐ نے یہ حدیث بیان کی تھی اور جس دن آنحضرتؐ نے صحابہ کے دروازے بند کیے تھے اُس دن بھی آپؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔

مزید تفصیل کے لیے المراجعات اور الغدیر کا مطالعہ فرمائیں۔

نبیؐ و علیؑ میں مواخات

عربی زبان کا اصول ہے کہ جب کوئی ایک چیز دو چیزوں کو جمع کرے تو ایک کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے کا بھائی ہے، مثلاً ایک انسان کے ساتھ عربیت جمع ہوتی ہے تو اُسے یَا اخا العرب کہہ کر پکارا جاتا ہے اور جب کسی شخص کے ساتھ فارسیت جمع ہوتی ہے تو اُسے عربی زبان میں یا اخا الفرس کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ جب کسی شخص کے ساتھ یہودیت جمع ہوجائے تو اُسے "اخا الیھود" کہا جاتا ہے، اور جب قبیلہ کسی شخص کے ساتھ جمع ہوجائے تو اُسے اس قبیلہ کا "اَخ" کہہ کر صدا دی جاتی ہے۔ مثلاً بنی کندہ سے تعلق رکھنے والے انسان کو "یَا اخَا کِندَۃَ" کہہ کر بلایا جاتا ہے اور اگر کسی شخص کا تعلق بنی تمیم سے ہو تو اُسے یا اخا تمیم کہہ کر آواز دی جاتی ہے۔

اس طرح سے اَدیان و قبائل کی نسبت سے لوگوں کو اُن کا "اَخ" کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ اگر دو سگے بھائی ہوں جن کا والد اور والدہ ایک ہوں یا صرف والد مشترک ہو یا صرف ماں مشترک ہو تو ان دونوں کو لفظ "اَخوان" (دو بھائی) سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ انھیں والدین یا صرف والد یا صرف والدہ جمع کرتے ہیں۔

اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ

"مومن ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں"۔

مقصد یہ ہے کہ ان سب کا مبدا ایک ہے اور وہ مبدا ایمان ہے۔ اخوت اور بھائی چارے کے لیے ہم نے یہ سرسری گفتگو کی ہے اور قرآن اور عرفِ عام سے اس کی تصدیق

ہوتی ہے۔ بعض اوقات اخوت کے بہت سے اسباب بیک وقت جمع ہوجاتے ہیں تو اس سے اخوت میں مزید قوت اور قرابت پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً بعض اوقات قوم قبیلہ ایک ہوتا ہے اور دین ایک ہوتا ہے اور دو افراد میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔

بلاذری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں) کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ اور صحابیات میں بھائی چارہ قائم کیا۔ یہ بھائی چارہ طبائع اور عادات کو مدنظر رکھ کر قائم کیا گیا تھا۔ جن افراد کی عادات و طبائع ایک دوسرے سے مشابہ تھیں اُنھیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا۔ چنانچہ حضور سرورِ کائناتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کا بھائی بنایا اور حضرت عثمانؓ کو عبدالرحمٰن کا بھائی بنایا اور سعد بن ابی وقاص کو سعید بن زید کا بھائی بنایا اور طلحہ کو زبیر کا بھائی بنایا اور ابوعبیدہ کو سعد بن معاذ کا بھائی بنایا اور مصعب بن عمیر کو ابوایوب انصاریؓ کا بھائی بنایا اور ابوذر غفاریؓ کو ابن مسعودؓ کا بھائی بنایا اور سلمانؓ کو حذیفہؓ کا بھائی بنایا اور حمزہؓ کو زید بن حارثہؓ کا بھائی بنایا اور ابوالدرداءؓ کو بلالؓ کا بھائی بنایا اور جعفر طیارؓ کو معاذ بن جبلؓ کا بھائی بنایا اور مقدادؓ کو عمارؓ کا بھائی بنایا اور حضرت بی بی عائشہؓ کو حفصہؓ کی بہن بنایا اور بی بی زینب بنت جحشؓ کو میمونہؓ کی بہن بنایا اور اُمِ سلمہؓ کو صفیہؓ کی بہن بنایا۔ اس طرح سے آپؐ نے تمام صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کو بلا کر مزید فرمایا:

انت اخی وانا اخوك یاعلی

"اے علیؑ! تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں"۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو کسی صحابی کا بھائی نہ بنایا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے اپنے اصحاب کو تو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے، لیکن آپؐ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا؟

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنْتَ اَخِیْ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تُدْعٰی اِذَا دُعِیْتُ وَتُكْسٰی اِذَا كُسِیْتُ

وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِذَا دَخَلْتُ

"تو میرا بھائی ہے کیا تو اس امر پر راضی نہیں کہ جب مجھے بلایا جائے گا تو تجھے بھی روز حشر میرے ساتھ بلایا جائے گا اور جب مجھے جنتی لباس پہنایا جائے گا تو تجھے بھی جنتی لباس پہنایا جائے گا اور جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو تُو بھی جنت میں داخل ہوگا"۔

یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! اب میں راضی ہوں۔

کتابِ مناقب آلِ ابی طالبؑ میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے مؤخر کیا تھا۔

اَنْتَ اَخِیْ وَاَنَا اَخُوْكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

"آپؑ میرے بھائی ہیں اور میں آپؑ کا دنیا اور آخرت میں بھائی ہوں"۔

حضرت علیؑ نے جب یہ سنا تو فرطِ مسرت سے رونے لگے اور آپؑ نے یہ اشعار کہے ۔

اَمِیتُكَ بِنَفْسِیْ اَیُّهَا الْمُصْطَفٰی الَّذِیْ ‏ هَدَانَا بِهِ الرَّحْمٰنُ مِنْ عَمَهِ الْجَهَلْ

وَاُمْدِیْكَ حَوْبَاَیْ وَمَا قَدْرُ مُهْجَتِیْ؟ ‏ لِمَنْ اَنْتَمِیْ مِنْهُ اِلَی الْفَرْعِ وَالْاَصَلْ

وَمَنْ ضَمَّنِیْ مُذْ كُنْتُ طِفْلًا وَیَافِعًا ‏ وَاَنْعَشَنِیْ بِالْبِرِّ وَالْعَلِّ وَالنَّهَلْ

وَمَنْ جَدُّهٗ جَدِّیْ وَمَنْ عَمُّهٗ عَمِّیْ ‏ وَمَنْ اَهْلُهٗ اُمِّیْ وَمَنْ بِنْتُهٗ اَهْلِیْ

وَمَنْ حِیْنَ اَخِیْ بَیْنَ مَنْ كَانَ حَاضِرًا ‏ دَعَانِیْ وَآخَانِیْ وَبَیَّنَ مِنْ فَضْلِیْ

لَكَ الْفَضْلُ اِنِّیْ مَا حَیِیْتُ نَشَاكِرٌ ‏ لِاِتْمَامِ مَا اَوْلَیْتَ یَاخَاتَمَ الرُّسُلْ

"خدا کی پسندیدہ شخصیت، خدا نے جس کے ذریعے سے ہمیں جہالت کے گھپ اندھیروں سے بچایا ہے میں آپؐ پر اپنی جان فدا کردوں گا۔ میں اپنی روح آپؐ پر قربان کردوں گا اور اُس کے سامنے میری محبت کی قدر و قیمت ہی کیا ہے جس کے فرع اور اَصل کی طرف میں منسوب ہوتا ہوں۔ جس نے مجھے بچپن اور لڑکپن میں اپنے سینے سے چمٹایا ہے اور مجھ پر مسلسل اپنی نیکیوں کی برسات برسائی ہے۔

جس کا دادا میرا دادا ہے اور جس کا چچا میرا چچا ہے، جس کے خاندان کی قرابت دار خاتون میری والدہ ہے اور جس کی صاحبزادی میری زوجہ ہے۔ میری جان اُس پر قربان، جس نے حاضرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو مجھے پکارا اور مجھے اپنا بھائی بنایا اور میری فضیلت بیان کی۔ جب تک میں زندہ رہوں گا تب تک آپؐ کا شکر گزار رہوں گا۔ اے خاتم الرسلؐ! آپؐ نے انعامات کی جو تکمیل کی ہے اس کے لیے میں آپؐ کا شکر گزار رہوں گا"۔

ان کے علاوہ بھی حضرت علی علیہ السلام سے حسب ذیل اشعار بھی منقول ہیں:

اَنَا اَخُو الْمُصْطَفٰی لَاشَکَّ فِیْ نَسَبِیْ
مَعَہٗ رُبِیْتُ وَسِبْطَاہُ ھُمَا وَلَدِیْ

"میں مصطفیٰؐ کا بھائی ہوں، میرے نسب میں کوئی شک نہیں ہے۔ میری پرورش اُن کے پاس ہوتی ہے اور اُن کے نواسے میرے فرزند ہیں"۔

آپؐ نے اس عنوان پر یہ شعر بھی فرمایا تھا۔

مُحَمَّدٌ النَّبِیُّ اَخِیْ صِھْرِیْ
وَحَمْزَۃُ سَیِّدُ الشُّھَدَآءِ عَمِّیْ

"محمد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے بھائی اور میرے سُسر ہیں اور سید الشہدا حضرت حمزہؓ میرا چچا ہے"۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اخوت نسبی نہیں، کیونکہ نبیؐ و ولیؑ کے والدین جدا جدا تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی اُخوت کا اعلان کر کے ان کی فضیلت و منزلت پر نص فرمائی تھی اور مسلمانوں کو یہ بتایا تھا کہ علیؑ تمام مسلمانوں کے امام ہیں، لہٰذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کوئی اُن پر سبقت حاصل کرے یا اُن پر حکومت قائم کرے۔

حضرت علی علیہ السلام پوری زندگی نبیؐ کے بھائی ہونے پر فخر کرتے تھے اور آپؑ اکثر یہ کہا کرتے تھے:

اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُوْ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ وَالْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ لَا یَقُوْلُہٗ غَیْرِیْ اِلَّا کَذَّابٌ

''میں اللہ کا بندہ اور رسولؐ خدا کا بھائی ہوں اور میں ہی صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم ہوں اگر میرے علاوہ کوئی یہ دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کی اخوت کے بارے میں اتنی روایات منقول ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ علمائے اہلِ سنت نے اس حدیث کی توثیق کی ہے اور ہر دور کے شعراء نے اس مضمون کو اپنے قصائد میں بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس حدیث کے چند مصادر نقل کرتے ہیں:

حدیثِ اُخوت کے مصادر

١۔ جامع الترمذی، جلد ٢/ ٢١٣
٢۔ مصابیح البغوی، ج ٢/ ١٩٩
٣۔ مستدرک حاکم، جلد ٣/ ١٤
٤۔ الاستیعاب، جلد ٢/ ٤٦٠
٥۔ تیسیر الوصول، جلد ٣/ ٢٧١
٦۔ مشکوٰۃ المصابیح المرقاۃ، جلد ٥/ ٥٦٩
٧۔ الریاض النضرۃ، جلد ٢/ ١٦٧-٢١٢
٨۔ الفصول المہمۃ، ص ٢٢-٢٩
٩۔ تذکرۃ سبط ابن جوزی، ص ١٤-١٥
١٠۔ کفایۃ الگنجی، ص ٨٢
١١۔ السیرۃ النبویۃ ابن سیدالناس، جلد ١، ص ٢٠٠-٢٠٣
١٢۔ تاریخ ابن کثیر، جلد ٧/ ٣٣٥
١٣۔ اسنی المطالب جزری، ص ٩
١٤۔ مطالب السئول، ص ١٨
١٥۔ الصواعق المحرقہ، ص ٧٣-٧٥
١٦۔ تاریخ الخلفاء، ص ١١٤
١٧۔ الاصابہ، جلد ٢/ ٥٠٧
١٨۔ المواقف، جلد ٣/ ٢٧٦
١٩۔ شرح مواہب، جلد ١/ ٣٧٣
٢٠۔ طبقات شعرانی، جلد ٢/ ٥٥
٢١۔ تاریخ القرمانی برحاشیہ الکامل، جلد ١/ ٢١٦
٢٢۔ سیرت حلبیہ، جلد ١/ ٢٣-١٠١
٢٣۔ سیرتِ نبویہ، زینی دحلان، جلد ١/ ٣٢٥
٢٤۔ کفایہ، شنقیطی، ص ٣٤

۲۵. الامام علی بن ابی طالبؑ، استاد عبدالفتاح عبدالمقصود، ص ۷۳

۲۶. الامام علی بن ابی طالبؑ، استاد محمد رضا، ص ۲۱

۲۷. تاریخ ابن عساکر، جلد ۶/ ۲۰۱

۲۸. کنز العمال، جلد ۶/ ۳۹۰

۲۹. تاریخ ابن ہشام، جلد ۲/ ۱۲۳

۳۰. الفتاوی الحدیثیۃ، ص ۴۲

۳۱. تاریخ خطیب، جلد ۱۲/ ۲۶۸

۳۲. مسند احمد، جلد ۱/ ۲۳۰

۳۳. الامتاع، مقریزی، ص ۳۴۰

۳۴. المحاسن والمساوی، جلد ۱/ ۳۱

۳۵. مجمع الزوائد، جلد ۹/ ۱۱۱

۳۶. مناقب خوارزمی، ص ۸۷

۳۷. شمس الاخبار، ص ۳۵

۳۸. فیض القدیر، جلد ۱۴/ ۳۵۵

۳۹. مصباح الظلام، جلد ۲/ ۵۶

۴۰. حلیۃ الاولیاء، جلد ۱/ ۶۷

۴۱. شرح ابن ابی الحدید، جلد ۲/ ۴۴۹

۴۲. فرائد السمطین، باب اول، ص ۳۰-۵۰

۴۳. نزہۃ المجالس، جلد ۲/ ۲۴۱

۴۴. ذخائر العقبیٰ، ص ۹۱

۴۵. تاریخ بغداد، جلد ۱۱/ ۱۱۲

۴۶. خصائص نسائی، ص ۳۲

۴۷. سنن ابن ماجہ، جلد ۱/ ۵۷

۴۸. العقد الفرید، ص ۲۷۵

۴۹. تاریخ طبری، جلد ۲/ ۳

سورۂ برات کی تبلیغ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۂ توبہ (برأت) نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ یہ آیات لے کر مکہ جائیں اور حج کے اجلاس میں یہ آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورہ کی ابتدائی دس آیات اُن کے سپرد کی تھیں۔ ان آیات میں تمام معاہدوں کو ختم کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔

جب حضرت ابوبکرؓ ذی الحلیفہ (مدینہ طیبہ کا موجودہ میقات) پر پہنچے تو جبرئیل امینؑ نازل ہوئے تو اُنھوں نے آپؐ کو خدا کی طرف سے یہ پیغام سنایا کہ ان آیات کی تبلیغ آپؐ

کی طرف سے صرف علیؑ ہی کریں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور انھیں اپنی مخصوص اونٹنی "ناقہ عضباء" پر سوار کیا اور فرمایا: اے علیؑ! آپؑ جائیں اور ابوبکر سے ملیں اور اُن سے وہ آیات لے کر مکہ جائیں اور حج کے اجتماع میں یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔

حضرت علی علیہ السلام تیزی سے روانہ ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے آپؑ کو دیکھا تو پریشان ہوئے اور پوچھا: اے ابوالحسنؑ! آپؑ کیسے آئے ہیں؟ کیا آپؑ میرے ساتھ چلیں گے یا کوئی اور مقصد ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے ملوں اور آپ سے سورۂ توبہ کی آیات لے کر مکہ میں مشرکین سے کیے گئے معاہدے کے ختم ہونے کا اعلان کروں۔ رسولِ خدا نے آپ کو یہ اختیار دیا ہے کہ آپ چاہیں تو میرے ساتھ سفر کریں اور اگر نہ چاہیں تو آپ آنحضرتؐ کے پاس مدینہ چلے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں رسولِ خدا کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ واپس آئے اور رسولِ خدا سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے مجھے ایسے کام کا اہل سمجھا تھا جو اتنا عظیم ہے کہ اس کے حصول پر لوگوں کی گردنیں میری طرف بلند ہوئی تھیں، لیکن جب میں روانہ ہوا تو آپؐ نے مجھ سے وہ ذمہ داری واپس لے لی تو کیا میرے متعلق قرآن کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟

حبیبِ خدا ﷺ نے فرمایا: نہیں، خدا کی طرف سے جبرئیلؑ میرے پاس آئے تھے اور اُنھوں نے مجھے خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ اس پیغام کی تبلیغ یا تو آپؐ خود کریں یا وہ مرد کرے جو آپؐ میں سے ہو۔ علیؑ مجھ سے ہے اسی لیے میری طرف سے علیؑ ہی یہ پیغام پہنچا سکتا ہے۔

مقریزی نے "الامتاع" میں لکھا ہے کہ اہلِ عرب کی یہ عادت تھی کہ اگر اُن کا سردار کوئی معاہدہ کرتا تو پھر معاہدہ توڑنے کا اعلان وہ خود کیا کرتا تھا یا پھر اُس کی طرف سے وہ شخص یہ اعلان کرتا تھا جو رشتہ میں اس کے انتہائی قریب ہوتا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے ہی مشرکین سے معاہدہ کیا تھا، اسی لیے رسولِ خدا نے سورۂ برأت کی آیات اُنھیں دے کر بھیجا تھا۔

حافظ ابوعبداللہ نے اپنی اسناد سے زید بن نفیع سے روایت نقل کی ہے کہ ہم نے حضرت علیؑ سے پوچھا: آپؑ نے مکہ جا کر کون سے اعلانات کیے تھے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے چار اعلانات کے لیے بھیجا گیا تھا۔

① کوئی شخص عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔

② اس سال کے بعد مسجد الحرام میں مشرکین کا داخلہ ممنوع ہوگا۔

③ جس کا رسولِ خدا سے معاہدہ ہوا ہے تو وہ معاہدہ اس عرصہ کے لیے قابلِ قبول ہوگا، جتنا کہ اس کی مدت مقرر کی گئی تھی۔

④ جن قبائل کے ساتھ معاہدہ نہیں ہے تو اُنھیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام مکہ پہنچے اور اجتماعِ حج میں آپؑ نے جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تھا:

"لوگو! میں رسولِ خدا کا نمائندہ بن کر آیا ہوں اور اُن کی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ کسی بھی کافر کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اور کوئی بھی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا، کوئی بھی شخص عریاں ہو کر طواف نہیں کرے گا۔

جس کا رسولِ خدا سے معاہدہ ہے تو وہ معاہدہ چار ماہ بعد باقی نہیں رہے گا اور جس کا کوئی معاہدہ ہی طے نہیں ہے تو اسے حُرمت والے مہینوں کے اختتام تک کی مہلت حاصل ہوگی"۔

آپؑ نے لوگوں کے سامنے سورۂ برأت کی آیات کی تلاوت کی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؑ نے تیرہ آیات کی تلاوت کی تھی۔

روایات بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت علیؑ نے یہ اعلان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بیزار ہے تو اس اجتماع میں موجود مشرکین نے یہ کہا کہ ہمیں بھی تیرے اور تیرے ابنِ عم

کے معاہدے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس روایت کا دوسرا انداز

بحارالانوار میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو سورۂ براۃ کی ابتدائی آیات دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اُنھوں نے کہا:

محمدؐ! اللہ آپؐ کو حکم دے رہا ہے کہ آپؐ اُسے نہ بھیجیں، اس کے بجائے علی بن ابی طالبؑ کو بھیجیں اور علیؑ کے علاوہ اور کوئی بھی آپؐ کا نمایندہ بن کر پیغام نہیں پہنچا سکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ آپؑ نے اُن سے ملاقات کی اور اُن سے وہ صحیفہ لے لیا جس میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں اور اُنھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: آپ نبی اکرمؐ کے پاس واپس چلے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا میرے متعلق کوئی خاص حکم نازل ہوا ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو اس سے آگاہ کریں گے۔

حضرت ابوبکرؓ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ سمجھتے ہیں کہ میں یہ پیغام نہیں پہنچا سکتا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَبَى اللهُ اَنْ يُّؤَدِّيَهَا اِلَّا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ

''علیؑ کے پہنچانے کے بغیر خدا اوروں سے انکار کرتا ہے''۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طویل گفتگو کی۔ آپؐ نے فرمایا: تم اس پیغام کو کیسے پہنچا سکتے ہو جب کہ تم تو میرے رفیقِ غار ہو۔

حضرت علیؑ چلے یہاں تک کہ آپؑ مکہ آئے اور عرفات پہنچے۔ پھر وہاں سے مزدلفہ آئے اور وہاں سے منیٰ آئے۔ آپؑ نے رمی جمرات کے بعد قربانی کی اور سر منڈوایا۔ پھر گھاٹی کے پاس آئے، بلند جگہ پر کھڑے ہوئے۔ آپؑ نے تین بار زور زور سے پکار کر یہ کہا:

''لوگو! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ میں خدا کے رسولؐ کا نمایندہ ہوں''۔

پھر آپؑ نے بَرَاءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ..... سے لے کر اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تک کی تو آیات پڑھ کر سنائیں۔

پھر آپؑ نے اپنی تلوار کا اشارہ کیا۔ وہ آیات دوبارہ پڑھیں۔

لوگ کہنے لگے: یہ اعلان کون کر رہا ہے؟

جو آپؑ کو پہچانتے تھے اُنھوں نے کہا: یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔

یہ محمدؐ کا ابنِ عم ہے۔ ان کے علاوہ کسی میں جرأت نہ تھی کہ وہ ایسا اعلان کرتا۔

آپؑ نے تشریق کے تین دن منٰی میں بسر کیے اور صبح و شام یہی پیغام سنایا۔

وہاں پر موجود مشرکین نے کہا: جب یہاں سے اپنے ابنِ عم کے پاس جاؤ تو ہماری طرف سے اُنھیں پیغام دینا کہ ہماری طرف سے تمھارے لیے تیر اور تلوار کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اس کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق آنحضرتؐ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی جس کی وجہ سے آپؐ اتنے غمگین ہوئے کہ آپؐ کے چہرے سے غم ٹپکنے لگا تھا اور آپؐ نے اپنی ازواج کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔

لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی موت کی اطلاع مل چکی ہے یا پھر وہ بیمار ہیں۔

لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے کہا: تمھیں بارگاہِ نبوت میں بڑا مقام حاصل ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضورؐ بہت افسردہ ہیں، لہٰذا تم آنحضرتؐ سے براہِ راست گفتگو کر کے یہ معلوم کرو کہ معاملہ کیا ہے؟

حضرت ابوذر غفاریؓ نے رسولِ خدا سے آپؐ کی پریشانی کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: نہ تو خدا کی طرف سے مجھے میری جلد موت کی اطلاع دی گئی ہے، اگرچہ مجھے بھی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور نہ ہی میں بیمار ہوں۔ میں صرف علیؑ کے متعلق پریشان ہوں۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ خدمتِ پیغمبرؐ میں پہنچے اور عرض کیا: مجھے کہیں جانا ہے، اس کے

لیے اجازت چاہتا ہوں۔

نبی اکرمؐ نے اجازت دی۔ حضرت ابوذرؓ سیدھا مکہ کے راستے کی طرف چلے گئے۔ آپ نے دُور سے دیکھا کہ ایک شخص اُونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف چلا آرہا ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے دل ہی دل میں کہا کہ خدا کرے کہ یہ علیؑ ہوں۔ جب ناقہ سوار قریب آیا تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے۔ حضرت ابوذرؓ آپؑ سے ملے اور عرض کیا: آپؑ دھیمی دھیمی رفتار سے آئیں میں آپؑ سے پہلے جا کر رسولؐ خدا کو آپؑ کی آمد کی اطلاع دیتا ہوں۔

چنانچہ حضرت ابوذرؓ آئے اور کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کو مبارک ہو۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: کس بات کی مبارک دے رہے ہو؟

حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: علیؑ پہنچ چکے ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں مدینہ پہنچنے والے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے حضرت ابوذرؓ کو جنت کی بشارت دی۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو ساتھ لیا اور حضرت علیؑ کا استقبال کیا۔ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی تعظیم کے لیے ناقہ سے اُترے۔ الغرض بھائی نے بھائی کو گلے سے لگایا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔ (ھذا ملخص الروایۃ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ایامِ حج میں حضرت علی علیہ السلام نے مکہ میں تلوار کا سہارا لے کر یہ اعلان کیا تھا:

○ کوئی بھی شخص عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔

○ آیندہ کوئی بھی مشرک حج نہیں کرے گا۔

○ جس کے ساتھ معاہدہ کی مدت طے ہے تو اُس کے ساتھ طے شدہ مدت تک معاہدہ قائم رہے گا اور جس کے ساتھ معاہدہ کی مدت طے نہیں ہے، اسے چار ماہ کی مہلت دی جائے گی۔

مسند موصلی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس اعلان میں یہ بھی کہا تھا کہ "جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا"۔

قارئین کرام! عجیب اتفاق ہے کہ اذانِ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی جیسا کہ

قرآن مجید میں ہے:

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ

"آپ لوگوں میں حج کی اذان دیں"۔

اور حج کی دوسری اذان وہ ہے جس کے متعلق خدا نے فرمایا:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ.....

"اللہ اور رسولؐ کی طرف سے حج اکبر کے دن یہ منادی کی جاتی ہے کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ مشرکین سے بے زار ہیں"۔

پہلی اذان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی اور دوسری اذان حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی اور دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بت توڑے تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی بت توڑے تھے۔

سدی، ابومالک، ابن عباس اور امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ..... کی آیت میں لفظ "اذان" سے خود حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں اور آپؑ نے یہ ندا دی تھی۔

علیؑ نے بت توڑ کر کعبہ کو پاک کیا

ابوبکر شیرازی نے لکھا ہے کہ ابوہریرہ نے نقل کیا ہے کہ مجھ سے جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے وقت ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت بیت اللہ اور اس کے گردوپیش تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا: سب منہ کے بل زمین پر گرے۔ بیت اللہ کی چھت پر ایک ''ہبل'' نامی بڑا بت نصب تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اے علیؑ! آپؑ میرے کندھوں پر سوار ہوجائیں اور ان بتوں کو توڑ دیں یا میں تمھارے کندھے پر سوار ہوکر اُنھیں توڑتا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ سوار ہوجائیں۔ جب رسولؐ خدا سوار ہوئے تو حضرت علیؑ کو اتنا بوجھ محسوس ہوا کہ وہ اُٹھ نہ سکے۔

اس وقت آپؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں سوار ہوتا ہوں۔ رسولؐ خدا مسکرا اُٹھے اور آپؐ نے اپنی پشت جھکائی اور حضرت علیؑ سوار ہوگئے۔

حضرت علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں: اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا۔ میں دوشِ نبیؐ پر سوار ہوکر اتنا بلند ہوا کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کے تارے توڑ سکتا تھا۔ میں نے کعبہ کی چھت سے ہبل کو گرایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ..... (بنی اسرائیل: آیت ۸۱)

''حق آگیا اور باطل بھاگ گیا......''۔

احمد بن حنبل اور ابوبکر خطیب نے اپنے اپنے اسناد سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے لے کر اصنام کے پاس آئے اور فرمایا: اے علیؑ! بیٹھ جاؤ۔ میں کعبہ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

رسولِ اکرمؐ میرے کندھے پر سوار ہوئے پھر فرمایا: اے علیؑ! اُٹھو مجھے بت کے پاس لے چلو۔ میں اُٹھا لیکن آپؐ نے میری کمزوری کو بھانپ لیا تو بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں نیچے بیٹھا۔ آپؐ میرے کندھے سے اُتر کر خود بیٹھ گئے اور مجھے فرمایا: اے علیؑ! اب تم میرے کندھے پر سوار ہو جاؤ۔

میں آپؐ کے کندھے پر سوار ہوا۔ آنحضرتؐ نے مجھے اُٹھایا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں آسمان کے اتنا قریب ہو چکا ہوں کہ اگر چاہوں تو اُسے ہاتھ لگا سکتا ہوں۔

میں کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور میں نے قریش کے بڑے بت کو زمین پر گرا دیا۔ وہ بت تانبے سے بنا ہوا تھا اور زمین پر لوہے کی میخوں سے اُسے مضبوطی سے نصب کیا گیا تھا۔

فتح مکہ سے پہلے کی بت شکنی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام نے اس سے پہلے بھی مکی زندگی میں بت شکنی کی تھی۔ اس واقعہ کو اسماعیل بن محمد کوفی نے ایک طویل خبر کے ضمن میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک بت بیت اللہ کی چھت پر نصب تھا۔ ایک مرتبہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! آؤ چلیں، بیت اللہ سے اس بت کو گرائیں۔

چنانچہ دونوں بزرگوار رات کے وقت گئے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: یا علیؑ! تم میری پشت پر سوار ہو جاؤ۔

اس وقت کعبہ کی بلندی چالیس ہاتھ تھی۔ رسولؐ خدا نے اُنھیں اُٹھایا اور پوچھا: کیا آپ پہنچ گئے ہیں؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم، جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر میں اس وقت آسمان کو بھی ہاتھ لگانا چاہوں تو بھی لگا سکتا ہوں۔

چھت پر چڑھ کر حضرت علیؑ نے بت کو پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بعدازاں حضرت علیؑ نے کعبے کے پرنالہ سے چھٹ کر چھلانگ لگائی اور کھڑے ہو کر ہنسنے لگے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علیؑ! ہمیشہ ہنستے رہو، کیوں ہنسے ہو؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں تعجب کی وجہ سے ہنسا ہوں، میں نے اتنی بلندی سے چھلانگ لگائی، لیکن مجھے کوئی چوٹ تک نہ آئی۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: چوٹ کیسے لگتی تمہیں بلند کرنے والا محمدؐ تھا اور اُتارنے والا جبرئیلؑ تھا۔

علیؑ رسولؐ خدا کو کیوں نہ اُٹھا سکے؟

علل الشرائع اور جامع الاخبار میں امیر مدینہ محمد بن حرب ہلالی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

فرزند رسولؐ! میرے دل میں ایک مسئلہ چھبتا رہتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپؑ سے وہ مسئلہ دریافت کروں۔

آپؑ نے فرمایا: تم اپنا سوال خود بیان کرو گے یا میں بیان کروں؟

میں نے عرض کیا: آپؑ میرے دل کی بات کیسے جان سکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میں اپنی زیرکی اور فراست سے جان لیتا ہوں۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ○ (سورۂ حجر: آیت ۷۵)

"اس میں فہم و فراست رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں"۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ

"مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ساتھ نظر کرتا ہے"۔

میں (سائل) نے کہا کہ پھر بتایئے کہ میں آپؑ سے کیا پوچھنا چاہتا ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ کیا وجہ ہے کہ رسولؐ اللہ کو کیوں اُٹھا نہ سکے تھے جب کہ رسولِ اکرمؐ گدھے، گھوڑے اور اُونٹ پر بھی تو سوار ہوتے تھے اور وہ جانور آپؐ کو اُٹھاتے تھے۔ حضرت علیؑ تو انتہائی طاقت ور انسان تھے؟

پھر آپؑ نے فرمایا: بتاؤ، تم یہی مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے؟

سائل نے کہا: جی ہاں مولاؑ۔ میں یہی مسئلہ دریافت کرنے کا خواہش مند تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: حضرت علی علیہ السلام اتنے طاقتور تھے کہ اُنھوں نے بابِ خیبر اُکھاڑا تھا اور اس دروازے کو پھینکا تو وہ چالیس ہاتھ کے فاصلے پر جا گرا۔ وہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ اُسے چالیس انسان بھی اُٹھانے سے قاصر تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے رسولؐ کے ذریعے سے شرف حاصل کیا تھا اور اُنھی کے ذریعے سے ہی اُنھیں بلندی ملی تھی اور وہ اس قابل ہوئے تھے کہ وہ شرک کی آگ بجھائیں اور ہر معبودِ باطل کا قلع قمع کریں۔

اگر علیؑ نبیؐ کو اُٹھا لیتے اور نبیؐ بت توڑتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبیؐ کو علیؑ سے شرف ملا ہے، جب کہ معاملہ برعکس ہے۔ اور اگر علیؑ اُٹھاتے تو علیؑ افضل قرار پاتے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت علیؑ پشتِ نبیؐ پر چڑھے تو ان کا اپنا بیان ہے کہ مجھے اتنی بلندی ملی کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کو بھی چھو سکتا تھا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ چراغ جو کہ روشنی دیتا ہے اُس کی فرع اُس کے اصل کی ہی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ [1]

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

اَنَا مِنْ اَحْمَدَ کَالضَّوْءِ مِنَ الضَّوْءِ

"میرا احمدؐ سے وہی تعلق ہے جو کہ روشنی کا روشنی سے ہوتا ہے"۔

---

[1] سادہ ترین الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل ہیں اور حضرت علیؑ اُن کی فرع ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ فرع (شاخ) اصل (جڑ) کو نہیں اُٹھاتی، ہمیشہ اصل ہی فرع کو اُٹھایا کرتی ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

حیدر کا "در" کھلا رہا اور باقی بند کر دیے گئے

بحار الانوار کی جلد نہم میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں مسجد بنائی اور اُس کے دروازے کھولے، تو مہاجرین و انصار نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد میں کھول دیئے۔

خدا نے چاہا کہ لوگوں کے سامنے اپنے حبیب اور اُن کی اہلِ بیت کی شان کو واضح کرے۔ اس کے لیے حضرت جبرئیلؑ خدا کی طرف سے رسولِ اکرمؐ کے پاس پیغام لے کر نازل ہوئے کہ آپؐ لوگوں سے کہہ دیں کہ اُن کے جو دروازے مسجد میں کھلتے ہیں وہ ان سب دروازوں کو بند کر دیں، ورنہ اُن پر عذاب نازل کیا جائے گا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ خدا نے ان دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا آپ اپنا دروازہ بند کر دیں۔ پیغام پہنچانے والے معاذ بن جبل تھے۔

عباسؓ نے اپنا دروازہ بند کر دیا اور مسجد میں آئے۔ آپؓ نے وہاں دیکھا کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنے دونوں صاحبزادوں کو لے کر بیٹھی ہیں۔ عباسؓ نے کہا: بی بیؑ ایسے دکھائی دیتی ہیں جیسے کوئی شیرنی اپنے دونوں بچوں کو ساتھ لے کر بیٹھی ہوئی ہو۔ اور کیا بی بی یہ خیال کر رہی ہیں کہ رسولؐ خدا اپنے چچا کا دروازہ تو بند کرا دیں گے اور اپنے ابنِ عم کا دروازہ کھلا رہنے دیں گے؟

کچھ دیر بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپؐ نے اپنی صاحب زادی سے فرمایا: جانِ پدر! آپؑ اس طرح سے تیاری کی حالت میں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟

حضرت سیدہؑ نے جواب دیا کہ میں خدا کے رسولؐ کے حکم کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: اللہ نے لوگوں کو دروازے بند کرنے کا حکم دیا ہے مگر اپنے رسولؐ اور نفسِ رسولؐ کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا ہے۔

یہ حکم سننے کے بعد حضرت عمرؓ آئے اور اُنھوں نے عرض کیا: میں آپؐ کو دیکھنے کا مشتاق ہوں، جب آپؐ اپنے مصلّٰی کی طرف جاتے ہیں لہٰذا مجھے ایک کھڑکی کھلی رکھنے کی

اجازت دیں، تاکہ میں آپؐ کو دیکھ سکوں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: خدا نے اس بات کی اجازت نہیں دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اگر زیادہ نہیں تو مجھے اتنا سوراخ رکھنے کی اجازت دیں جس پر میں اپنا منہ رکھ سکوں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: خدا نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: پھر مجھے اتنے روزنِ دیوار کی اجازت دیں جہاں آنکھ رکھ کر میں مسجد کا اندرونی منظر دیکھ سکوں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: خدا نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی ہے اور اگر تم ایک سوئی کے سوراخ کی بھی اجازت طلب کرو گے تو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

اس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے نہ تو تمھیں مسجد سے نکالا ہے اور نہ انھیں مسجد میں رہنے دیا ہے۔ اس کی بجائے خدا نے تمھیں نکالا ہے اور انھیں مسجد میں داخل کیا ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: جو شخص خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس مسجد میں حالتِ جنابت میں رات بسر نہ کرے، البتہ محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ اور اُن کی پاکیزہ اولاد اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

حدیث سد الابواب بالفاظِ دیگر

حذیفہ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ جب اصحابِ رسولؐ مدینہ آئے تو اُن کے پاس رہائش کے لیے مکانات موجود نہ تھے، اس لیے وہ مسجد میں سوتے تھے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: تم مسجد میں رات بسر نہ کیا کرو، کیونکہ تمھیں احتلام بھی ہو سکتا ہے۔

اس حکم کے بعد لوگوں نے مسجد کے گرداگرد تعمیر کیے اور ان کے دروازے مسجد میں رکھے۔

رسولؐ خدا نے دروازے بند کرنے کے لیے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ اس نے سب سے

پہلے حضرت ابوبکر کو یہ پیغام دیا کہ رسولؐ خدا حکم دیتے ہیں کہ تم مسجد سے نکل جاؤ اور اپنا دروازہ بند کردو۔

حضرت ابوبکر نے کہا کہ حکم سر آنکھوں پر۔

چنانچہ حضرت ابوبکر نے مسجد کو خیر باد کہا اور اپنا دروازہ بند کر دیا۔

پھر قاصد نے یہی پیغام حضرت عمر کو پہنچایا۔ انھوں نے بھی سمع و طاعت کہا البتہ یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک کھڑکی کی اجازت مل جائے۔

معاذ نے ان کا یہ پیغام رسولؐ خدا کو پہنچایا مگر رسولؐ خدا نے اجازت نہ دی۔ پھر معاذ نے یہی پیغام حضرت عثمان تک پہنچایا۔ ان کے پاس ان کی بیوی رقیہ بھی موجود تھی۔ انھوں نے بھی حکم پیغمبرؐ کی اطاعت کی اور مسجد کو چھوڑ دیا اور اپنا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد معاذ بن جبل نے یہی پیغام حضرت حمزہؓ کو پہنچایا۔ انھوں نے کہا کہ خدا و رسولؐ کا فرمان سر آنکھوں پر۔

اس اثنا میں حضرت علیؑ تذبذب میں مبتلا رہے اور انھیں علم نہ تھا کہ ان کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے گا یا نہیں؟ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے لیے اپنے گھروں کے درمیان ایک گھر بنوایا تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم طاہر و مطہر ہو کر اس گھر میں رہو۔

حضرت حمزہؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا گیا ہے۔ وہ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے ہمیں تو مسجد سے نکال دیا ہے لیکن بنی عبدالمطلب کے لڑکوں کو ٹھہرا لیا ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں تمھیں کبھی نہ نکالتا۔ یہ منزلت اسے خدا نے بخشی ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے آپ کا انجام بھلائی پر ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کی اس بشارت کا انھیں یہ ثمر ملا کہ انھیں جنگ اُحد میں شہادت کا تاج عطا ہوا اور وہ اس جنگ کے سیدالشہداء قرار پائے۔

بہت سے لوگوں کو حضرت علیؑ کی رہائش ناگوار محسوس ہوئی اور اس کے لیے آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کے اعتراضات کا علم ہوا تو آپؐ نے مسجد

میں خطبہ دیا:

"کچھ لوگوں کو اس بات کا شکوہ ہے کہ میں نے انھیں مسجد سے نکالا ہے اور علیؑ کو مسجد میں ٹھہرایا ہے۔ خدا کی قسم! میں نے انھیں نہیں نکالا اور علیؑ کو مسجد میں نہیں ٹھہرایا۔ خدا نے ہی ایسا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو وحی فرمائی تھی:

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ○ (سورۂ یونس: آیت ۸۷)

"ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات مہیا کرو اور اپنے مکانوں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو بشارت دو"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ مسجد میں خود ان کے اور ان کے بھائی ہارونؑ اور ان کی اولاد کے علاوہ اور کوئی رہائش اختیار نہ کرے اور نہ ہی اس میں کوئی حقوقِ بشریت ادا کرے۔ لوگو! آگاہ رہو، علیؑ کو مجھ سے وہی مقام حاصل ہے جو کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھا۔ وہ میرا بھائی ہے۔ میری اس مسجد میں کسی کے لیے بیویوں سے زفاف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ علیؑ اور اس کی اولاد اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ تم میں سے جسے یہ بات پسند ہو تو وہ یہاں رہے اور جسے ناگوار گزرے تو اُدھر چلا جائے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے شام کی طرف اشارہ کیا"۔

حضرت علیؑ میں متضاد صفات پائی جاتی تھیں

ابن ابی الحدید نے ایک جامع گفتگو میں آپ کے کچھ فضائل کی طرف اشارہ کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے:

امیر المومنین علیہ السلام میں متضاد صفات پائی جاتی تھیں، مثلاً جو شخص جنگ کا پانسہ پلٹنے والا

ہوتو وہ شخص سنگ دل، سفاک اور جابر قسم کا انسان ہوتا ہے۔

اور جو شخص دنیا سے لاتعلق ہو اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہو اور انھیں موت یاد دلا کر برائیوں سے منع کرتا ہو تو ایسا شخص نرم مزاج اور رقیق القلب ہوتا ہے۔ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کی متضاد ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرت علی علیہ السلام میں یہ دونوں اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔

وہ افراد جو جنگی سورما ہوتے ہیں اور دشمنوں کے خون کی ندیاں بہاتے ہیں تو ان میں وحشی اور درندوں کی سی اوصاف پائی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس تارک الدنیا اور زاہد مزاج افراد نرم مزاج ہوتے ہیں اور ان کے چہرے ہروقت نفرت و وحشت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام سب سے بڑے بہادر تھے اور آپؑ جنگ میں خون کی ندیاں بہاتے تھے، مگر اس کے باوجود آپؑ پوری دنیا سے بڑے زاہد تھے اور دنیاوی زینتوں سے دُور رہتے تھے اور آپؑ سب سے بڑے خلیق مبلّغ تھے اور آپؑ سے بڑا عابد و زاہد آج تک چشمِ فلک نے نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود آپؑ لطیف اَخلاق کے مالک تھے۔ آپؑ کا چہرہ چودھویں کی شب کے مانند دمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ آپؑ میں وہ سختی اور گھٹن نہیں تھی، جو کہ خشک زاہدوں کا خاصا ہے۔ آپؑ ہنس مکھ انسان تھے۔ آپؑ کے دشمنوں نے آپؑ کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ آپؑ "ضرورت سے زیادہ خوش مزاج ہیں اور آپؑ میں حسِ مزاح پائی جاتی تھی"۔

دنیا میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو شخص اقتدار پر فائز ہو اور سردار ہو تو اس میں تکبر و رعونت آجاتی ہے اور جب کوئی شخص اعلیٰ نسب بھی رکھتا ہو تو پھر اس کے تکبر میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولادت ہی عظمت و شرف کے گھر میں ہوئی تھی۔ آپؑ کا ہر دوست و دشمن مانتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپؑ سے بڑھ کر کسی کو نسب کا افتخار نہیں ملا۔ آپؑ کو صرف نسب کا شرف ہی حاصل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ آپؑ کو دیگر دسیوں شرف بھی حاصل تھے۔ ان تمام تر شرف و حکومت کے باوجود آپؑ ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے اور آپؑ تکبر سے کوسوں دُور رہتے تھے اور عارفانِ حق کے سرخیل تھے۔

آپؑ کی زندگی کا ہر لمحہ منقبت سے بھرپور تھا خواہ وہ خلافت کا دور ہو یا اس سے پہلے کا زمانہ ہو۔ حکومت پا کر اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی تھی اور اقتدارِ حکومت سے آپؑ کے اخلاق میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا تھا۔ ریاست پا کر آپؑ میں فرق کیونکر آتا؟ آپؑ تو روزِ اوّل سے ہی رئیس تھے؟ خلافت نے آپؑ کے شرف میں اضافہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ آپؑ کے لیے باعثِ زینت تھی۔

شیخ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: واضح رہے کہ ان کی تاریخ کا نام "منتظم" ہے۔

شیخ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل کی محفل میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؑ کی خلافت کا تذکرہ ہوا۔ وہاں پر موجود افراد نے اس پر طویل گفتگو کی۔ امام احمد بن حنبل خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے، پھر انھوں نے حاضرین کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا اور کہا:

"تم لوگوں نے بڑی باتیں کیں۔ یاد رکھو! خلافت نے علیؑ کو زینت نہیں دی بلکہ علیؑ نے خلافت کو زینت دی تھی"۔

امام احمد کی گفتگو سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ علیؑ کے علاوہ باقی جتنے بھی خلفاء آئے ہیں اُن میں کچھ نہ کچھ کمی تھی، جس کی تلافی خلافت سے ہوئی تھی اور خلافت میں جو کوئی کمی تھی اس کی تلافی علیؑ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔

یاد رکھیں وہ لوگ جو بڑے دلیر ہوتے ہیں وہ رحم و درگزر سے بہت دُور ہوتے ہیں، کیونکہ اُن میں قوتِ غضبیہ بڑی شدید ہوتی ہے جب کہ امیرالمومنینؑ اس لحاظ سے متضاد صفات کے مالک تھے۔ جب آپؑ رزم آرا ہوتے تو بہادروں کے سر کاٹ کر گراتے تھے۔ جہاں چشمِ تاریخ نے آپؑ سے بڑا دلیر نہیں دیکھا وہاں آپؑ سے بڑا رحم دل اور معاف کرنے والا شخص بھی نہیں دیکھا۔ اس گفتگو کی صداقت کا ملاحظہ کرنا ہو تو دیکھیں کہ آپؑ نے جنگِ جمل فتح کرنے کے بعد لوگوں سے کس طرح کا سلوک کیا تھا؟

علیؑ اور غدیر

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۂ مائدہ: آیت ۶۷)

"اے رسولؐ! جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے آپؐ پر نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دیجیے اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپؐ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا"۔

ہماری آج کی گفتگو کا عنوان واقعۂ غدیر ہے اور یہ عالمِ اسلام کا وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے خدا نے اپنے دین کو کامل کیا اور اہلِ اسلام پر اپنی نعمت کو تمام کیا۔ غدیر وہ عظیم دن ہے جب حضرت علی علیہ السلام کی خلافتِ عظمیٰ اور امامتِ کبریٰ کے لیے تاج پوشی کی گئی تھی۔

یاد رکھیں! یہ عالمِ اسلام کی اہم ترین بحث ہے اور یہیں سے ہی اسلامی مذاہب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس عنوان پر بالخصوص امامت وخلافت کے عنوان پر بالعموم جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا ناممکن ہے اور ان کتابوں میں ہر طرح کی کتابیں شامل ہیں۔ کچھ کتابیں اثبات میں لکھی گئی ہیں اور کچھ تردید میں لکھی گئی ہیں اور کچھ مناظرہ اور مناقشہ کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔

چودہ صدیوں میں اس واقعہ اور اس کے متعلقات کے لیے عالمِ اسلام میں خون کے

دریا بہائے گئے ہیں اور انتہائی دردناک اور افسوس ناک واقعات کے پس منظر میں اسی واقعہ کی اثبات یا تردید شامل ہے۔

ہماری نظر میں امامت نبوت کی تالی ہے اور یہ وظیفۂ الٰہی ہے اور خدائی منصب ہے۔ اس میں کسی کو چناؤ یا مسترد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (سورۂ احزاب: آیت ۳۶)

"اور کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اُس کا رسولؐ کسی معاملہ میں فیصلہ کریں تو اُنھیں اپنے معاملہ کا اختیار حاصل رہے"۔

مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے غدیر کا واقعہ بیان کیا جائے اور پھر اس کے ضمن میں اہلِ بیتؑ، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین، محدثین، مفسرین اور مورخین، شعراء، ائمہ، اَعلام وحفاظ کی گفتگو کا جائزہ لیا جائے۔

یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کہ کچھ نصرانیوں نے بھی اس واقعہ کو نظم ونثر میں بیان کیا ہے۔ ہم اپنی گفتگو میں اس طرف بھی مختصر سا اشارہ کریں گے۔

اس سلسلے کا سب سے تعجب خیز پہلو یہ ہے کہ کچھ علمائے کرام نے حدیث غدیر کے رجال، اسناد اور متن کے متعلق لکھا ہے کہ اس حدیث کے رجال اور متن میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس کے بعد اُنھوں نے ناانصافی کرتے ہوئے یہ لکھا:

"علیؑ اَفضل تھے لیکن علیؑ کا غیر زیادہ باصلاحیت تھا"۔

سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر انصاف کا خون کیا جاسکتا ہے اور یہ وہ عجیب جملہ ہے جو کہ پسر مُردہ ماں کو بھی ہنسانے کے لیے کافی ہے، کیونکہ اس جملے کا معنٰی یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کو گویا یہ علم ہی نہیں تھا کہ زیادہ صلاحیت رکھنے والا کون ہے؟ یا پھر اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ باصلاحیت فرد کو جانتے تھے، لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے غیر صلاحیت یافتہ فرد کو مقدم رکھا۔۔۔ ایسے باطل سے ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔

بہتر ہوگا کہ پہلے مختصر الفاظ میں واقعہ کو بیان کیا جائے، اس کے بعد پھر دیکھیں گے کہ

یہ گفتگو کہاں پر جا کر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں محدثین اور مفسرین کے بیانات میں اختصار و تفصیل کا فرق ضرور ہے، لیکن واقعہ ایک ہی ہے۔ صورتِ واقعہ یہ ہے:

جب حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسکِ حج مکمل کر لیے اور آپؐ مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ کے ساتھ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ آپؐ سفر کرتے ہوئے میقاتِ جحفہ کے قریب مقامِ غدیر خم پر پہنچے۔

غدیر ایک چوراہا تھا اور یہاں سے ہی مدینہ، عراق، یمن اور مصر کے راستے جدا ہوتے تھے۔ جس دن آنحضرتؐ مقامِ غدیر پر پہنچے تو وہ اٹھارہ ذی الحج اور جمعرات کا دن تھا۔

جب آپؐ غدیر خم پر پہنچے تو جبرئیل امینؑ آپؐ پر یَآاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ...... کی آیت لے کر نازل ہوئے اور آنحضرتؐ کو یہ پیغام پہنچایا کہ علیؑ کو لوگوں پر حجت قرار دیں اور اُن کی ولایت کا اعلان کریں اور ہر شخص پر اُن کی اطاعت کے واجب ہونے کو واضح کریں۔

اس وقت کچھ حجاج کرام آگے بڑھ کر جحفہ تک پہنچ چکے تھے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جو آگے جا چکے ہیں اُنھیں واپس بلایا جائے اور جو پیچھے ہیں اُن کا انتظار کیا جائے۔ وہاں پر ببول کے پانچ درخت تھے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اُن کے نیچے کوئی نہ بیٹھے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو وہاں جھاڑو دیا گیا، پھر نمازِ ظہر کی اذان دی گئی۔

رسولؐ خدا نے اُن درختوں کے سائے میں نماز پڑھائی۔ اس دن شدید گرمی تھی اور حالت یہ تھی کہ کچھ لوگوں نے گرمی سے بچنے کے لیے اپنی چادر کا کچھ حصہ سر پر کیا تھا اور کچھ حصہ قدموں کے نیچے ڈالا ہوا تھا۔ رسولؐ خدا کے لیے ایک کیکر کے درخت پر چادر ڈال دی گئی تا کہ آپؐ سائے میں رہیں۔ آپؐ نے پالانوں کا منبر بنوایا اور بلند آواز سے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہم اُس سے مدد چاہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس پر توکل کرتے ہیں اور ہم اپنے نفوس کی برائیوں سے بچنے کے لیے خدا کی پناہ چاہتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے

بچنے کے لیے اسی سے درخواست کرتے ہیں۔ وہ جسے گمراہی میں چھوڑ
دے اُس کے لیے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے اور جسے وہ ہدایت
کرے تو اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ
کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اُس کا عبد اور اس کا رسولؐ ہے۔

اما بعد! اے لوگو! مجھے لطیف وخبیر خدا نے خبر دی ہے کہ ہر آنے والا نبیؑ
سابقہ نبیؑ کی آدھی عمر تک زندگی بسر کرتا ہے۔ بلاوے کا وقت قریب آن
پہنچا ہے میں اس پر لبیک کہوں گا۔ مجھ سے بھی پوچھا جائے گا اور تم سے
بھی پوچھا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟"

حاضرین نے کہا: ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے ہم تک خدا کا پیغام پہنچایا اور آپؐ
نے اُمت کی خیرخواہی کی اور پوری جدوجہد کی۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو جزائے خیر دے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ
اُس کا عبد اور اُس کا رسولؐ ہے اور جنت حق ہے، دوزخ حق ہے اور موت حق ہے اور قیامت
نے آنا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ اہلِ قبور کو دوبارہ اُٹھائے گا؟

حاضرین نے کہا: جی ہاں، ہم یہ گواہی دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: خدایا! گواہ رہنا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: لوگو! کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟

سب نے کہا: جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا: میں تم سے پہلے حوض پر پہنچوں گا اور تم میرے پاس حوض پر آؤ گے۔
میرے حوض کا عرض اتنا ہوگا جتنا کہ صنعاء اور بصرہ کا فاصلہ ہے۔ وہاں ستاروں کی تعداد کے
برابر چاندی کے پیالے ہوں گے۔ دیکھنا میرے بعد تم ثقلین (دوگراں قدر) سے کیا سلوک
کرتے ہو؟

ایک شخص نے پکار کر کہا: یارسولؐ اللہ! ثقلین کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ثقلِ اکبر اللہ کی کتاب ہے۔ اُس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور

دوسرا سرا تمھارے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے تمسک رکھو اور گمراہی سے بچ جاؤ اور ثقل اصغر میری عترت ہے۔ لطیف وخبیر خدا نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں۔ ان پر سبقت نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے اور اُس سے دُور نہ ہونا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔

اس کے بعد رسولؐ اکرم نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اُسے اتنا بلند کیا کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی۔ سب لوگوں نے اس منظر کو دیکھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنین کی جان مال پر اُن سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟

سب نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

"جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے"۔

آپؐ نے یہ جملہ تین مرتبہ دُہرایا۔ احمد بن حنبل کے بقول آپؐ نے اس جملہ کو چار مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ وابغض من ابغضہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار الا فلیبلغ الشاھد الغائب

"خدایا! تو اُس سے دوستی کر جو علیؑ سے دوستی کرے اور تو اُس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے اور تو اس سے محبت کر جو علیؑ سے محبت کرے اور تو اُس سے بُغض رکھ جو علیؑ سے بُغض رکھے اور تو اُس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور تو اُسے بے یار ومددگار چھوڑ جو علیؑ کو بے یار ومددگار چھوڑے اور حق کو اُس کے ساتھ پھیر جدھر علیؑ پھر جائے۔ جو یہاں موجود ہے وہ میرا یہ پیغام غائب تک پہنچا دے"۔

کچھ علمائے اسلام نے غدیر کے مفصل خطبہ کو بھی نقل کیا ہے جیسا کہ طبری نے اسے

احتجاج میں نقل کیا ہے جب کہ زیادہ تر محدثین نے اُسے تفصیل کے بغیر نقل کیا ہے۔

جب آپؐ کا خطبہ مکمل ہوا تو آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ علیؑ کی خلافت کے لیے بیعت کریں اور اُنھیں امیر المومنین کہہ کر سلام کریں۔

مسلمان ہر طرف سے بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یہ حکم آپؐ کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے ہے؟

آپؐ نے فرمایا: کیا یہ غیر اللہ کی طرف سے ہے؟ یہ خدا اور اس کے رسولؐ کا فرمان ہے۔

یہ سن کر دونوں حضرات اُٹھے اور بیعت کی۔ حضرت عمرؓ نے ان الفاظ سے سلام کیا:

السلام علیك یا امیر المومنین بخٍ بخٍ لك لقد اصبحت مولای ومولی کل مؤمن ومؤمنة

"امیر المومنینؑ! آپؑ پر سلام، آپؑ کو مبارک ہو، آپؑ میرے اور ہر مومن اور مومنہ کے حاکم و مولا بن گئے ہیں"۔

یہ واقعہ محدثین و مفسرین اور مورخین میں انتہائی مشہور ہے۔ اس روایت کے تواتر کی وجہ سے اسے اصح الاحادیث کا درجہ دیا جاتا ہے۔

حدیث غدیر کے گواہ صحابہؓ کے نام

جن صحابہ نے واقعۂ غدیر کی گواہی دی تھی ان میں سے ہم ایک سو پانچ صحابہ کے نام یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱- ابو ہریرہ	۲- ابو لیلیٰ انصاری	۳- ابو زینب بن عوف انصاری
۴- ابو فضالہ انصاری	۵- ابو قدامہ انصاری	۶- ابو ذویب بن خویلد
۷- ابو بکر بن ابی قحافہ	۸- اسامہ بن زید	۹- اسعد بن زرارہ
۱۰- ابی بن کعب انصاری	۱۱- اسماء بنت عمیس	۱۲- اُم سلمہ زوجہ پیغمبرؐ
۱۳- اُم ہانی بنت ابوطالبؑ	۱۴- براء بن عازب انصاری	۱۵- ابو حمزہ انس بن مالک
۱۶- بریدہ بن خصیب	۱۷- جابر بن سمرہ	۱۸- جابر بن عبداللہ انصاری

۱۹- ابوعمرہ بن عمر بن محصن
۲۰- ابورافع قبطی
۲۱- ابوالہیثم بن التیہان
۲۲- ابوسعید ثابت بن ودیعہ
۲۳- جبلہ بن عمرو انصاری
۲۴- جبیر بن مطعم
۲۵- جریر بن عبداللہ
۲۶- ابوذر جندب بن جنادہ
۲۷- ابوجنیدہ جندع بن عمرو
۲۸- حبہ بن جریر عرنی
۲۹- حبشی بن جنادہ
۳۰- حبیب بن بدیل
۳۱- حذیفہ بن اسید
۳۲- حذیفہ بن الیمان
۳۳- حسان بن ثابت
۳۴- امام حسنؑ بن علیؑ
۳۵- امام حسینؑ بن علیؑ
۳۶- ابوایوب انصاری
۳۷- خالد بن ولید
۳۸- خزیمہ بن ثابت
۳۹- خویلد بن عمرو الخزاعی
۴۰- رفاعہ بن عبدالمنذر
۴۱- زبیر بن عوام
۴۲- زید بن ثابت
۴۳- زید بن عبداللہ انصاری
۴۴- زید بن یزید بن شراحیل
۴۵- سعد بن ابی وقاص
۴۶- سعد بن جنادہ
۴۷- سعد بن عبادہ
۴۸- ابوسعید خُدری
۴۹- سعید بن سعد بن عبادہ
۵۰- سلمان فارسی
۵۱- سمرہ بن جندب
۵۲- سلمہ بن عمرو
۵۳- سہل بن سعد انصاری
۵۴- ابوامامہ صدی بن عجلان
۵۵- ضمیرۃ الاسدی
۵۶- طلحہ بن عبیداللہ
۵۷- عامر بن عمیر
۵۸- عامر بن لیلیٰ
۵۹- عامر بن واثلہ
۶۰- عامر بن لیلیٰ الغفاری
۶۱- عائشہؓ زوجۂ پیغمبرؐ
۶۲- عباس بن عبدالمطلبؑ
۶۳- عبدالرحمٰن بن عبدرب
۶۴- عبدالرحمٰن بن عوف
۶۵- عبدالرحمٰن بن یعمر
۶۶- عبداللہ بن بی عبدالاسد
۶۷- عبداللہ بن بدیل
۶۸- عبداللہ بن ثابت انصاری
۶۹- عبداللہ بن جعفر طیار
۷۰- عبداللہ بن حنطب
۷۱- عبداللہ بن ربیعہ
۷۲- عبداللہ بن عباس
۷۳- عبداللہ بن ابی اوفیٰ
۷۴- عبداللہ بن عمر بن الخطاب
۷۵- عبداللہ یامیل
۷۶- عدی بن حاتم
۷۸- عبید بن عازب انصاری
۷۹- عطیہ بن یسر
۸۰- عقبہ بن عامر
۸۱- علی بن ابی طالبؑ
۸۲- عمار بن یاسر
۸۳- عمارۃ الخزرجی
۸۴- عمر بن ابی سلمہ
۸۵- عمر بن الخطاب
۸۶- عمران بن حصین
۸۷- عمرو بن الحمق خزاعی
۸۸- عمرو بن شراحیل

۸۹-عمرو بن العاص	۹۰-عمرو بن مرہ	۹۱-فاطمہ زہراؑ
۹۲-فاطمہ بنت حمزہ	۹۳-قیس بن سعد بن عبادہ	۹۴-قیس بن ثابت
۹۵-کعب بن عجرہ	۹۶-مالک بن حویرث	۹۷-مقداد بن عمرو کندی
۹۸-ناجیہ بن عمرو خزاعی	۹۹-ابو برزہ فضلہ بن عتبہ	۱۰۰-نعمان بن عجلان
۱۰۱-ہاشم مرقالی	۱۰۲-وہب بن حمزہ	۱۰۳-وہب بن عبداللہ
۱۰۴-وحشی بن حرب	۱۰۵-لیلیٰ بن مرہ	

تکمیلِ دین

جب امیر المومنین علی علیہ السلام کی بیعت مکمل ہوگئی تو اس وقت جبرئیل امینؑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۂ مائدہ: آیت ۳)

"آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کیا ہے اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کی ہے اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے"۔

تمام شیعہ محدثین و مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کے بعد نازل ہوئی۔

حسب ذیل اہل سنت کے محدثین و حفاظ نے بھی یہی لکھا ہے:

① محمد بن جریر طبری (کتاب الولایہ)
② تفسیر ابن کثیر میں ابن مردویہ کے حوالے سے یہی لکھا ہوا ہے۔
③ حافظ ابونعیم اصفہانی (ما نزل من القرآن فی علی)
④ ابوبکر خطیب بغدادی (تاریخ بغداد، جلد ۸)
⑤ ابوسعید جستانی (کتاب الولایۃ)

⑥ حافظ ابوالقاسم حاکم حسکانی (دعاۃ الھداۃ الی اداء حق الموالاۃ)

⑦ حافظ ابوالقاسم بن عساکر

⑧ ابوالحسن بن مغازلی (مناقب مغازلی)

⑨ اخطب خوارزمی (مناقب خوارزمی)

⑩ ابوالفتح نطنزی (الخصائص العلویہ)

⑪ ابوحامد سعدالدین صالحانی سے شہاب الدین احمد نے کتاب توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں نقل کیا ہے۔

⑫ سبط ابن جوزی نے "تذکرہ" میں یہ لکھا ہے۔

⑬ شیخ الاسلام حموینی (فرائد السمطین)

⑭ عماد الدین بن کثیر قرشی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

⑮ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور اور اتقان میں یہ لکھا ہے۔

⑯ منیر محمد بدخشی (مفتاح النجاۃ)

ولایت علیؑ کے منکر پر عذاب

اعلانِ غدیر کے بعد پورے عرب میں یہ خبر پھیلی۔ یہی خبر حارث بن نعمان فہری نے بھی سنی۔ اُسے اس کا شدید دُکھ ہوا۔ وہ اپنی ناقہ پر سوار ہوکر رسولِ خداؐ کے پاس آیا۔ جب وہ مقامِ ابطح پر پہنچا تو وہ اپنی ناقہ سے نیچے اُترا اور اسے اچھی طرح سے بٹھا کر آنحضرتؐ کے سامنے آیا اور اس نے آپؐ سے یہ کہا:

محمدؐ! آپؐ نے خدا کا نمائندہ بن کر ہم سے یہ کہا کہ ہم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں۔ ہم نے آپؐ کی بات مانی۔ آپؐ نے ہمیں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا، ہم نے نمازیں پڑھیں۔ آپؐ نے ہمیں ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا تو ہم نے روزے رکھے۔

آپؐ نے ہمیں حج کا حکم دیا تو ہم نے اسے بھی قبول کیا، لیکن آپؐ ان تمام باتوں پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر آپؐ نے اپنے ابنِ عم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ہم پر فضیلت دی ہے اور آپؐ

نے یہ کہا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ تو کیا یہ سب کچھ آپؐ نے اپنی طرف سے کہا ہے یا خدا کی طرف سے؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ سب کچھ میں نے خدا کی طرف سے کہا ہے۔

اس وقت حارث بن نعمان نے پشت پھیری اور اپنی ناقہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور اس نے یہ کہا: ''خدایا! جو کچھ محمدؐ کہہ رہا ہے اگر یہ حق ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل فرما، یا ہم پر دردناک عذاب نازل فرما''۔

ابھی وہ اپنی ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ خدا کی طرف سے ایک پتھر آیا۔ اُس کی کھوپڑی پر لگا اور اس کی دُبر سے نکل گیا جس سے اس کی ہلاکت ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ○ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ○ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ○ (سورۂ معارج: آیت ۱ تا ۳)

''ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا، جو واقع ہونے ہی والا ہے۔ کفار کے لیے اُسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ عروج کے مالک اللہ کی طرف سے ہے''۔

منکرِ ولایت پر نزولِ عذاب کے حوالہ جات

جملہ شیعہ محدثین و مفسرین کا اجماع ہے کہ سورۂ معارج کی ابتدائی آیات کا تعلق حارث بن نعمان فہری سے ہے۔

علمائے اہلِ سنت کی بھی ایک کثیر تعداد نے یہ اعتراف کیا ہے کہ جب حارث بن نعمان پر خدا کا عذاب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ہم حسب ذیل علمائے اہلِ سنت اور اُن کی کتابوں کے نام بیان کرتے ہیں جنھوں نے یہ واقعہ لکھا ہے:

① حافظ ابو عبید ہروی (تفسیر غریب القرآن)
② ابوبکر نقاش موصلی (تفسیر شفاء الصدور)
③ ابو اسحاق ثعلبی نیشاپوری (تفسیر الکشف والبیان)
④ حاکم ابو القاسم حسکانی (دعاۃ الھداۃ)
⑤ ابوبکر یحییٰ قرطبی (تفسیر قرطبی)
⑥ سبط ابن جوزی (تذکرۃ السبط)
⑦ ابراہیم بن عبداللہ یمنی الشافعی (الاکتفاء)
⑧ حموینی (فرائد السمطین)
⑨ شیخ محمد زرندی حنفی (معارج الوصول، درر السمطین)
⑩ شہاب الدین احمد (ہدایۃ السعداء)
⑪ ابن صباغ مالکی (الفصول المہمۃ)
⑫ نورالدین سمہودی (جواہر العقدین)
⑬ ابوالسعود العمادی (تفسیر عمادی)
⑭ شمس الدین شربینی الشافعی (تفسیر السراج المنیر)
⑮ جمال الدین شیرازی (الاربعین)
⑯ شیخ زید الدین المناوی الشافعی (فیض القدیر)
⑰ سید ابن العیدروس الحسینی الیمنی (العقد النبوی والسیر المصطفوی)
⑱ شیخ احمد باکثیر الشافعی (وسیلۃ المآل فی عد مناقب الآل)
⑲ شیخ عبدالرحمٰن صفوی (نزہۃ المجالس)
⑳ شیخ برہان الدین علی الحلبی الشافعی (السیرۃ الحلبیۃ)
㉑ سید محمود بن محمد القادری المدنی (الصراط السوی فی مناقب النبی)
㉒ شمس الدین الحنفی الشافعی (شرح جامع الصغیر سیوطی)
㉓ شیخ محمد صدر العالم سبط الشیخ ابی الرضا (معارج العلیٰ فی مناقب المرتضیٰ)

۲۴ شیخ محمد محبوب العالم (تفسیر شاہی)

۲۵ ابو عبداللہ زرقانی المالکی (شرح مواہب لدینہ)

۲۶ احمد بن عبدالقادر الشافعی (ذخیرۃ المآل)

۲۷ سید احمد بن اسماعیل یمانی (الروضۃ الندیۃ)

۲۸ سید مومن شبلنجی الشافعی (نورالابصار)

۲۹ شیخ الاستاذ محمد عبدہ مصری (تفسیر المنار)

لفظ مولیٰ کے معانی

اہلِ لغت نے لفظ ''مولیٰ'' کے بیس معانی لکھے ہیں اور یہی چیز حدیث کے مفہوم میں مناقشہ کا سبب ہے۔ چنانچہ کچھ افراد کہتے ہیں کہ لفظ مولاہُ کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ اس سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت وحکومت ثابت نہیں ہوتی۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے لفظ مولاہُ کا خود ہی معنی واضح فرما دیا تھا۔

روایت بیان کرتی ہے کہ حضرت عمار یاسرؓ نے رسولِ خدا سے پوچھا کہ آپؐ نے فرمایا ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ تو اس مولا کا کیا مفہوم ہے؟

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُ مَوْلَايَ ''اللہ میرا مولا ہے''۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کو میری جان پر تصرف کا حق حاصل ہے۔ مجھے کوئی تصرف کا حق حاصل نہیں ہے اور اسی طرح سے اَنَا مَوْلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کا معنی یہ ہے کہ ''میں اہلِ ایمان کے جان و مال پر تصرف کا حق رکھتا ہوں''۔ میرے ہوتے ہوئے اُنھیں اپنی جان و مال میں تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

اور میں نے یہ کہا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ جس کا مَیں اولیٰ بالتصرف ہوں۔ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ''تو اس کا علیؑ مولا ہے''۔ مقصد یہ ہے کہ علیؑ اُن کے جان و مال پر خود ان سے تصرف کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

سبحان اللہ! جب رسولِ خدا نے حدیث کے معانی کی اتنی طویل وضاحت کردی تھی تو پھر کسی کو من مانی تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

کیا اس وضاحت کے بعد بھی کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟ اور کیا اس تشریح کے باوجود کسی کے پاس کوئی حجت باقی رہ جاتی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب پر حجت تمام کردی ہے اور آپؐ نے فرمانِ خداوندی کو احسن انداز سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں مرحوم علامہ عبدالحسین شرف الدین علیہ الرحمہ نے لفظ مولیٰ کے متعلق بڑی خوب صورت گفتگو کی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا ہے:

''مسلمانو! ذرا انصاف سے بتاؤ کہ اگر غیر مسلم فلاسفر تم سے یہ پوچھ لیں کہ غدیر خم میں کیا ہوا تھا اور رسولِ خدا نے ہزاروں افراد کو سفر سے کیوں روکا تھا؟ بھلا تپتے ہوئے چٹیل میدان میں آنحضرتؐ نے لوگوں کو دوپہر کے وقت کیوں بٹھایا تھا؟ جو آگے چلے گئے تھے اُنھیں آپؐ نے واپس کیوں بلایا تھا اور آنے والوں کا انتظار کیوں کیا تھا۔ آخر یہ سارا اہتمام کس لیے ہوا تھا؟ ایسا کون سا ضروری کام تھا جس کے لیے رسولِ خدا نے لوگوں کو تپتی ہوئی دھوپ میں ایسی جگہ بٹھایا تھا جہاں پانی بھی وافر مقدار میں موجود نہ تھا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم پر خطبہ دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو شخص یہاں موجود ہے وہ میرا پیغام اس تک پہنچائے جو موجود نہیں ہے؟

آخر اس پیغام کی کیا خاصیت تھی جسے آپؐ تمام لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے؟

آخر آپؐ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی کہ میرا آخری وقت آنے کو ہے؟

يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبُ؟

آخر آپؐ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ مجھ سے بھی سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی سوال کیا جائے گا؟ یعنی مجھ سے میری تبلیغ اور تم سے تمھاری اطاعت کے بابت پوچھا جائے گا؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے توحید و رسالت کی گواہی اور جنت و دوزخ اور موت اور روزِ قیامت کی گواہی کا اقرار کرانے کے فوراً بعد حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اتنا بلند

کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی تھی؟ اور آپؐ نے اس وقت یہ الفاظ کیوں فرمائے تھے:

اَللّٰہُ مَوْلَایَ وَاَنَا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

"اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں"۔

پھر آپؐ نے لفظ مولیٰ کی وضاحت ان الفاظ سے کیوں کی تھی:

اَنَا اَوْلٰی بِهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

"میں ان کے نفسوں پر اولویت رکھتا ہوں"۔

پھر لفظ مولیٰ کی اس تفسیر کے بعد آپؐ نے بلافصل یہ الفاظ کیوں کہے تھے:

فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَهٰذَا مَوْلَاہُ؟

"پس جس کا میں مولا ہوں اُس کا علیؑ مولا ہے"۔

یا اس کی بجائے یہ الفاظ کیوں فرمائے تھے:

مَنْ کُنْتُ وَلِیُّهٗ فَهٰذَا وَلِیُّهٗ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ

"خدایا! اس سے دوستی رکھ جو علیؑ سے دوستی رکھے اور اُس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے اور اُس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اُسے بے یارومددگار چھوڑ دے جو علیؑ کو بے یارومددگار چھوڑے؟"

رسولِؐ خدا نے حضرت علیؑ کے لیے ایسی دُعا کیوں فرمائی تھی جو کہ صرف ائمہ حق اور سچے خلفاء کے لیے کی جاتی ہے؟

رسول اکرمؐ نے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ یا مَنْ کُنْتُ وَلِیُّهٗ فَعَلِیٌّ وَلِیُّهٗ کے کلمات سے قبل اپنی اُولویت کا اقرار ان الفاظ سے کیوں کرایا تھا؟

اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ

"کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم پر حقِ تصرف نہیں رکھتا؟"

اس خطبے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عترت کو قرآن کے ساتھ کیوں شامل کیا

تھا اور انھیں اہلِ ایمان کا راہ نما کیوں مقرر کیا تھا؟

صاحبِ حکمت پیغمبرؐ کو اتنے بڑے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟ انھیں اہم کام کیا تھا جس کے لیے اتنے مقدمات فراہم کیے گئے تھے؟ اس عظیم اجلاس کا آخر مقصود کیا تھا؟

اللہ تعالیٰ نے یَآاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ......کی تہدیدی آیت کیوں نازل فرمائی تھی؟ اور وہ کون سا مسئلہ تھا جس کی ادائیگی کے لیے قدرت کی طرف سے اتنی تاکید کی گئی تھی؟

وہ کون سا معاملہ تھا جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہوسکتا تھا؟ اگر کوئی کہے کہ آپؐ کو کوئی خطرہ نہ تھا تو پھر خدا نے وَ اللہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کے الفاظ سے آنحضرتؐ کی حفاظت کا اعلان کیوں کیا تھا؟

مسلمانو! اپنے خدا کو شاہد بنا کر اپنے ضمیر کو زندہ کر کے بتائیں کہ ان سوالات کا صرف یہی جواب ہوسکتا ہے کہ خدا اور رسولؐ کا مطلب بس اتنا سا تھا کہ لوگ حضرت علیؑ سے دوستی رکھیں!!

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس جواب پر خود تمھارا ضمیر بھی کبھی مطمئن نہیں ہوگا۔ تم اتنی چھوٹی سی بات کے لیے اتنے بڑے اہتمام کا نظریہ نہ تو خدا کے لیے قبول کر سکتے ہو اور نہ ہی صاحبِ حکمت رسولؐ کے لیے اس بات کا تصور کر سکتے ہو۔

اس اعلان سے قبل بھی حضرت علیؑ مسلمانوں کے دوست تھے اور مسلمان بھی آپؑ کے دوست تھے لہٰذا جو چیز پہلے سے موجود تھی اس کے اعلان کے لیے اتنے بڑے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟

ہمیں زندہ ضمیر اور منصف مزاج مسلمانوں کے متعلق یقین ہے کہ وہ رسولِؐ خدا کے اَفعال اور اَقوال کو ہر شک و شبہے سے بلند خیال کرتے ہیں اور وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ رسولؐ سے ایسے اَفعال صادر ہوں جو کہ اہلِ عقل کی نگاہ میں بے وقعت ہوں۔

ہمارے نبیؐ صاحبِ حکمت تھے۔ آپؐ معصوم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ○ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ○ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ (سورۂ تکویر: آیت ۱۹ تا ۲۲)

"یقیناً یہ (قرآن) معزز فرستادہ کا قول ہے جو قوت کا مالک ہے۔
صاحب عرش کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے۔ وہاں ان کی اطاعت کی جاتی
ہے وہ امین ہیں اور تمہارا رفیق (محمدؐ) دیوانہ نہیں ہے"۔

ان آیات کی موجودگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ تہمت نہیں لگائی جاسکتی کہ آپؐ اُن چیزوں کو بیان فرماتے تھے جو پہلے سے ہی سب کو معلوم ہوتی تھیں اور ایک واضح سی بات کی وضاحت کے لیے اتنی تمہیدات قائم کرتے تھے۔ خدا اور اُس کا رسولؐ اس سے کہیں بلند و بالا ہیں۔

یہ تمام تر اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا قائم مقام مقرر کرنا تھا۔

چنانچہ لفظی قرائن اور عقلی دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

یہ حدیث اور اس کے قرائن بتاتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے خلافت علیؑ پر ایسی واضح نص فرمائی تھی جس میں کسی بھی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔ یقیناً ہر بیدار مغز اور ہر صاحب انصاف اور زندہ ضمیر شخص کا یہی فیصلہ ہے۔

لوگوں نے حدیث غدیر کا اثر کم کرنے کے لیے یہ کہا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام یمن گئے تھے۔ چند لوگ ان سے ناراض ہوئے تھے اسی لیے رسولؐ خدا نے یہ اہتمام کیا، تاکہ کوئی بھی شخص حضرت علی علیہ السلام پر ناراض نہ رہے۔

حدیث غدیر کے پس منظر کو یوں بیان کرنا تاریخ کے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف ہے۔ تاریخ بیان کرتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بار حضرت علیؑ کو یمن روانہ کیا تھا۔ پہلی بار آپؐ ۸ ہجری میں یمن گئے تھے جہاں کچھ افراد نے آپؐ پر اعتراض کیے تھے اور نبی اکرمؐ کے سامنے اُن کی شکایت بھی کی تھی۔ نبی اکرمؐ نے شکایت کرنے والوں کو ڈانٹ دیا تھا، پھر کسی کو آپؐ پر اعتراض کرنے کی جسارت نہیں ہوئی تھی۔

پھر ۱۰ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو یمن بھیجا اور اُنھیں اپنا عمامہ باندھا تھا اور اپنے ہاتھ سے اُن کے لیے پرچم باندھا تھا اور روانگی کے وقت فرمایا تھا کہ خدا کے سہارا پر چلے جاؤ اور کسی طرف التفات نہ کرو۔ آپؐ یمن گئے اور نبی اکرمؐ کے فرمان کو پورا

کیا اور حجۃ الوداع کے وقت آپؑ یمن سے واپس آئے۔ رسولِ خدا نے اپنی قربانی میں انھیں شامل کیا تھا اور اس بار کسی کو بھی آپؑ سے کوئی شکوہ نہ تھا اور نہ ہی کسی نے آپؑ پر اعتراض کیا تھا۔

اگر بالفرض اس مفروضہ کو مان بھی لیا جائے تو رسولِ خدا اس چھوٹی سی بات کے لیے اتنا اہتمام کبھی نہ کرتے اور زیادہ سے زیادہ اس طرح کلمات کہتے:

"لوگو! یہ میرا ابنِ عم ہے، میرا داماد ہے اور میرے بچوں کا والد ہے اور میرے گھرانے کا سردار ہے"۔

یقیناً اس طرح کے الفاظ سے اگر شکر رنجیاں بھی ہوتیں تو وہ دُور ہو جاتیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ غدیر میں اہلِ بیتؑ کو مثیلِ قرآن قرار دیا۔ اس سے بھی ہمارے بیان کردہ مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ نے اس ذریعہ سے اپنی اُمت کو یہ درس دیا کہ میرے بعد ہدایت کے دو ہی ستون ہیں: ایک ستون ائمہؑ کی اتباع ہے جن کے مورثِ اعلیٰ حضرت علیؑ ہیں اور دوسرا ستون قرآنِ کریم ہے۔

قرآن اتنا معصوم ہے کہ باطل اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے اس پر حملہ آور ہوسکتا ہے۔ جس طرح سے قرآن کی موجودگی میں ایسی دوسری کتاب کی طرف رجوع کرنا حرام ہے، جو قرآن کے مسائل کی مخالفت کرتی ہو تو اسی طرح سے ائمہؑ عترت کے ہوتے ہوئے ایسے کسی بھی رہبر کی طرف رجوع کرنا حرام ہے جو ان سے اختلاف کرتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرمایا:

اِنَّهُمَا لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَىَّ الْحَوْضَ

"یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، جب تک میرے پاس حوض پر نہ آجائیں"۔

حدیث کے یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن بھی قیامت تک رہے گا اور اس کا وارث امام بھی قیامت تک رہے گا۔ زمین ائمہؑ عترت سے کبھی خالی نہ ہوگی۔

اسی نظریہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں زید

بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمْ خَلِيْفَتَيْنِ كِتَابَ اللهِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَاِنَّهُمَا لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ

"میں تمہارے درمیان اپنے دو جانشین چھوڑ کر جا رہا ہوں: اللہ کی کتاب یہ وہ رسّی ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلی ہوئی ہے اور میری عترتِ اہلِ بیتؑ، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، جب تک میرے پاس حوض پر نہ پہنچ جائیں"۔

یہ حدیث ائمۂ عترتؑ کی خلافت کے لیے نصِ قطعی ہے اور اس بات سے ہر شخص واقف ہے کہ اتباعِ عترت کے وجوب کی نص اتباعِ علیؑ کے وجوب کی نص ہے، کیونکہ آپؑ کی عترت ہی مورثِ اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا غدیر اور اس جیسی باقی احادیث علی علیہ السلام کی امامت پر نص کا درجہ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں حدیثِ ثقلین میں عترت کو عدیلِ قرآن کہا گیا۔ یہ بھی عترت کی امامت و خلافت کی بہترین دلیل ہے۔ (انتہیٰ کلام السید)

میں یہ کہتا ہوں کہ مسلم اور غیر مسلم شعراء نے حضرت علی علیہ السلام کے حق میں قصائد لکھے ہیں جو کہ محافل و مجالس کی زینت ہیں اور انھیں تمام ادب دوست افراد ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی اشعار کا بڑا مجموعہ ہمارے شیخ معظم علامہ عبدالحسین امینی نے اپنی کتاب "الغدیر" میں جمع کیا ہے اور ہماری اس گفتگو کا بڑا مصدر و منبع بھی الغدیر ہی ہے۔

واقعۂ غدیر اور شعراء

واقعۂ غدیر کو خود امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے بھی اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ آپؑ کی اس شہرہ آفاق نظم کو ملاحظہ فرمائیں:

مُحَمَّدُ النَّبِيُّ اَخِيْ وَصِهْرِيْ ۔۔۔ حَمْزَةُ سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ عَمِّيْ
وَجَعْفَرُ الَّذِيْ يُضْحِيْ وَيُمْسِيْ ۔۔۔ يَطِيْرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ ابْنُ اُمِّيْ
وَبِنْتُ مُحَمَّدٍ سَكَنِيْ وَعِرْسِيْ ۔۔۔ مَنُوْطٌ لَحْمُهَا بِدَمِيْ وَلَحْمِيْ

وَسِبْطَا اَحْمَدَ وَلَدَایَ مِنْھَا   فَاَیُّکُمْ لَهٗ سَھْمٌ کَسَھْمِیْ

سَبَقْتُکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ طُرًّا   وَمَا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِیْ

فَاَوْجَبَ لِیْ وِلَایَتَهٗ عَلَیْکُمْ   رَسُوْلُ اللّٰهِ یَوْمَ غَدِیْرِ خُمِّ

"محمدؐ پیغمبر میرے بھائی اور میرے سُسر ہیں اور سیدالشہداء حمزہؓ میرا چچا ہے اور جعفرؓ جو کہ صبح و شام ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتا ہے وہ میرا ماں جایا بھائی ہے۔ محمدؐ مصطفیٰ کی دُختر میری زوجہ ہیں۔ اُن کا گوشت میرے خون اور گوشت سے مخلوط ہے۔ احمدؐ کے دونوں نواسے میرے فرزند ہیں۔ تم میں کوئی ایسا ہے جسے مجھ جیسا حصّہ ملا ہو؟ میں نے اسلام میں تم پر سبقت حاصل کی ہے جب کہ میں بلوغت کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا۔ رسولؐ اکرم نے غدیر خم کے دن تم پر میری ولایت واجب قرار دی ہے"۔

یہ اشعار ایک اور انداز سے بھی منقول ہیں۔

امام علی بن احمد واحدی نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اصحابِ رسولؐ کی جماعت جمع تھی اور وہ اپنے اپنے فضائل بیان کر رہے تھے۔ اس جماعت میں ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، فضل بن عباس، عمار، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوذر، مقداد، سلمان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے۔ اتنے میں حضرت علی علیہ السلام بھی وہاں آئے۔ آپؑ نے صحابہ سے پوچھا کہ آپ حضرات کیا گفتگو کر رہے تھے؟

اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے ان مناقب کا ذکر کر رہے تھے، جو رسولؐ خدا نے ہمارے لیے بیان کیے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تو پھر میرے کچھ فضائل بھی سن لو۔ پھر آپؑ نے یہ اشعار پڑھے:

لَقَدْ عَلِمَ الْاُنَاسُ بِاَنَّ سَھْمِیْ   مِنَ الْاِسْلَامِ یَفْضُلُ کُلَّ سَھْمِ

وَاَحْمَدُ النَّبِیُّ اَخِیْ وَصِھْرِیْ   عَلَیْهِ اللّٰهُ صَلّٰی وَابْنُ عَمِّیْ

وَاِنِّیْ قَائِدٌ لِلنَّاسِ طُرًّا   اِلَی الْاِسْلَامِ مِنْ عَرَبٍ وَّعَجَمٍ

وَقَاتِلُ كُلِّ صِنْدِيْدٍ رَئِيْسٍ — وَجَبَّارٌ مِنَ الْكُفَّارِ ضَخْمٌ
وَفِي الْقُرْآنِ اَلْزَمَهُمْ وِلَائِيْ — وَاَوْجَبَ طَاعَتِيْ فَرْضًا بِعَزْمٍ
كَمَا هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اَخُوْهُ — كَذٰلِكَ اَنَا اَخُوْهُ وَذَاكَ اِسْمِيْ
لِذَاكَ اَقَامَنِيْ لَهُمْ اِمَامًا — وَاَخْبَرَهُمْ بِهٖ بِغَدِيْرِ خُمٍّ
فَمَنْ مِّنْكُمْ يُعَادِلُنِيْ بِسَهْمِيْ — وَاَسْلَامِيْ وَسَابِقَتِيْ وَرِحْمِيْ
فَوَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ — لِمَنْ يَّلْقَى الْاِلٰهَ غَدًا بِظُلْمِيْ
وَوَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ — لِجَاحِدِ طَاعَتِيْ وَمُرِيْدِ هَضْمِيْ
وَوَيْلٌ لِّلَّذِيْ يَشْقٰى سَفَاهًا — يُرِيْدُ عَدَاوَتِيْ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ

"سب انسان جانتے ہیں کہ اسلام میں میرا حصّہ ہر حصّے سے زیادہ ہے۔
احمد پیغمبرؐ میرے بھائی اور میرے سُسر ہیں۔ اُن پر خدا کی طرف سے
درود ہو، وہ میرے ابنِ عم ہیں۔ عرب و عجم میں سے جس نے بھی اسلام
قبول کیا ہے میں ایسے تمام انسانوں کا رہبر ہوں۔ میں ہر دلیر رئیس کا
قاتل ہوں اور بڑے بڑے کافروں پر غلبہ رکھتا ہوں۔ اللہ نے قرآن
میں میری ولایت کو واجب قرار دیا ہے اور میری اطاعت کو فرض قرار دیا
ہے۔ میری رسولِؐ خدا سے وہی نسبت ہے جو کہ ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی۔
میں بھی رسولؐ خدا کا بھائی ہوں اور یہ میرا نام ہے۔ اس لیے رسولؐ خدا
نے مجھے امامؑ مقرر کیا ہے اور غدیر خم میں لوگوں کو اس کی خبر دی ہے۔ تم
میں سے کون ہے جو کہ میرے حصّہ اور میرے اسلام، میری سبقت اور
میری رشتہ داری کی برابری کر سکے؟ ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے پھر
ہلاکت ہے اُس کے لیے جو میرا ظالم بن کر خدا کے سامنے پیش ہو۔
ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے اُس کے لیے جو میری اطاعت
کا منکر ہو اور میرے حق کا غاصب ہو۔ اور اس کے لیے ہلاکت ہے جو
کہ اپنے پاگل پن کی وجہ سے مجھ سے ناحق عداوت کا ارادہ رکھتا ہو"۔

حسان بن ثابت کے اشعار

دربارِ رسالت کے شاعر حسان بن ثابت نے بھی روزِ غدیر اپنی طرف سے نظم پڑھی تھی۔ اُن کی نظم یہ ہے:

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نَبِيُّهُمْ — بِخُمٍّ وَاسْمَعْ بِالنَّبِيِّ مُنَادِيَا
وَقَدْ جَاءَ جِبْرِيْلُ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ — بِاَنَّكَ مَعْصُوْمٌ فَلَاتَكُ وَانِيًا
وَبَلِّغْهُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ رَبُّهُمْ — اِلَيْكَ وَلَا تَخْشَى هُنَاكَ الْاَعَادِيَا
فَقَامَ بِهِ اِذْ ذَاكَ رَافِعُ كَفِّهِ — بِكَفِّ عَلِيٍّ مُعْلِنَ الصَّوْتِ عَالِيًا
فَقَالَ: فَمَنْ مَوْلَاكُمْ وَوَلِيُّكُمْ؟ — فَقَالُوا وَلَمْ يَبْدُوْا هُنَاكَ تَعَامِيَا
اِلٰهُكَ مَوْلَانَا وَاَنْتَ وَلِيُّنَا — وَلَا تَجِدَنَّ فِيْنَا لَكَ الْيَوْمَ عَاصِيَا
فَقَالَ لَهُ: قُمْ يَاعَلِيُّ فَاِنَّنِيْ — رَضِيْتُكَ مِنْ بَعْدِيْ اِمَامًا وَّهَادِيَا
فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا وَلِيُّهُ — فَكُوْنُوْا اَنْصَارَ صِدْقٍ مُوَالِيَا
هُنَاكَ دَعَا: اَللّٰهُمَّ وَالِ وَلِيَّهُ — وَكُنْ لِلَّذِيْ عَادِيْ عَلِيًّا مُعَادِيَا
فَيَارَبِّ انْصُرْ نَاصِرِيْهِ لِنَصْرِهِمْ — اَمَامُ هُدًى كَالْبَدْرِ يَجْلُو الدَّيَاجِيَا

"غدیر کے دن نبیؐ نے اُنھیں منادی دی اور کھل کر منادی دی۔ جبرئیلؑ رب کا حکم لے کر آئے کہ آپؐ کمزوری اختیار نہ کریں، خدا آپؐ کی حفاظت کرے گا۔ اللہ نے جو پیغام بھیجا ہے آپؐ اس کی تبلیغ کریں اور دشمنوں سے مت ڈریں۔ پھر نبیؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور کہا کہ تمھارا مولا اور ولی کون ہے؟ وہاں اُنھوں نے کسی اندھے پن کا مظاہرہ کیے بغیر ہی یہ کہا کہ تیرا معبود ہمارا مولا ہے اور تُو ہمارا سرپرست ہے ہماری صفوں میں آپ کو کوئی نافرمان نہیں ملے گا۔

رسولؐ نے فرمایا: اے علیؑ! اُٹھو! میں نے تمھیں اپنے بعد امامؑ اور ہادی مقرر کیا ہے۔ جس کا مَیں مولا ہوں اُس کا یہ حاکم ہے۔ تم اس کے سچے دوست بن کر رہنا۔ اس وقت رسولؐ نے دُعا مانگی: خدایا! تُو بھی اس کے

دوست سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو اُس سے دشمنی رکھ۔
خدایا! علیؑ کے مددگاروں کی مدد کی وجہ سے ان کی مدد کر۔ علیؑ ہدایت کے
لیے وہ چودھویں کا چاند ہے، جو کہ اندھیروں میں روشنی بکھیرتا ہے"۔

جب حسان قصیدہ کہہ کر فارغ ہوئے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حسان! جب تک تو اپنی زبان سے ہماری تائید کرتا رہے گا تب تک روح القدس تیرا مؤید رہے گا۔

یاد رکھیں صحابہ و تابعین کے نزدیک واقعۂ غدیر کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے نظم و نثر میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور اگر ہم الفاظ بدل دیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کی نظر میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و ولایت اس طرح سے مسلّم ثابت تھی جیسا کہ مسلمانوں کی نظر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ثابت اور مسلّم ہے۔

قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کا نذرانۂ عقیدت

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کے قبیلۂ خزرج کے سردار تھے۔ اُنھوں نے جنگِ صفین میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے:

قُلْتُ لَمَّا بَغَى الْعَدُوُّ عَلَيْنَا   حَسْبُنَا رَبُّنَا وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ
حَسْبُنَا رَبُّنَا الَّذِي فَتَحَ الْبَصْرَةَ   بِالْاَمْسِ وَالْحَدِيْثُ طَوِيْلُ
وَعَلِيٌّ اِمَامُنَا وَ اِمَامٌ   لِسِوَانَا اَتٰى بِهِ التَّنْزِيْلُ
يَوْمَ قَالَ النَّبِيُّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ   فَهٰذَا مَوْلَاهُ خَطْبٌ جَلِيْلُ
اِنَّ مَا قَالَهُ النَّبِيُّ عَلَى الْاُمَّةِ   حَتْمٌ مَا فِيْهِ قَالَ وَقِيْلُ

"جب دشمن نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو میں نے کہا: ہمارے لیے ہمارا رب کافی ہے اور وہ بہترین نگہبان ہے۔ ہمارے لیے ہمارا رب کافی ہے جس نے کل ہمیں بصرہ کی فتح دی تھی اور واقعات بڑے طویل ہیں۔ علیؑ ہمارے امام ہیں اور دوسروں کے بھی امامؑ ہیں۔ اُن کی امامت

کا فیصلہ قرآن نے کیا ہے۔ جس نے نبی اکرمؐ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ کہا تھا۔ یہ بڑا واقعہ تھا۔ نبی اکرمؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اُمت کے لیے حتمی بات ہے۔ اس میں کسی طرح کے قیل و قال کی گنجائش نہیں ہے"۔

عمرو بن العاص اور غدیر کی گواہی

عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان کا دست راست تھا اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کا شدید ترین دشمن تھا، لیکن خدا نے حق میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ بعض اوقات دشمن کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

والفضل ما شهدت به الاعداء

"فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں"۔

چنانچہ خدا نے اس سے بھی کلمۂ حق کہلوایا اور اُس نے معاویہ بن ابوسفیان کو خطاب کر کے یہ اشعار کہے تھے ۔

مَعَاوِيَةَ الْحَالِ لَا تَجْهَلِ ۔۔۔ وَعَنْ سَبِيْلِ الْحَقِّ لَا تَعْدِلِ

نَسِيْتَ احْتِيَالِيْ فِيْ جُلَّقٍ ۔۔۔ عَلٰى اَهْلِهَا يَوْمَ لَبْسِ الْحُلِيْ

نَصَرْنَاكَ مِنْ جَهْلِنَا يَابْنَ هِنْدٍ ۔۔۔ عَلَى النَّبَاءِ الْاَعْظَمِ الْاَفْضَلِ

وَحَيْثُ رَفَعْنَاكَ فَوْقَ الرُّؤُوْسِ ۔۔۔ نَزَلْنَا اِلٰى اَسْفَلِ السَّافِلِ

وَكَمْ قَدْ سَمِعْنَا مِنَ الْمُصْطَفٰى ۔۔۔ وَصَايَا مُخَصَّصَةً فِيْ عَلِيْ

وَفِيْ يَوْمِ خُمٍّ رَقٰى مِنْبَرًا ۔۔۔ يُبَلِّغُ وَالرُّكْبُ لَمْ يَرْحَلِ

وَفِيْ كَفِّهٖ كَفُّهٗ مُعْلِنًا ۔۔۔ يُنَادِيْ بِاَمْرِ الْعَزِيْزِ الْجَلِيْ

اَلَسْتُ بِكُمْ مِنْكُمْ فِي النُّفُوْسِ ۔۔۔ بِاَوْلٰى؟ فَقَالُوْا: بَلٰى فَافْعَلِ

فَاَنْحَلَهٗ اِمْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ مِنَ اللهِ مُسْتَخْلِفِ الْمُنْحَلِ

وَقَالَ فَمَنْ كُنْتُ مَوْلٰى لَهٗ ۔۔۔ فَهٰذَا لَهُ الْيَوْمَ نِعْمَ الْوَلِيْ

فَوَالِ مَوَالِيْهِ يَاذَا الْجَلَالِ وَعَادِ مُعَادِیْ اَخِ الْمُرْسَلِ
وَلَا تَنْقُضُوْا الْعَهْدَ مِنْ عِتْرَتِیْ فَقَاطِعُهُمْ بِیْ لَمْ يُوْصَلِ..... الی آخرہ

واضح رہے کہ یہ قصیدہ ۶۶ ابیات پر مشتمل ہے۔

"اس کا ماحصل یہ ہے کہ اُس نے معاویہ سے کہا کہ تم جہالت کا ثبوت نہ دو اور حق کے راستے سے انحراف نہ کرو۔ تمھیں میرا وہ حیلہ بھول چکا ہے جو میں نے اس دن اپنایا تھا جب لوگ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (حضرت علیؑ نے جب اس پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے اپنا اُزار کھول دیا تھا اور پشت کی طرف سے ننگا ہوگیا تھا۔ آپؑ نے اُزراہِ شرم اُسے چھوڑ دیا اور وہ بھاگ گیا تھا)۔

فرزند ہند! ہم نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا اور افضل ترین شخص کے خلاف تیری مدد کی۔ ہم نے تمھیں اپنے سروں پر کیا اُٹھایا کہ ہم خود اسفل السافلین میں چلے گئے۔ ہم نے رسولِ اکرم سے حضرت علیؑ کے متعلق بہت سی وصیتیں سنی تھیں۔ رسولِ خدا نے قافلہ کو بٹھا کر غدیر میں منبر پر خطبہ دیا تھا۔ نبی اکرمؐ کے ہاتھ میں علیؑ کا ہاتھ تھا اور اُنھوں نے یہ کہا تھا کہ کیا میں تمھاری جان و مال کا متصرف نہیں ہوں؟

سب نے اقرار کیا تو نبیؐ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا! جو اس کا دوست ہو تو بھی اُس سے دوستی رکھ اور جو اس کا دشمن ہو تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ نبیؐ نے کیا فرمایا تھا کہ میری عترت سے تعلق نہ چھوڑنا، جس نے ان سے قطع تعلقی کی تو وہ یہ سمجھے کہ اس نے مجھ سے صلہ رحمی نہیں کی"۔

کُمیت بن زید اسدی اور واقعۂ غدیر

ابوالمستہل کُمیت بن زید اسدی دوسری صدی کے مشہور شاعر تھے۔ اُنھوں نے پوری

زندگی آلِ محمدؑ کی ثنا میں قصائد لکھے اور اغیار کی مذمت کی۔ اسی جرمِ مودت میں اُنھیں شہید کیا گیا تھا۔ واقعۂ غدیر پر اُنھوں نے بہت سی نظمیں لکھی تھیں۔ یہاں ہم ان کے ''قصیدہ عینیہ'' کے چند اشعار نقل کرتے ہیں:

وَيَوْمَ الدَّوْحِ دَوْحِ غَدِيْرِ خُمٍّ ... اَبَانَ لَهُ الْوِلَايَةَ لَوْ اُطِيْعَا

وَلٰكِنَّ الرِّجَالَ تَبَايَعُوْهَا ... فَلَمْ اَرَمِثْلُهَا فَطُرًا مَبِيْعَا

تَنَا سَوَاحَقَّهُ وَبَغَوْا عَلَيْهِ ... بِلَا مِرَّةٍ وَكَانَ لَهُمْ قَرِيْعَا

''غدیرِ خم کے پالانوں کے دن کو یاد کرو جس دن رسولؐ خدا نے علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا تھا۔ کاش! لوگ اس حکم کی اطاعت کرتے؟ لوگوں نے تکلفاً بیعت کی تھی۔ میں نے اتنے بڑے واقعہ کو یوں فراموش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لوگوں نے حضرت علیؑ کا حق بھلا دیا اور اُن کے خلاف بغاوت کی جب کہ علیؑ نے کسی کا نقصان نہیں کیا تھا۔ وہ تو ان کا راہنما تھا''۔

سیّد حمیری اور واقعۂ غدیر

سیّد اسماعیل بن محمد حمیری دوسرے مسلک کو چھوڑ کر مذہبِ اہلِ بیتؑ میں شامل ہوئے تھے۔ جب اُنھوں نے عقیدہ تشیّع اپنایا تو اُنھوں نے اپنی مشہورِ زمانہ تَجَعْفَرْتُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کی نظم لکھی تھی۔ پھر اُنھوں نے اپنی تمام زندگی مداحیِ اہلِ بیتؑ کے لیے وقف کر دی تھی۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سیّد اسماعیل غدیر کو بھول جائیں؟ اُنھوں نے اس عنوان پر بہت سی شاہکار نظمیں لکھی ہیں۔ بطورِ تبرک ان کے حسبِ ذیل اَشعار ملاحظہ فرمائیں:

يَا بَايِعَ الدِّيْنِ بِدُنْيَاهُ ... لَيْسَ بِهٰذَا اَمَرَكَ اللّٰهُ

مِنْ اَيْنَ اَبْغَضْتَ عَلِيَّ الْوَصِيْ ... وَاَحْمَدُ قَدْ كَانَ يَرْضَاهُ

مَنِ الَّذِي اَحْمَدُ فِيْ بَيْنِهِمْ ... يَوْمَ غَدِيْرِ الْخُمِّ نَادَاهُ

اَقَامَهُ مِنْ بَيْنِ اَصْحَابِهٖ ... وَهُمْ حَوَالِيْهِ فَسَمَّاهُ

هٰذَا عَلِی بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ مَوْلٰی لِمَنْ قَدْ کُنْتُ مَوْلَاهُ
فَوَالِ مَنْ وَالَاهُ یَا ذَا الْعُلَا وَعَادِ مَنْ قَدْ کَانَ عَادَاهُ

"اے دین کو دنیا کے عوض بیچنے والے! خدا نے تو تجھے اس بات کا حکم نہیں دیا تھا۔ تُو نے آخر وصی علیؑ سے بغض کیوں رکھا جب کہ احمد مجتبیٰؐ تو انھیں پسند کرتے تھے۔ آخر وہ کون تھا جس کا اعلان رسولِ اکرمؐ نے غدیرِ خم میں کیا تھا؟ تمام اصحاب موجود تھے جب نبی اکرمؐ نے یہ کہا تھا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاهُ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بلند و برتر معبود! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اُس سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اُس سے دشمنی رکھ"۔

سیّد حمیری نے قافیہ باء میں یہ اشعار کہے ہیں ؎

وَبِخُمٍّ اِذْ قَالَ الْاِلٰهُ بِعَزْمِهٖ قُمْ یَامُحَمَّدُ فِی الْبَرِیَّةِ فَاخْطُبِ
وَانْصَبْ اَبَا حَسَنٍ لِقَوْمِكَ اِنَّهٗ هَادٍ وَمَا بَلَّغْتَ اِنْ لَّمْ تَنْصَبِ
فَدَعَاهُ ثُمَّ دَعَاهُمُ فَاَقَامَهٗ لَهُمْ فَبَیْنَ مُصَدِّقٍ وَمُکَذِّبِ
جَعَلَ الْوِلَایَةَ بَعْدَهٗ لِمُهَذَّبٍ مَا کَانَ یَجْعَلُهَا لِغَیْرِ مُهَذَّبِ
وَلَهٗ مَنَاقِبُ لَا تُرَامُ مَتٰی یُرِدْ سَاعٍ تَنَاوُلَ بَعْضِهَا یَتَذَبْذَبِ

"جب خدا نے اپنے حبیبؐ سے غدیرِ خم میں کہا: اے محمدؐ! لوگوں میں اُٹھ کر خطاب کرو۔ آپؐ ابوالحسنؑ کو اپنی اُمت میں جانشین مقرر کریں اور اگر آپؐ نے یہ تبلیغ نہ کی تو پھر آپؐ نے رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی۔

نبیؐ نے علیؑ کو بلایا اور لوگوں کو بلا کر انھیں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ کچھ نے تصدیق کی اور کچھ نے تکذیب کی۔ رسولِ اکرمؐ نے اپنے بعد کی حکومت مہذب فرد کے لیے مقرر کی تھی۔ آپؐ نے کسی غیر سالہ کا تقرر نہیں کیا تھا۔ خدا نے علیؑ کو اتنے مناقب عطا کیے ہیں کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص کچھ مناقب کے پانے کی جستجو کرے تو وہ

حیران و پریشان ہو جائے گا''۔

سیّد حمیری کا قصیدہ عینیہ بڑا معروف ہے۔ اس کا آغاز اُنھوں نے ''تشبیب'' سے کرتے ہوئے یہ کہا ہے ۔

لِأُمِّ عَمْرٍو بِاللِّوٰی مُرْبَعٌ طَامِسَةٌ اَعْلَامُهَا بَلْقَعٌ

اسی قصیدہ میں آگے چل کر اُنھوں نے فرمایا:

عَجِبْتُ لِقَوْمٍ اَتَوْا اَحْمَدًا بِخُطْبَةٍ لَيْسَ فِيْهَا مَوْضِعٌ

قَالُوْا لَهٗ: لَوْ شِئْتَ اَعْلَمْتَنَا اِلٰى مَنِ الْغَايَةُ وَالْمَفْزَعُ

اِذَا تُوُفِّيْتَ وَفَارَقْتَنَا وَفِيْهِمْ فِي الْمُلْكِ مَنْ يَّطْمَعُ

فَقَالَ لَوْ اَعْلَمْتُكُمْ مَفْزَعًا كُنْتُمْ عَسَيْتُمْ فِيْهِ اَنْ تَصْنَعُوْا

صَنِيْعَ اَهْلِ الْعِجْلِ اِذْ فَارَقُوْا هَارُوْنَ فَالتَّرْكُ لَهٗ اَوْسَعُ

وَفِي الَّذِيْ قَالَ بَيَانٌ لِّمَنْ كَانَ اِذَا يَعْقِلُ اَرْيَسْمَعُ

ثُمَّ اَتَتْهُ بَعْدَ ذَا عَزْمَةٌ مِنْ رَّبِّهٖ لَيْسَ لَهَا مَدْفَعُ

بَلِّغْ وَاِلَّا لَمْ تَكُنْ مُبَلِّغًا وَاللّٰهُ مِنْهُمْ عَاصِمٌ يَمْنَعُ

فَعِنْدَهَا قَامَ النَّبِيُّ الَّذِيْ كَانَ بِمَا يَاْمُرُ بِهٖ وَيَصْدَعُ

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا لَهٗ مَوْلًا فَلَمْ يَرْضَوْا وَلَمْ يَقْنَعُوْا

سیّد حمیری کا یہ قصیدہ ۵۴ ابیات پر مشتمل ہے۔ مذکورۃ الصدر ابیات کا خلاصہ یہ ہے:

''مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو رسولِ اکرمؐ کے پاس آئے تھے اور کہا تھا: یارسولؐ اللہ! خدانخواستہ آپؐ کی وفات ہوگئی تو آپؐ کا جانشین کون ہوگا؟

حبیبؐ خدا نے فرمایا: اگر میں نے جانشین مقرر کیا اور تم نے قوم بنی اسرائیل کی طرح انکار کیا تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ پھر اللہ نے آپؐ پر سخت الفاظ کے ساتھ حکم نازل کیا اور اپنے حبیبؐ کو حکم دیا کہ آپؐ اس مسئلہ کی تبلیغ کریں، اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو پھر خدا کا کوئی

پیغام نہیں پہنچایا، اللہ آپؐ کی حفاظت کرے گا۔

پھر نبیؐ خدا کے حکم کے تحت کھڑے ہوئے۔ آپؐ کے ہاتھ میں علیؑ کا ہاتھ چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے، لیکن لوگوں نے اس پر قناعت کی اور نہ ہی اکتفا کیا.....''۔

عیدِ غدیر

دنیا کی ہر قوم اپنے قومی اور مقامی تہوار پورے جوش و جذبہ سے مناتی ہے اور عید کی مطابقت سے رُسوم کا اظہار کرتی ہے۔

خدا، رسولؐ، اہلِ بیتؑ اور مسلمانوں کی نظر میں عیدِ غدیر کی بڑی اہمیت ہے۔ اس موقع پر جبرئیلؑ امین نے رسولِؐ خدا کو خدا کی طرف سے تکمیل دین کی مبارک پیش کی تھی اور وہ یہ آیت لے کر نازل ہوئے تھے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۂ مائدہ: آیت ۳)

حافظ ابوسعید نے اپنی کتاب ''شرف المصطفیٰ'' میں احمد بن حنبل اور ابوسعید خدری کے حوالے سے لکھا ہے: نبی اکرمؐ نے غدیر کے دن ارشاد فرمایا تھا:

هَنِّئُوْنِيْ ''مجھے مبارک باد دو''۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت اور میری اہلِ بیتؑ کو امامت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ اعلانِ غدیر کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حضرت علی علیہ السلام کو ان الفاظ میں ہدیۂ تبریک پیش کیا تھا:

طُوْبٰى لَكَ ، يَا بَخٍ بَخٍ ، يَا هَنِيْئًا لَكَ اَصْبَحْتَ مَوْلَايَ وَمَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ

''تمہیں مبارک ہو کہ آپؑ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا بن گئے ہو''۔

اس مبارک بادی کو زینی دحلان نے ''الفتوحات الاسلامیۃ'' میں اور دارقطنی نے اسے ''شرح مواہب'' میں نقل کیا ہے۔

فرات بن ابراہیم کوفی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

یَوْمُ غَدِیْرِ خُمٍّ اَفْضَلُ اَعْیَادِ اُمَّتِیْ وَهُوَ الْیَوْمُ الَّذِیْ اَمَرَنِیَ اللّٰهُ بِنَصْبِ اَخِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَمًا لِاُمَّتِیْ یَهْتَدُوْنَ بِهٖ مِنْ بَعْدِیْ وَهُوَ الْیَوْمُ الَّذِیْ اَکْمَلَ فِیْهِ الدِّیْنَ وَاَتَمَّ عَلٰی اُمَّتِیْ فِیْهِ النِّعْمَةَ وَرَضِیَ لَهُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

"غدیر خم کا دن میری اُمت کے لیے افضل ترین عید ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے مجھے میرے بھائی علی بن ابی طالبؑ کے لیے حکم دیا تھا کہ اُنھیں اپنی اُمت کا رہنما مقرر کروں۔ میرے بعد لوگ اُن سے ہدایت حاصل کریں گے اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے دین کو مکمل کیا اور میری اُمت پر اپنی نعمت کو تمام کیا اور اُن کے لیے دین اسلام پر راضی ہوا"۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر ائمہ طاہرین علیہم السلام نے مکمل اعتماد کیا تھا اور اُنھوں نے اس کا بڑا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ فرات بن احنف سے یہ بیان منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا تھا: فرزند رسولؐ! کیا اسلام میں عید الفطر، عید قربان، روزِ جمعہ اور روزِ عرفہ سے کوئی افضل عید بھی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، ایک دن ان سب سے افضل، اعظم اور خدا کے ہاں سب سے زیادہ قابلِ عزت ہے۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنے حبیبؐ پر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کی آیت نازل فرمائی۔

میں نے عرض کیا: وہ کون سا دن ہے؟

آپؑ نے فرمایا: انبیائے بنی اسرائیل میں سے جو بھی اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کرتا تو بنی اسرائیل اُس دن کو اپنے لیے عید کا دن قرار دیتے تھے۔

اُمت اسلامیہ کی سب سے بڑی عید وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کیا تھا اور اہلِ ایمان پر اپنی نعمت تمام کی تھی۔

میں نے عرض کیا: وہ سال کا کون سا دن ہے؟

آپؑ نے فرمایا: دن آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں چنانچہ عید کا وہ دن کبھی جمعہ کو آجاتا ہے، کبھی ہفتہ اور کبھی اتوار اور کبھی دوسرے دنوں میں آتا رہتا ہے۔

میں نے کہا: ہمیں اس دن کیا کرنا چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا: اس دن عبادت کرنی چاہیے اور نمازِ شکرانہ ادا کرنی چاہیے اور خدا کی حمد کرنی چاہیے کہ اُس نے تم پر ہماری ولایت کا اِحسان کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس دن روزہ رکھو"۔

الغرض اس سلسلہ کی روایات بہت زیادہ ہیں اور عراق، ایران، ہندوستان، پاکستان، شام اور لبنان وغیرہ میں رہنے والا شیعہ حضرات اس دن بھرپور طریقے سے عید مناتے ہیں۔ اس طرح سے ادریسی اور فاطمی حکومت کے ایام میں یہ عید پوری شان وشوکت سے منائی جاتی تھی، لیکن حالات کی تبدیلی اور حکومتوں کے سقوط کی وجہ سے کچھ افریقی عرب ممالک میں یہ عید لوگوں کو فراموش ہوگئی ہے۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ باقی عیدوں سے بڑھ چڑھ کر ہمیں اس عید کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس مناسبت سے ہمیں عید غدیر کی محافل منعقد کرنی چاہییں۔

یاد رکھیں! غدیر کو مت بھولیں، یہ انتہائی اہم اور فیصلہ کن دن ہے۔ اس دن کو ہر قیمت پر زندہ رکھنا چاہیے۔

وفاتِ رسولؐ اور علیؑ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۴۴)

"محمدؐ بس اللہ کے رسولؐ ہیں، اُن سے پہلے اور رسولؐ بھی گزرے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائے یا قتل کردیا جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ جو بھی اُلٹے پاؤں پھرے تو وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکرگزاروں کو بہتر بدلہ دے گا"۔

ہم نے گذشتہ راتوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علیؑ کے اختصاص کا تذکرہ کیا تھا اور اس ضمن میں ہم نے اُن کی پرورش، تربیت، اُخوت اور حضرتؑ کے نفسانی خصائص پر گفتگو کی ہے اور اس گفتگو میں حدیث طیر اور دروازہ کھلا رہنے جیسی احادیث پر بھی کچھ نہ کچھ باتیں ہوئی تھیں۔

آج رات کی گفتگو کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور حضرت امام علی علیہ السلام کے تاثرات سے ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ بیان کریں گے کہ اس مصیبت کو حضرتؑ نے کیسے جھیلا تھا۔ تریسٹھ برس کی عمر میں آنحضرتؐ بیمار ہوئے۔ آنحضرتؐ اپنی بیماری سے قبل اپنے اصحاب، ازواج اور اہلِ بیتؑ کو اپنی موت کے متعلق آگاہ کرچکے تھے۔ اور آپؐ نے اپنے تمام متعلقین سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ سال آپؐ کی زندگی کا آخری سال ہوگا اور یہ کہ آپؐ کی زندگی

کا سورج غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس یقینی وفات کو مدنظر رکھ کر ہی آپؐ نے اپنے جانشین و قائم مقام کا اعلان کیا تھا۔

شریعت طاہرہ نے حکم دیا ہے کہ آدمی کو جب اپنی وفات کا احساس ہو تو اُسے اپنے معاملات کے متعلق وصیت کرنی چاہیے جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ ا ۨالْوَصِيَّةُ.....

"تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آئے تو وہ وصیت کرے"۔

ذرا سوچیے کہ کیا اسلامی شریعت کا سربراہ اور کائنات کا رہبر اعظم وصیت کیے بغیر دنیا سے چلا گیا ہوگا؟

کیا یہ بات ممکن بھی ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنی اُمت کو تو وصیت کا حکم دیا ہو اور خود اس پر عمل نہ کیا ہو؟ جب کہ رسولؐ کا عمل مسلمانوں کے لیے سنت اور حجت کا درجہ رکھتا ہے؟

ادھر یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا:

مَنْ مَّاتَ بِلَا وَصِيَّةٍ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً

"جو وصیت کیے بغیر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی روایات و نصوص انتہائی تواتر سے ثابت ہیں، لیکن اس کے باوجود کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی وصیت نہیں کی تھی۔

اس طرح کے افراد کا مقصد صرف چند افراد کی غلطیوں پر پردہ ڈالنا ہے۔ انھیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ اس سے نبیؐ کی توہین ہوتی ہے۔

مرحوم سیّد عبدالحسین شرف الدین نے اس عنوان پر انتہائی خوب صورت گفتگو کی ہے۔ ہم اس میں سے بقدر ضرورت اقتباس نقل کرتے ہیں:

ائمہ عترت سے وصیت کی روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ طریق عامہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی گردن سے پکڑ کر فرمایا:

هٰذَا اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْا

"یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے اس کے فرمان کو سننا اور اطاعت کرنا"۔

محمد بن حمید رازی نے رسولؐ خدا سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لِکُلِّ نَبِیٍّ وَصِیٌّ وَوَارِثٌ وَاِنَّ وَصِیِّیْ وَوَارِثِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ

"ہر نبیؑ کا وصی اور وارث ہوتا ہے اور میرا وصی اور وارث علیؑ بن ابی طالبؑ ہے"۔

طبرانی نے کبیر میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت سلمان فارسیؓ سے نقل کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ وَصِیِّیْ وَمَوْضِعَ سِرِّیْ وَخَیْرَ مَنْ اَتْرُکَ بَعْدِیْ یُنْجِزُ عِدَتِیْ وَیَقْضِیْ دَیْنِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ

"یقیناً میرا وصی اور میرے رازوں کا مقام اور جنھیں میں اپنے بعد چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان سب سے بہتر اور میرے وعدہ کو پورا کرنے والا اور میرا قرض اُتارنے والا علیؑ بن ابی طالبؑ ہے"۔

یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام کے وصی ہونے پر نصِ قطعی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ حضرت علیؑ بعد از رسولؐ تمام لوگوں سے افضل ہیں اور اس حدیث میں حضرت علیؑ کی خلافت اور وجوبِ اطاعت پر التزامی دلالت بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں انس سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا:

"اے انس! اس دروازے میں سے جو سب سے پہلے داخل ہوگا وہ امام المتقین سیدالمسلمین ہوگا"۔

انس کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے۔ اُنھیں دیکھ کر رسولؐ خدا کا چہرہ کھل اُٹھا اور اُنھیں اپنے گلے سے لگایا اور فرمایا:

"اے علیؑ! میری طرف سے ادائیگی کرو گے اور آپ لوگوں تک میری

آواز پہنچاؤ گے اور لوگوں کے سامنے ان باتوں کو واضح کرو گے جس کے متعلق وہ میرے بعد اختلاف کریں گے"۔

طبرانی، کبیر میں لکھتے ہیں کہ ابوایوب انصاریؓ کا بیان ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا:

یَافَاطِمَة، اَمَا عَلِمْتِ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَاخْتَارَ مِنْهُمْ اَبَاكِ فَبَعَثَهُ نَبِيًّا ثُمَّ اِطَّلَعَ الثَّانِيَةَ فَاخْتَارَ بَعْلَكِ فَاَوْحٰى اِلَيَّ فَاَنْكَحْتُهُ وَاتَّخَذْتُهُ وَصِيًّا

"اے فاطمہؑ! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین پر نظر دوڑائی تو اُن میں سے تیرے والد کا انتخاب کیا اور اُسے نبیؐ مقرر کیا۔ پھر دوبارہ اہلِ زمین پر نظر کی تو تیرے شوہر کا انتخاب کیا۔ پھر مجھے وحی کی کہ میں نے اس سے تیرا نکاح کیا ہے اور اسے وصی بنایا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے پوری روئے زمین میں سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انتخاب کیا۔ ان کے بعد خدا نے حضرت علیؑ کا انتخاب کیا اور پھر خدا نے اپنے نبیؐ کو یہ وحی کی کہ وہ علیؑ کو اپنا داماد بنائیں اور اپنا وصی مقرر کریں۔

اس سے قبل اوصیاءؑ ہی انبیاءؑ کے خلیفہ ہوتے تھے۔ ذرا سوچئے جسے خدا نے چنا ہو اسے موخر کر کے کسی غیر منتخب فرد کو اُن پر سبقت دی جائے تو کیا یہ بہتر ہے؟

کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نبیؐ کے مقرر کردہ وصی کو اپنی رعایا کا فرد بنائے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا نے جس شخص کو نبیؐ کا وصی مقرر کر دیا ہو اُس پر کسی اور کی اطاعت واجب ہو؟

کیا مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خدا اور اُس کے رسولؐ کے فیصلے کے بعد اپنے اختیارات استعمال کریں؟ جب کہ قرآنِ مجید میں تو خدا نے اُس کی ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ

ضَلٰلًا مُّبِیْنًا○ (سورۂ احزاب: آیت ۳۶)

''کسی مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ جب خدا اور اُس کا رسولؐ فیصلہ کردیں تو اُنھیں اپنے معاملات کا اختیار حاصل ہو اور جو بھی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریحاً گمراہ ہے''۔

روایات بتاتی ہیں کہ جب حاسد اور منافق افراد کو علم ہوا کہ رسولِ خدا عنقریب اپنی صاحب زادی حضرت زہرا علیہا السلام کا حضرت علی علیہ السلام سے نکاح کرنے والے ہیں (حاسد افراد جانتے تھے کہ حضرت زہراؑ حضرت مریمؑ کی مثیل ہیں اور اہلِ جنت خواتین کی سردار ہیں) تو اُنھیں اس بات سے بہت ہی دُکھ ہوا۔ ان میں سے کچھ افراد نے جسارت کرتے ہوئے رسولِ خدا سے بی بیؑ کے رشتہ کی درخواست بھی کی تھی، لیکن اُنھیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اُنھوں نے دیکھ لیا کہ دامادِ نبیؐ بننا علیؑ کا مقدر بن چکا ہے اور وہ حضرت علیؑ کی یہ فضیلت برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اسی لیے اُنھوں نے مکاری اور چال بازی کی اور اپنے خاندان کی عورتوں کو حضرت زہراؑ کے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے جا کر حضرت سیّدہؑ سے کہا: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپؑ کے والد ماجد آپؑ کا نکاح علیؑ سے کرنا چاہتے ہیں جب کہ علیؑ مالی طور پر نہایت ہی مفلس ہیں۔

سیّدہ سلام اللہ علیہا ان خودساختہ ہمدرد عورتوں کے مقاصد کو جانتی تھیں۔ اس کے باوجود آپؑ نے کمالِ تحمل سے کام لیتے ہوئے اُن عورتوں کو کچھ نہ کہا۔ اور جب حضرت علی علیہ السلام کے عقد کا وقت آیا تو حضرت سیّدہؑ نے چاہا کہ خودساختہ ہمدرد عورتوں اور اُن کے سرپرستوں کو زبانِ رسالت سے جواب دلایا جائے تاکہ اس کے بعد کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔

چنانچہ حضرت سیّدہؑ نے اپنے والد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: بابا جان! آپؐ میرا رشتہ اُس انسان سے کر رہے ہیں جس کے پاس مال نام کی کوئی چیز نہیں ہے؟

اس کے جواب میں رسولِ خدا نے جو کچھ فرمایا آپؑ نے ملاحظہ فرمایا۔

کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ۔

وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ نَشْرَ فَضِيْلَةٍ طُوِيَتْ اَتَاحَ لَهَا لِسَانَ حَسُوْدٍ

"جب اللہ کسی انسان کی پوشیدہ فضیلت کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا ذریعہ حاسد کی زبان کو بنا دیتا ہے"۔

خطیب نے معتبر سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی حضرت فاطمہ علیہا السلام سے شادی کی تو بی بیؑ نے کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے میری شادی ایک مفلس انسان سے کی ہے، جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَمَا تَرْضِيْنَ اَنَّ اللّٰهَ اِخْتَارَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبُوْكِ وَالْاٰخَرُ بَعْلُكِ

"کیا آپؑ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ارض میں سے دو مردوں کا انتخاب کیا ہے، اُن میں سے ایک آپؑ کا والد ہے اور دوسرا آپؑ کا شوہر ہے"۔

حاکم نے مستدرک کی جلد سوم، ص ۱۲۹ پر لکھا ہے:

عن سریج بن یونس عن ابی حفص الابار عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قَالَ قَالَتْ فَاطِمَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَوَّجْتَنِيْ مِنْ عَلِيٍّ وَهُوَ فَقِيْرٌ لَا مَالَ لَهٗ

قَالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَا فَاطِمَةُ اَمَا تَرْضِيْنَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِطَّلَعَ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَاخْتَارَ رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبُوْكِ وَالْاٰخَرُ بَعْلُكِ

"حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے علیؑ سے میری شادی کی ہے جب کہ اس کے پاس مال نہیں ہے؟

رسولِؐ خدا نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ خدا نے اہلِ ارض پر نگاہ ڈالی تو اس نے دو مردوں کا انتخاب کیا۔ اُن میں سے ایک آپؑ کا والد ہے اور دوسرا آپؑ کا شوہر"۔

ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زہراؑ سے فرمایا:

اَمَا تَرْضِيْنَ اِنِّيْ زَوَّجْتُكِ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ اِسْلَامًا وَاَعْلَمَهُمْ عِلْمًا وَاِنَّكِ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اُمَّتِيْ كَمَا سَادَتْ مَرْيَمُ نِسَاءَ قَوْمِهَا ۔ اَمَا تَرْضِيْنَ يَافَاطِمَةُ اِنَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَاخْتَارَ مِنْهُمْ رَجُلَيْنِ فَجَعَلَ اَحَدَهُمَا اَبَاكِ وَالْاٰخَرَ بَعْلَكِ

"کیا آپؑ راضی نہیں ہیں کہ میں نے آپؑ کا نکاح اس شخص سے کیا ہے جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا جو سب سے بڑا عالم ہے اور آپؑ میری اُمت کی خواتین کی سردار ہو جیسا کہ مریمؑ اپنی قوم کی عورتوں کی سردار تھی۔ اللہ نے اہلِ زمین پر نظر کی تو اُن میں سے دو مردوں کا انتخاب کیا۔ اُن میں سے ایک کو تمھارا والد بنایا اور دوسرے کو تمھارا شوہر بنایا"۔

جب بھی حضرت زہراؑ پر تنگی ترشی آتی تو رسولِ خدا اُنھیں خدا کی یہ نعمت یاد دلاتے تھے کہ اُن کا شوہر اُمت کا افضل ترین فرد ہے۔

اس یاد دہانی کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بی بیؑ کو سکون اور تسلی محسوس ہو۔ اس امر کی گواہی اس روایت سے ملتی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند کی جلد پنجم کے ص ۲۶ پر معقل بن یسار کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؑ بیمار ہوئیں۔ رسولِ اکرمؐ اُن کی عیادت کے لیے گئے۔ آپؐ نے حضرت سیدہؑ سے پوچھا کہ آپؑ اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتی ہیں؟

بی بیؑ نے جواب دیا: بابا جان! میں اپنے آپؑ کو سخت غم اور سخت فقر میں پاتی ہوں اور میری بیماری طویل ہو چکی ہے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَمَا تَرْضِيْنَ اَنِّيْ زَوَّجْتُكِ اَقْدَمَ اُمَّتِيْ سِلْمًا وَاَكْثَرَهُمْ عِلْمًا وَاَعْظَمَهُمْ حِلْمًا

"کیا آپ اس پر راضی نہیں ہیں کہ میں نے آپؑ کی شادی اوّل المسلمین سے کی ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اور جو سب سے بڑا بُردبار ہے"۔

ایک اور طرح سے وصیت کا اِثبات

کوئی بھی باشعور اور صاحبِ علم رسولِؐ خدا کی اس وصیت سے انکار نہیں کرسکتا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت علی علیہ السلام کو اپنے علم اور اپنی حکمت کا وارث بنا چکے تو آپؐ نے انھیں یہ وصیت کی تھی کہ وہ آپؐ کو غسل دیں، کفن پہنائیں اور دفن کریں اور آپؐ کے قرض کو ادا کریں اور آپ کے وعدوں کو پورا کریں اور لحد میں اُنھیں اُتاریں۔

دیلمی نے اس کی روایت کی ہے۔ یہ حدیث کنزالعمال کی چھٹی جلد میں موجود ہے اور حدیث کا نمبر ۲۵۸۳ ہے۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ رسولِؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: یا علیؑ! آپؑ مجھے غسل دیں گے اور مجھے دفن کریں گے۔

یہ حدیث کنزالعمال کی جلد ششم، ص ۳۹۳ میں مرقوم ہے۔ علاوہ ازیں مسند احمد، جلد پنجم، ص ۴۰۵ میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے رسولِؐ خدا سے سنا، اُنھوں نے فرمایا کہ مجھے علیؑ کی وجہ سے پانچ چیزیں ایسی ملی ہیں جو کہ مجھ سے پہلے کسی نبیؑ کو نہیں ملیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ وہ میرا قرض ادا کرے گا اور مجھے دفن کرے گا......

کنزالعمال، جلد ششم، ص ۴۰۳ میں مرقوم ہے کہ جب رسولِؐ خدا کے جسدِ اَطہر کو چارپائی پر رکھا گیا اور لوگوں نے چاہا کہ آپؐ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو اس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا: رسولِؐ خدا کے جنازے کا کوئی بھی امام نہ ہوگا۔ آپؐ زندگی میں بھی ہمارے امام تھے اور وفات کے بعد بھی ہمارے امام ہیں۔

اس کے بعد لوگ صف در صف آتے رہے اور جنازہ پڑھتے رہے۔ ان کا کوئی امام نہیں تھا۔ وہ تکبیر کہتے تھے اور حضرت علیؑ در سولِؐ خدا کے سامنے کھڑے ہوکر یہ کہتے تھے:

سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْهَدُ اَنْ قَدْ بَلَّغَ مَا اَنْزَلْتَ اِلَيْهِ وَنَصَحَ لِاُمَّتِهٖ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ حَتّٰى اَعَزَّ اللهُ عَزَّوَجَلَّ دِيْنَهٗ وَتَمَّتْ كَلِمَتُهٗ اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّتَّبِعُ مَا

اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡہِ وَثَبِّتۡنَا بَعۡدَہٗ وَاجۡمَعۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَہٗ

"اے نبیؐ! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔ خدایا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ نبی اکرمؐ پر جو کچھ تُو نے نازل کیا تھا اُنھوں نے اس کی تبلیغ کی تھی اور تیری راہ میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو عزت عطا کی اور اپنا فرمان پورا کیا۔ خدایا! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو نبیؐ پر نازل ہونے والی تعلیمات کی اتباع کرتے ہیں اور ہمیں اُن کے بعد ثابت قدم رکھ اور ہمیں اور انھیں یک جا کر"۔

اس دُعا پر لوگ آمین آمین کہتے تھے۔

اس طرح سے جنازہ ہوا، اور مردوں نے آپؐ کا جنازہ پڑھا۔ پھر عورتوں نے پھر بچوں نے آپؐ کا جنازہ پڑھا۔

ہم نے یہ ساری روایت طبقاتِ ابن سعد سے غسلِ نبیؐ و دفنِ نبیؐ کے باب سے نقل کی ہے۔ اس دن حبیبؐ خدا کے جنازہ کے لیے سب سے پہلے بنی ہاشم آئے۔ پھر مہاجرین آئے، پھر انصار آئے۔ پھر دوسرے لوگ آئے۔

رسولؐ خدا کی سب سے پہلے حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ دونوں صف بنا کر کھڑے ہوئے اور پانچ تکبیرات کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھی۔ (انتہیٰ کلام سیدنا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ)

وصیت کے متعلق چند نصوص

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی وصایت کے متعلق قرنِ اوّل کے مہاجرین، انصار اور تابعین کے جن شعراء نے اپنی نظموں میں اظہارِ خیال کیا ہے ہم انھیں اس وقت نہیں لانا چاہتے۔ اب ہم وفاتِ پیغمبرؐ کا تذکرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ نے آپؐ کی وصیتوں پر کیسے عمل کیا۔

ہم نے سابقہ بیانات میں عرض کیا ہے کہ حضرت علیؑ بعثتِ نبویہ کے روزِ اوّل سے لے کر رسولِ خدا کی زندگی کے آخری لمحات تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے ہیں۔

کتاب ابی اسحاق میں مرقوم ہے کہ رسولِ خدا کی طبیعت انتہائی ثقیل تھی کہ حضرت ابوبکرؓ آئے اور کہا: یارسولؐ اللہ! موت کب ہے؟

آپؐ نے فرمایا: بس آنے کو ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اللہ المستعان علیٰ ذٰلِکَ۔ پھر آپؐ کہاں جائیں گے؟

رسولِ اکرم نے فرمایا: میں سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ، رفیقِ اعلیٰ کے پاس جاؤں گا اور پُرمسرت زندگی گزاروں گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: آپؐ کو غسل کون دے گا؟

رسولِ اکرم نے فرمایا: میرے خاندان کے افراد، قریب سے قریب تر افراد مجھے غسل دیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ہم آپؐ کو کس چیز کا کفن پہنائیں؟

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: میں نے جو کپڑے پہن رکھے ہیں یا پھر یمانی حلّہ یا پھر مصر

کے سفید کپڑے کا کفن دینا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: آپؐ پر نماز کیسے پڑھی جائے؟ اس وقت گریہ کی آوازوں سے زمین لرز اٹھی۔

نبی اکرمؐ نے رونے والوں سے فرمایا: صبر کرو، خدا تمھیں معاف کرے۔

جب میرا غسل و کفن مکمل ہو جائے تو پھر اسی گھر میں میری قبر کے کنارے چارپائی پر مجھے لٹا دینا، تم سب یہاں سے چلے جانا، سب سے پہلے میرا خدا مجھ پر درود بھیجے گا۔ پھر ملائکہ کو میرے جنازہ کی اجازت دی جائے گی۔ سب سے پہلے جبرئیل امینؑ نازل ہوں گے، پھر اسرافیلؑ، پھر میکائیلؑ، پھر ملک الموت ملائکہ کے بہت سے لشکروں کے ساتھ نازل ہوں گے۔

اس کے بعد تم گروہ در گروہ میرے پاس آنا اور مجھ پر صلوات وسلام پڑھنا اور مجھے اذیت نہ دینا۔ میرے جنازہ کی ابتدا وہ کرے جو میرا سب سے زیادہ قرابت دار ہو، پھر ترتیب وار میرے اہلِ بیتؑ میرا جنازہ پڑھیں، پھر عورتیں اور پھر بچے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: آپؐ کی قبر میں کون داخل ہو؟

رسولِؐ خدا نے فرمایا: میرے قرابت دار ملائکہ کے ساتھ داخل ہوں گے، جو تمھیں دکھائی نہ دیں گے۔ تم اٹھو اور ان لوگوں کو میرے پاس آنے دو، جو تمھارے پیچھے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے حرث بن مُرّہ سے کہا: تجھ سے یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟

اس نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن مسعود نے بیان کی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

جب رسولِؐ خدا مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس عرصہ میں ہر رات اور ہر دن جبرئیلؑ آنحضرتؐ پر نازل ہوتے تھے اور کہتے تھے: السلام علیك "آپؐ کا رب آپؐ پر سلام بھیج رہا ہے" اور خدا پوچھ رہا ہے کہ آپؐ اپنے آپؐ کو کیسا پا رہے ہیں؟ جب کہ خدا آپؐ کی حالت کو آپؐ سے بھی بہتر جانتا ہے۔ اس ذریعہ سے وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آپؐ کی عظمت اور شرف میں اضافہ کرے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اس طرح سے مریض کی عیادت کو

آپؐ کی اُمت میں سنت کا درجہ حاصل ہو۔

اگر نبی اکرمؐ تکلیف محسوس کر رہے ہوتے تھے تو آپؐ جبرئیلؑ سے فرماتے تھے: میں درد محسوس کر رہا ہوں"۔

اس وقت جبرئیلؑ یہ کہتے تھے کہ محمدؐ! آپؐ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ نے آپؐ پر کوئی سختی نہیں کی اور اس کی تمام مخلوق میں آپؐ سے زیادہ اُسے اور کوئی پیارا نہیں ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ وہ آپؐ کے کراہنے کی آواز سنے اور آپؐ کی دُعاؤں کو سنے، تاکہ جب آپؐ کی اس سے ملاقات ہو تو اس درجہ اور ثواب کے مکمل اہل ہوں جو کہ اس نے آپ کے لیے آمادہ کیا ہے۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرئیلؑ سے یہ کہتے کہ میں سکون اور راحت محسوس کر رہا ہوں تو جبرئیلؑ یہ کہتے تھے کہ آپؐ اس پر خدا کی حمد بجا لائیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ آپؐ اس کی حمد بجالائیں اور اس کا شکر ادا کریں، تاکہ وہ اپنی عطا میں اور اضافہ کرے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی حمد کی جائے اور شکر کرنے والے کو مزید نعمات سے نوازے۔

حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ جب جبرئیلؑ آتے تو ہم اُن کی آمد کو محسوس کر لیتے تھے۔ میرے علاوہ گھر کے تمام افراد گھر سے نکل جاتے تھے۔ جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا:

محمدؐ! آپؐ کا رب آپؐ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ آپؐ کو جاننے کے باوجود آپؐ سے پوچھتا ہے کہ آپؐ اپنے آپؐ کو کیسا پا رہے ہیں؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا: میں اپنے آپ کو مُردہ پا رہا ہوں۔

جبرئیلؑ نے کہا: محمدؐ! مبارک ہو اس تکلیف کے ذریعے سے خدا یہ چاہتا ہے کہ آپؐ کی عظمت و مقام میں اضافہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ملک الموت نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے، میں نے اُسے اجازت دی ہے۔ وہ داخل ہوا تو میں نے اُس سے کہا کہ وہ تیری آمد کا انتظار کرے۔

جبرئیلؑ نے کہا: محمدؐ! آپؐ کا رب آپؐ کا مشتاق ہے۔ آج تک آپؐ سے پہلے ملک الموت نے کسی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ ہی آپؐ کے بعد وہ کسی سے اجازت طلب کرے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جبرئیلؑ! اس کے آنے تک آپؑ کہیں نہ جانا۔

پھر عورتوں کو اندر آنے کی اجازت دی گئی تو عورتیں اندر آئیں۔ آپؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا: آپؑ میرے قریب آجائیں۔

بی بی سلام اللہ علیہا اپنے بابا پر جھک گئیں۔ آپؐ نے اپنی بیٹی سے سرگوشی کی۔ بی بیؑ نے سر اُٹھایا تو آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔ پھر آنحضرتؐ نے بیٹی کو قریب آنے کا حکم دیا۔ بی بیؑ اپنے بابا پر جھک گئیں۔ آپؐ نے بیٹی سے سرگوشی میں کچھ باتیں کہیں۔

اب کی بار حضرت سیدہؑ نے سر اُٹھایا تو آپؑ مسکرا رہی تھیں۔ ہمیں اس پر تعجب ہوا۔ ہم نے بی بی سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ پہلی بار میرے والد محترم نے مجھے اپنی موت کی خبر دی تھی، اس لیے میں رونے لگی تھی۔

دوسری بار میرے والد محترم نے فرمایا: بیٹی! جزع فزع نہ کرو، میں نے خدا سے سوال کیا ہے کہ میرے اہلِ بیتؑ میں سے سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملو۔ خدا نے میری یہ دُعا سن لی ہے۔ جب رسولؐ خدا نے مجھے میری جلد وفات کی خبر دی تو میں ہنسنے لگی۔ پھر رسولؐ خدا نے حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور انھیں پیار کیا۔ اُن کی خوشبو سونگھی۔ دونوں بھائی رو رہے تھے۔ رسولؐ خدا نے اُن کے آنسو پونچھے۔

علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلبؑ اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کو بلایا۔ پھر آپؐ نے عباسؓ سے فرمایا: اے عمِ محمدؐ! کیا آپ اس شرط پر میری میراث حاصل کریں گے کہ آپ کو میرے قرض ادا کرنا ہوں گے اور میرے وعدے وفا کرنا ہوں گے؟

عباسؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں کثیرالعیال اور بوڑھا شخص ہوں اور میں قلیل حال رکھتا ہوں۔ آپؐ تو ہوا کا جود و سخاوت میں مقابلہ کرتے ہیں، لہٰذا میں یہ ذمہ داری نہیں نبھا سکتا۔

رسولؐ خدا نے یہی پیش کش دوسری بار دُہرائی۔ عباسؓ نے وہی پہلے والا جواب دیا۔

اس وقت رسولِ خدا نے فرمایا: میں اپنی میراث اس کے حوالے کروں گا جو اس کا حق ادا کرے گا۔

پھر رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علیؑ! اے برادرِ محمدؐ! کیا تو محمدؐ کے وعدے پورے کرے گا اور کیا تو اس کا قرض ادا کر کے اس کی میراث حاصل کرے گا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنی انگشتری اُتاری اور فرمایا: آپؑ اسے میری زندگی میں پہن لیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے وہ انگشتری اپنی اُنگلی میں پہنی۔ پھر رسولِ خدا نے آواز دے کر بلالؓ کو بلایا اور اس سے فرمایا: میری زرہ، خود، پرچم اور میری تلوار ذوالفقار لاؤ اور اس کے ساتھ میرا عمامہ، سحاب، چادر، لوٹا اور عصا لے کر آؤ۔

پھر آپؐ نے فرمایا: علیؑ! جبرئیلؑ میرے پاس یہ چیزیں لائے تھے اور کہا تھا: محمدؐ! انھیں زرہ کے حلقہ میں داخل کرو۔

پھر آپؐ نے اپنی نعلین کے دو جوڑے منگوائے۔ ایک گانٹھی ہوئی تھی اور دوسری گانٹھی ہوئی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ وہ قمیص بھی تھی جس میں آپؐ کو معراج نصیب ہوئی تھی اور وہ قمیص بھی تھی جسے آپؐ نے جنگِ اُحد میں زیب تن کیا تھا اور اس کے ساتھ آپؐ کی تین ٹوپیاں بھی تھیں۔ ایک سفر کی ٹوپی تھی، ایک عیدین کی ٹوپی تھی اور ایک عمومی استعمال کے لیے تھی۔

پھر نبی اکرمؐ نے بلالؓ سے فرمایا: میرے دو خچر صہباء، دُلال اور میری دو اُونٹنیاں عضباء اور صہباء لاؤ اور اس کے ساتھ میرے دو گھوڑے لاؤ۔

واضح رہے کہ ایک گھوڑے کا نام "جناح" تھا وہ مسجد کے دروازے پر بندھا رہتا تھا۔ رسولِ خدا نے کسی کو کسی کے پاس قاصد بنا کر بھیجنا ہوتا تھا تو آپؐ اُسے جناح پر سوار کر کے بھیجا کرتے تھے۔

دوسرے گھوڑے کا نام حیزوم تھا جسے آپؐ اپنے پاس بلاتے تو فرماتے تھے:

اَقْدِمْ حَيْزُوْمُ "حیزوم آگے آؤ"۔

الغرض حضرت بلالؓ نے دونوں گھوڑے پیش کیے۔ آپؐ کا ایک گدھا تھا جس کا نام یعفور تھا۔ حضرت بلالؓ اُسے بھی لے آئے۔

پھر رسولِ اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! یہ تمام چیزیں میری زندگی میں لے لو، تاکہ میرے بعد آپؑ سے کوئی ان کے لیے جھگڑا نہ کرے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ رسولِ خدا نے اپنی مرض الموت میں حضرت فاطمہؑ سے فرمایا: میرے ماں باپ آپؑ پر قربان، اپنے شوہر کو پیغام بھیجو کہ وہ میرے پاس آئیں۔

حضرت زہراؑ نے اپنے فرزند حسینؑ سے فرمایا: آپؑ جائیں اور اپنے بابا جان سے کہیں کہ میرے نانا جان آپؑ کو بلا رہے ہیں۔

حسینؑ بن علیؑ گئے اور اپنے والد کو لائے۔ حضرت علیؑ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت فاطمہؑ اپنے والد ماجد کے پاس بیٹھ کر بین کر رہی تھیں:

بابا جانؐ! آپؐ کی تکلیف ہمارے لیے باعث رنج ہے۔

رسولِ خدا نے فرمایا: بیٹی! آج کے بعد تیرے والد پر کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: فاطمہؑ! نبیؐ کی وفات پر گریبان چاک نہیں کیا جاتا اور چہرے کو خراشدار نہیں کیا جاتا اور ہلاکت جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے۔ اس کے بجائے وہی الفاظ کہیں جو کہ میں نے اپنے فرزند ابراہیمؑ کی موت کے موقع پر کہے تھے۔ میں نے کہا تھا: ''آنکھیں برس رہی ہیں اور دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے''۔ لیکن ہم ایسی بات نہیں کہتے جو ہمارے رب کو ناراض کردے۔ ''ابراہیمؑ! تیری وجہ سے ہم مغموم ہیں''۔ ''اگر ابراہیمؑ زندہ رہتا تو وہ نبیؐ ہوتا''۔

پھر آپؐ حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے علیؑ! میرے قریب آؤ اور اپنا کان میرے منہ پر رکھو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔

رسولِ خدا نے فرمایا: بھائی! کیا آپؑ نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○

''بے شک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو وہ بہترین خلقت

ہیں"۔(سورۂ بینہ: آیت ۷)

حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیوں نہیں یارسولؐ اللہ!

رسولؐ خدا نے فرمایا: وہ آپؑ اور آپؑ کے شیعہ ہیں، جو قیامت کے دن روشن چہروں کے ساتھ آئیں گے اور وہ سیر و سیراب ہوں گے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا آپؑ نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ (سورۂ بینہ: آیت ۶)

"بے شک وہ لوگ جنھوں نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے شرک کیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ میں ہوں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں"۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں یارسولؐ اللہ!

رسولؐ خدا نے فرمایا: وہ تیرے دشمن اور اُن کے پیروکار ہیں۔ وہ قیامت کے دن بھوکے پیاسے ہوں گے۔ بدبخت اور عذاب میں مبتلا ہوں گے، کفار و منافق ہوں گے۔

اے علیؑ! پہلی آیت تیرے اور تیرے شیعوں کے لیے ہے اور دوسری آیت تیرے دشمنوں اور اُن کے پیروکاروں کے لیے ہے۔

جب رحلت کی گھڑی قریب آئی تو امیرالمومنینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے اور جب روح کی پرواز کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے فرمایا:

اے علیؑ! میرا سر اپنی آغوش میں رکھ لو، خدا کا فرمان پہنچ چکا ہے۔ جب میری جان نکلے تو اپنے ہاتھ کو میرے منہ کے قریب کرنا اور پھر اپنے چہرے کو مَس کر لینا۔ بعدازاں مجھے قبلہ رُخ کر دینا اور میرے معاملات سنبھال لینا اور تمام لوگوں سے پہلے مجھ پر نماز جنازہ پڑھنا اور لحد میں دفن کرنے سے قبل مجھ سے جدا نہ ہونا اور خدا سے مدد طلب کرنا۔

حضرت علیؑ نے آپؐ کا سرِ اطہر اپنی گود میں رکھا۔ آنحضرتؐ بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت حضرت زہراؑ آپؐ کے چہرے کو دیکھ کر گریں اور رو رو کر یہ اشعار پڑھے:

وابیض یستسقی الغمام لوجھہ ثمال الیتامٰی عصمۃ للارامل

"وہ سفید چہرے والا جس کے چہرے کو بادل دیکھیں تو برس پڑیں۔ وہ یتامیٰ کی پناہ گاہ اور بیوگان کا سہارا ہے"۔

رسولِ خدا نے اپنی آنکھیں کھولیں اور نہایت ہی نحیف آواز میں فرمایا: بیٹی! یہ تمہارے چچا ابوطالب" کا شعر ہے۔ اس وقت یہ شعر نہ پڑھیں۔اس کے بجائے یہ آیت پڑھیں:

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۴۴)

"محمدؐ بس ایک رسولؐ ہے اس سے پہلے بھی رسولؑ گزر چکے ہیں تو کیا اگر محمدؐ مر جائے یا قتل ہو جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟"

یہ سنا تو حضرت سیدہؑ دیر تک روتی رہیں۔ بعدازاں رسولِ خدا نے بی بی کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ بی بیؑ قریب ہوئیں۔ رسولِ خدا نے اُن سے کوئی سرگوشی کی جس کی وجہ سے بی بیؑ کا چہرہ چمکنے لگا۔ پھر آنحضرتؐ کی وفات ہوگئی۔ اس وقت امیرالمومنین علیؑ کا ہاتھ آپؐ کی ٹھوڑی کے نیچے تھا۔ جیسے ہی آپؐ کی روح نے پرواز کیا تو حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ کو چہرے کی طرف کیا اور اسے اپنے چہرے پر پھیرا۔ بعدازاں حضرت علیؑ نے سیدالعالمین صلوات اللہ علیہ کو سیدھا لٹایا اور آپؐ کے جسمِ اطہر پر چادر ڈالی اور آنحضرتؐ کے تجہیز و تکفین کے معاملات میں مصروف ہو گئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ آپؑ کے علاوہ مجھے کوئی اور غسل نہ دے۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: مجھے پانی کون پکڑائے گا؟ آپؐ وزنی جسم کے مالک ہیں، میں آپؐ کا پہلو تبدیل نہیں کرسکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کام میں جبرئیلؑ آپؑ کی مدد کرے گا اور فضل بن عباس آپؑ کو پانی دے گا۔ آپؑ اس سے یہ کہنا کہ وہ میرے غسل کے وقت اپنی آنکھوں کو

بند رکھے، کیونکہ آپؑ کے علاوہ اگر کسی نے میری شرم گاہ پر نظر ڈالی تو وہ اندھا ہو جائے گا۔

چنانچہ غسل کے وقت فضل پانی دیتے رہے اور جبرئیلؑ آپؑ کی مدد کرتے رہے اور حضرت علیؑ غسل دیتے رہے۔

پھر جب غسل و کفن کا مرحلہ مکمل ہو گیا تو رسولِ خدا کے چچا عباسؓ آئے اور حضرت علیؑ سے کہا: لوگوں کی خواہش ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بقیع میں دفن کیا جائے اور ایک شخص آپؐ کی نمازِ جنازہ کی امامت کرائے۔

حضرت علیؑ گھر سے نکل کر لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا: لوگو! کیا تم نہیں جانتے کہ رسولِ خدا زندگی میں بھی ہمارے امام تھے اور وفات کے بعد بھی آپؐ ہمارے امام ہیں۔

کیا تم نہیں جانتے کہ رسولِ خدا نے اُن لوگوں پر لعنت کی ہے جو قبروں کو مصلّٰی بناتے ہیں؟ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود بنائیں؟ اور اس طرح سے آپؐ نے ان پر لعنت کی تھی، جنھوں نے آپؐ کے دندانِ مبارک شہید کیے تھے اور آپؐ کے مسوڑھوں کو چیرا تھا؟

لوگوں نے کہا: معاملہ آپؑ کے ہاتھ میں ہے، آپؑ جو چاہیں کریں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں رسولِ خدا کو اسی جگہ دفن کروں گا جہاں اُن کی وفات ہوئی ہے۔ پھر حضرت علیؑ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور آپؑ نے آنحضرتؐ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

آپؑ نے لوگوں سے فرمایا: دس دس افراد ٹولی بنا کر آئیں اور آنحضرتؐ پر نماز پڑھ کر باہر نکل جائیں۔

جب امیر المومنین علی علیہ السلام نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو آپؑ نے فضل بن عباس کو بلایا اور اُن سے فرمایا: آنکھوں پر پٹی باندھ لو اور مجھے پانی پکڑاتے رہو۔

حضرت علیؑ نے رسولِ خدا کی قمیص کو گریبان سے پھاڑا اور ناف تک لے گئے اور یوں آپؑ نے آنحضرتؐ کو غسل دیا اور حنوط کیا اور کفن پہنایا۔ اس سارے کام میں فضل بن عباسؓ آپؑ کی مدد کرتے رہے۔ جب آپؑ ان اُمور سے فارغ ہوئے تو آپؑ اکیلے کھڑے ہوئے اور تن تنہا آپؐ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ نمازِ جنازہ میں آپؑ کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں تھا۔

اس وقت مسلمان مسجد میں جمع تھے اور باہمی صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ آنحضرتؐ کی نمازِ جنازہ کی امامت کون کرائے اور آپؐ کو کہاں دفن کیا جائے؟

حضرت علی علیہ السلام لوگوں کے پاس گئے اور فرمایا:

رسولِؐ خدا اپنی زندگی میں بھی ہمارے امام تھے اور وفات کے بعد بھی آپؐ ہی ہمارے امام ہیں۔ تم میں سے لوگ گروہوں کی شکل میں جائیں اور امام کے بغیر نمازِ جنازہ پڑھیں اور باہر آجائیں۔ خدا جس جگہ پر نبیؐ کی روح قبض کرتا ہے اسی جگہ کو اُن کی قبر کے لیے پسند کرتا ہے۔ میں رسولِؐ خدا کو اسی جگہ دفن کروں گا جہاں آپؐ کی وفات ہوئی ہے۔

تمام لوگوں نے حضرتؑ کی باتوں سے اتفاق کیا۔ جب مسلمان جنازہ پڑھ چکے تو عباسؓ نے ایک شخص کو ابوعبیدہ بن جراح کو بلانے کے لیے بھیجا۔ وہ اہلِ مکہ کے لیے قبریں کھودا کرتے تے اور گڑھے نما قبر بناتے تھے۔ مکہ میں اسی طرح کی قبر کا رواج پایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ اُنھوں نے ایک اور شخص کو زید بن سہل کے پاس بھیجا۔ وہ اہلِ مدینہ کے لیے قبریں کھودا کرتے تے اور وہ قبر میں لحد بناتے تھے۔ پھر اُنھوں نے دعا مانگی: پروردگار! تجھے اپنے حبیبؐ کے لیے جیسی قبر پسند ہو اس طرح کی قبر کھودنے والے کو پہلے یہاں لے آ۔

ابوطلحہ انصاری پہلے آئے۔ اس سے کہا گیا کہ تم رسولِؐ خدا کی قبر کھودو۔ اس نے لحد والی قبر تیار کی۔ پھر علی علیہ السلام، عباس بن عبدالمطلبؓ، فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ رسولِؐ خدا کو دفن کرنے کے لیے آگے بڑھے۔

اس وقت انصار نے چیخ کر کہا: اے علیؑ! تجھے خدا کا واسطہ، ہمیں اس طرح سے نظرانداز نہ کریں۔ اس کارِ خیر میں ہمیں بھی شریک کریں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس کام میں ہم انس بن خولی کو اپنے ساتھ شامل کرتے ہیں۔ (واضح رہے کہ انس بن خولی بدری صحابی تھے اور قبیلہ خزرج کی شاخ بنی عوف کے صاحبِ فضیلت انسان تھے)

انس بن خولی آئے۔ حضرت علیؑ نے اُن سے فرمایا: آپ قبر میں داخل ہوجائیں۔ چنانچہ وہ قبر میں داخل ہوئے۔ حضرت علیؑ نے رسولِؐ اقدس کا جنازہ اُٹھایا اور اُس کی طرف

بڑھایا۔ پھر جب آپؐ کا جسم نازنین پوری طرح سے زمین پر آ گیا تو حضرت علیؑ نے انس بن خولی سے فرمایا: اب تم اوپر آ جاؤ۔ پھر حضرت علیؑ قبر میں اُترے اور آپؐ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور داہنا رخسار زمین پر رُوبقبلہ کر کے رکھا۔ پھر اینٹیں رکھی گئیں اور اُوپر مٹی ڈال دی گئی۔

حضرت علی علیہ السلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرثیہ پڑھتے تھے اور یہ کہتے تھے:

اَلْمَوْتُ لَا وَالِدًا یُبْقِیْ وَلَا وَلَدَا
هٰذَا السَّبِیْلُ اِلٰی اَنْ لَّا تَرٰی اَحَدَا
هٰذَا النَّبِیُّ لَمْ یَخْلُدْ لِاُمَّتِهٖ
لَوْ خَلَّدَ اللهُ خَلْقًا قَبْلَهٗ خَلَّدَا
لِلْمَوْتِ فِیْنَا سِهَامٌ غَیْرُ خَاطِئَةٍ
مَنْ فَاتَهُ الْیَوْمَ سَهْمٌ لَمْ یُفِتْهٖ غَدَا

"موت نہ تو والد کو چھوڑتی ہے اور نہ ہی اولاد کو بچاتی ہے۔ یہ راستہ یوں ہی چلتا رہے گا یہاں تک کہ کوئی بھی نہیں رہے گا۔ یہ نبیؐ اپنی اُمت کے لیے ہمیشہ نہیں رہا۔ اگر ان سے پہلے کوئی ہمیشہ رہا ہوتا تو یہ بھی ہمیشہ ہی رہتے۔ ہمارے لیے موت کے پاس ایسے تیر ہیں جو کبھی خطا نہیں کرتے۔ اگر آج کوئی اس تیر سے بچ گیا تو کل نہیں بچے گا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے بیلچہ سے قبر رسولؐ کو درست کیا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات ۱۰ ہجری ۲۸ صفر کو ہوئی تھی۔ یہی چیز اہلِ بیتؑ میں مشہور ہے۔ [1]

---

[1] یہاں پر مؤلف کو تسامح ہوا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ۱۰ ہجری میں نہیں بلکہ ۱۱ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔

وفاتِ رسولؐ کے بعد وفاتِ زہراؑ کا صدمہ

وفاتِ پیغمبرؐ حضرت علی علیہ السلام کے لیے مصائب کا پہاڑ تھی۔ یہ حضرت علیؑ کا ایمان اور آپؑ کا صبر ہی تھا کہ آپؑ نے اتنے بڑے صدمہ کو برداشت کیا تھا۔ اور اگر آپؑ کے پاس صبر کی دولت نہ ہوتی تو آپؑ دنیا میں زندہ ہی نہ رہتے۔ اسی صدمہ کی وجہ سے آپؑ کی ریشِ مبارک جلد سفید ہوگئی تھی۔

کسی نے آپؑ سے کہا: امیر المومنینؑ! کاش آپؑ خضاب کر کے اپنے بڑھاپے کو چھپا لیتے!

آپؑ نے فرمایا: خضاب زینت ہے اور ہم لوگ مصیبت میں گرفتار ہیں۔

اس سے آپؑ کا مقصد یہ تھا کہ ہم پر وفاتِ رسولؐ کی شکل میں مصائب کا پہاڑ ٹوٹ چکا ہے۔ اسی لیے ہمیں خضاب زیب نہیں دیتا۔

حضرت علیؑ نے پوری زندگی خضاب نہیں کیا تھا اور خضاب نہ کرنے کی دو وجوہات تھیں:

① وفاتِ رسولؐ کا غم تھا جس کی وجہ سے آپؑ خضاب نہیں کرتے تھے۔

② رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کو ایک اور خضاب کی خبر دی تھی جیسا کہ ابن نباتہ کا بیان ہے کہ میں نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے عرض کیا: آپؑ خضاب کیوں نہیں کرتے جب کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خضاب کیا کرتے تھے؟

آپؑ نے جواب دیا کہ مجھے کائنات کے سب سے بڑے بدبخت کا انتظار ہے، جو کہ میری داڑھی کو میرے سر کے خون سے خضاب کرے گا۔ اس کی خبر مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔

رسولؐ خدا ابھی دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ لوگ سقیفہ میں جمع ہوئے جہاں سعد بن عبادہ نے اپنے آپ کو خلافتِ رسولؐ کے لیے پیش کیا۔ موصوف قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور اُن کے مقابلے میں اُسید بن حصین یا بشیر بن سعدہ نے بھی اپنے آپ کو خلافت کے لیے پیش کیا۔ یہ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ دونوں قبیلوں میں قدیم الایام سے مخاصمت چلی آرہی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی اس احتجاج میں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی اور لوگوں سے کہا کہ خلافت قریش کا حق ہے، لہٰذا تم لوگ عمرؓ یا ابوعبیدہؓ میں سے کسی کی بیعت کرلو۔

حضرت عمرؓ نے کہا: آپ کی موجودگی میں ہمیں یہ منصب زیب نہیں دیتا۔ آپ غارِ رفیق ہیں۔ اس کے بعد مہاجرین وانصار میں سخت تلخ کلامی ہوئی اور معاملہ گالم گلوچ اور دھمکیوں تک جا پہنچا۔

قبیلۂ اوس کے سردار نے دیکھا کہ اگر خلافت سعد کو مل گئی تو یہ ان کی شکست متصور ہوگی، اسی لیے اس نے موقع کو غنیمت جانا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کی ہمنوائی اختیار کرلی۔

جب قبیلۂ اوس نے دیکھا کہ اُن کا سردار مہاجرین کی تائید کرچکا ہے تو اُنھوں نے بھی قبیلۂ خزرج کی مخالفت میں مہاجرین کا ساتھ دیا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اور سعد بن عبادہ پامال ہوتے ہوئے بچے۔

اُنھوں نے چیخ کر کہا: تم نے تو مجھے مار ڈالا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: سعد کو قتل کردو خدا اُسے قتل کرے۔

اس طرح سے خلافت کا فیصلہ ہوا اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ نامزد ہوئے اور پیغمبر اکرمؐ نے خلافت کے متعلق جتنی بھی جدوجہد کی تھی اس تمام تر جدوجہد کو سقیفہ کی آندھی لے اُڑی۔

رحلتِ رسولؐ کے بعد بہت سے المناک حوادث پیش آئے۔ ہم یہاں ان کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے اور کسی کا دل دکھانا پسند نہیں کرتے۔ ان حوادث سے کتبِ حدیث و تاریخ بھری پڑی ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت کو ان کا علم ہے۔

ان ایام میں حضرت علی علیہ السلام کے موقف کو ہم اختصار سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جب لوگوں کی اکثریت حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر چکی تو اہلِ اقتدار علیؑ کے دروازے پر جمع ہوئے، تاکہ اُنھیں گھر سے نکال کر اُن سے بیعت لی جائے۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے لوگوں کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہ دی۔

پھر یہ لوگ ہجوم کر کے حملہ آور ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام سے ہتھیار چھین کر اُنھیں مسجد میں لے گئے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام چلاتی ہوئی پیچھے دوڑیں اور آپؑ یہ فرما رہی تھیں:

"لوگو! میرے ابنِ عم کو چھوڑ دو، میرے شوہر کو چھوڑ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں بال کھول کر اپنے والد کی قمیص سر پر رکھ کر تمہیں بددعا دوں گی"۔

آپؑ مسجد کے دروازے پر پہنچیں۔ آپؑ نے وہاں دردناک منظر دیکھا، جسے ہم بیان نہیں کرسکتے، البتہ آپؑ اپنے شوہر کو چھڑانے اور بیعت سے بچانے میں کامیاب ہوئی تھیں اور پھر وہاں سے اپنے شوہر کو چھڑا کر گھر میں لے آئیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں دنیا تاریک ہو چکی تھی اور اپنی فراخی کے باوجود زمین آپؑ پر تنگ ہو چکی تھی کیونکہ رسولِ خدا کی وفات نے آپؑ سے ہر خوشی چھین لی تھی۔ ابھی رحلتِ رسولؐ کا غم بدستور قائم تھا کہ آپؑ کو دوسرا بڑا صدمہ اُٹھانا پڑا۔ آپؑ کے گھر میں غموں نے ڈیرے ڈال دیے اور آپؑ کا گھر عملی طور پر عزاخانہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا دن رات اپنے والد کے فراق میں روتی تھیں اور آپؑ کو تسلی دینے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت سیدہ کو یتیمی کا صدمہ تھا اور اس صدمہ میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب اہلِ حکومت نے آپؑ سے رسولِ خدا کی ہبہ کردہ جائیداد فدک کو چھین لیا اور آپؑ کے تمام مالی وسائل پر حکومت نے قبضہ کر لیا اور آپؑ کے دعویٰ کو سرِعام جھٹلایا گیا۔

ان تمام واقعات کا آپؑ کی جسمانی صحت پر منفی اثر پڑا۔ آپؑ بیمار ہو گئیں اور روز بروز آپؑ کی بیماری میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپؑ دن رات روتی تھیں۔ لوگوں نے آپؑ کو رونے سے روکا۔ اس کے بعد آپؑ کبھی سیدالشہدا حضرت حمزہؓ کی قبر پر جاتی تھیں اور کبھی جنت البقیع میں اور اپنے والد کے غم میں بین کرتی تھیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے آپؑ کے رونے کے لیے مدینہ سے باہر ایک گھر بنایا جس کا نام بیت الاحزان رکھا۔ رسولؐ کی دُکھیا بیٹی سلام اللہ علیہا غم منانے کے لیے بیت الاحزان جاتی تھیں۔
والد کی وفات کے بعد کسی نے بھی حضرت سیّدہ سلام اللہ علیہا کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک دن حضرت علی علیہ السلام گھر میں آئے تو آپؑ نے دیکھا کہ جنابِ سیّدہؑ اپنی اولاد کے سر اور اُن کے کپڑے دھو رہی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: زہرا! بےوقت ایسا کام کیوں کر رہی ہیں؟

حضرت سیّدہؑ نے عرض کیا: مجھے میری موت کی خبر مل چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں چند دنوں بعد یہ دنیا چھوڑ دوں گی۔ میرے دل میں چند باتیں ہیں۔ یا علیؑ! میں آپؑ کو ان کی وصیت کرنا چاہتی ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: دخترِ رسولؐ! آپؑ جو چاہیں وصیت فرمائیں۔

حضرت علیؑ آپؑ کے سرہانے بیٹھ گئے اور گھر کے تمام افراد کو حجرے سے باہر روانہ کیا، اس کے بعد حضرت سیّدہؑ نے عرض کیا: فرزندِ عم! آپؑ نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے اور خیانت کرتے ہوئے نہیں پایا ہے اور جب سے میری ڈولی آپؑ کے گھر میں آئی ہے میں نے آپؑ کے فرمان کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: معاذ اللہ! آپؑ خدا کی ذات کی عالمہ ہیں اور آپؑ کا مقام کتنا بلند و بالا ہے کہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپؑ نے کبھی میری مخالفت کی ہو۔ آپؑ کی جدائی میرے لیے انتہائی شاق ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ مصیبت بڑی تلخ اور دردناک ہے۔ خدا کی قسم! یہ وہ مصیبت ہے جس سے تسلی حاصل کرنا مشکل ہے اور یہ ناقابلِ فراموش المیہ ہے۔

پھر علیؑ و بتولؑ دونوں ہی رونے لگے۔ امیرِ کائنات نے سیّدہؑ کا سر پکڑ کر اپنے سینہ سے ملایا اور فرمایا: آپؑ جو چاہیں مجھے وصیت کریں، آپؑ مجھے اپنا وفادار پائیں گی۔ میں آپؑ کی ہر وصیت کو پورا کروں گا۔

حضرت سیّدہؑ نے عرض کیا: خدا میری طرف سے آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔
میری پہلی وصیت یہ ہے کہ میری وفات کے بعد آپؑ میری بھانجی "امامہ" سے شادی

کریں۔ وہ میری اولاد سے مجھ جیسا سلوک کرے گی۔ ویسے بھی مرد کے لیے بیوی کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

میری دوسری وصیت یہ ہے کہ آپؑ میرے لیے جنازے کا تابوت بنوائیں۔ ملائکہ نے مجھے اس کی تصویر دکھائی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: آپؑ اس کی شکل وصورت بیان کریں۔

بی بیؑ نے اس تابوت کی شکل وصورت بیان کی۔ حضرت علیؑ نے اسی انداز کا تابوت تیار کرایا۔

پھر حضرت سیّدہؑ نے عرض کیا: میری آپؑ سے یہ وصیت ہے کہ میرے جنازہ میں وہ لوگ شامل نہ ہوں، جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ وہ لوگ میرے اور میرے والد بزرگوار کے دشمن ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شخص میری نماز جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

یا علیؑ! جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے وہ بھی میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں اور جو ان کے پیروکار ہیں وہ بھی میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ جب لوگ سو جائیں تو مجھے رات کی تاریکی میں دفن کرنا۔ اس کے بعد آپؑ کی روح پرواز کرگئی۔

جیسے ہی آپؑ کی وفات کی خبر عام ہوئی تو اہلِ بیتؑ میں چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ بنی ہاشم کی خواتین آپؑ کے گھر میں جمع ہوئیں اور ان کی آہ و بکا سے شہر مدینہ لرز اُٹھا۔

اہلِ مدینہ سیّدہؑ کے جنازہ میں شرکت کی غرض سے حضرت علی علیہ السلام کے دروازے پر جمع ہوئے اور جنازہ اُٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اعلان کیا کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں، جنازہ میں تاخیر کردی گئی ہے۔

اس اعلان کے بعد لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔ جب رات چھا گئی اور اس کا کچھ حصّہ گزرا تو حضرت علیؑ نے سیّدہؑ کو کپڑوں کے اُوپر سے غسل دیا اور رسولؐ خدا کے بچے ہوئے کافور سے اُنھیں حنوط کیا اور اُنھیں کفن پہنایا۔ پھر آپؑ نے عمارؓ، مقدادؓ، سلمانؓ، ابوذرؓ، عقیلؓ، زبیرؓ، بریدہؓ اور بنی ہاشم کے کچھ افراد کو طلب کیا۔

جب وہ حضرات آگئے تو حضرت علیؑ نے سیّدہؑ کی نماز جنازہ پڑھی اور اُنھیں تاریکیِ شب

میں دفن کیا۔ اس وقت کوئی بھی شخص حتمی طور پر نہیں جانتا تھا کہ بی بیؑ کی قبر کہاں واقع ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ بی بیؑ کی قبر بقیع میں ہے اور اکثر محدثین کہتے ہیں کہ بی بیؑ کی قبر قبرِ رسولؐ اور منبرِ رسولؐ کے درمیان ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ بی بیؑ کی قبر کہاں واقع ہے اور روزِ قیامت تک سیدہؑ کی قبر نامعلوم ہی رہے گی۔

شہید ملت سیّد محسن علی نقویؔ نے کیا خوب کہا تھا:

اے شہرِ مدینہ تیری گلیوں میں ابھی تک
ہم بنتِ پیغمبرؐ کی لحد ڈھونڈ رہے ہیں

بی بیؑ کی قبر کے مخفی رہنے میں شاید بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ ان روح فرسا حالات کو یاد کریں جن کا مقابلہ سیّدہ زہراؑ کو کرنا پڑا تھا۔

اپنے والد بزرگوار کی وفات حسرت آیات کے بعد رسولؐ زادی کتنے دن زندہ رہی تھیں اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپؑ اپنے والد کی وفات کے بعد چالیس دن زندہ رہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپؑ پچھتر دن زندہ رہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آپؑ پچانوے دن زندہ رہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ آپؑ چھ ماہ زندہ رہیں۔

ان تمام اقوال کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہلِ بیتؑ پیغمبرؐ میں سے سب سے پہلے سیدہؑ کی وفات ہوئی تھی۔ حضرت سیدہؑ کی وفات سے حضرت علیؑ کے مصائب دگنا ہو گئے۔ آپؑ کے لیے اپنے چار بچوں حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور شاہزادی زینبؑ و اُمِ کلثومؑ کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ بچوں نے اپنے نانا کی موت کا شدید صدمہ اُٹھایا تھا اور ابھی اس صدمہ سے جانبر نہ ہوئے تھے کہ اُنھیں والدہ کی رحلت کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔ اسی طرح سے حضرت سیدہؑ کی تجہیز و تکفین اور خفیہ تدفین بھی حضرتؑ کے لیے کسی بھی قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھی۔

حضرت سیدہؑ کی وفات ہوئی اور اُنھیں حالات کی سنگینی کی وجہ سے یوں دفن کیا گیا جیسا کہ وہ کوئی لاوارث خاتون ہوں اور گویا کہ وہ رسولِ خدا کی پیاری اور اکلوتی بیٹی تک نہ ہوں۔

امیرِ کائنات نے حضرت سیّدہؑ کو خاموشی سے لحد کے سپرد کیا، تاکہ اُن کی وصیت پر عمل ہو سکے۔ ان تمام مراحل کو آپؑ نے مردانہ وار طے کیا، لیکن جب حضرت سیّدہؑ کو دفن کر چکے تو پھر غم کے طوفان کو نہ روک سکے اور ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے۔ آپؑ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں سی لگ گئیں اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ اس وقت آپؑ کا چہرہ قبرِ پیغمبرؐ کی طرف پھر گیا اور آپؑ نے بارگاہِ رسولؐ میں عرض کیا:

السلام علیك یا رسول الله عنی وعن ابنتك النازلة فی جوارك والسریعة اللحاق بك قل یا رسول الله عن صفیتك صبری ورق عنها تجلدی الا ان لی فی التأسی بعظم فرقتك وفادح مصیبتك موضع تعز۔ فلقد وسدتك فی ملحودة تبرك وفاضت بین نحری وصدری نفسك۔ انا لله وانا الیه راجعون۔ فلقد استرجعت الودیعة واخذت الرهینة۔ اما حزنی فسرمد واما لیلی فمسهد الی ان یختار الله لی دارك التی انت بها مقیم، وستنبئك ابنتك بتضامز اُمتك علی هضمها فأحفها السؤال واستخبرها الحال، هذا ولم یطل العهد ولم یخل منك الذكر والسلام علیكما سلام مودع لاقال ولاسئم فان انصرف فلا عن ملالة وان اقم فلا عن سوء ظن بما وعد الله الصابرین

”یارسولؐ اللہ! آپؐ کو میری جانب سے اور آپؐ کے پڑوس میں اُترنے والی اور آپؐ سے جلد ملحق ہونے والی آپؐ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یارسولؐ اللہ! آپؐ کی برگزیدہ (بیٹی کی رحلت) سے میرا صبر و شکیب جاتا رہا۔ میری ہمت و توانائی نے ساتھ چھوڑ دیا، لیکن آپؐ کی مفارقت کے حادثۂ عظمیٰ اور آپؐ کی رحلت کے صدمہ جانکاہ پر صبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت پر بھی صبر و شکیبائی ہی سے کام لینا پڑے گا، جبکہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپؐ کو قبر کی لحد میں اُتارا اور اس عالم میں آپؐ کی روح

نے پرواز کی کہ آپؐ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

اب یہ امامت پلٹائی گئی، گروی رکھی ہوئی چیز چھڑوا لی گئی لیکن میرا غم بے پایاں اور میری راتیں بے خواب رہیں گی، یہاں تک کہ خداوند عالم میرے لیے بھی اسی گھر کو منتخب کرے، جس میں آپؐ رونق افروز ہیں۔ وہ وقت آ گیا ہے کہ آپؐ کی بیٹی آپؐ کو بتائیں کہ کس طرح آپؐ کی اُمت نے اُن پر ظلم ڈھانے کے لیے ایکا کر لیا۔ آپؐ ان سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام اَحوال اور واردات دریافت کریں۔ یہ ساری مصیبتیں اُن پر بیت گئیں حالانکہ آپؐ کو گزرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ آپؐ کے تذکروں سے زبانیں بند ہوئی تھیں۔ آپؐ دونوں پر میرا سلام رخصتی ہو، نہ ایسا سلام جو کسی ملول و تنگ دل کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب اگر میں (اس جگہ سے) پلٹ جاؤں تو اس لیے نہیں کہ آپؐ سے میرا دل بھر گیا ہے اور اگر ٹھہرا رہوں تو اس لیے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدظن ہوں جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے"۔

اس کے بعد آپؑ نے یہ اشعار پڑھے:

اَرٰی عِلَلَ الدُّنْیَا عَلَیَّ کَثِیْرَۃً ۔۔۔ وَصَاحِبُھَا حَتّٰی الْمَمَاتِ عَلِیْلٌ

لِکُلِّ اِجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِیْلَیْنِ فُرْقَۃٌ ۔۔۔ وَکُلُّ الَّذِیْ دُوْنَ الْفِرَاقِ قَلِیْلٌ

وَ اِنَّ افْتِقَادِیْ فَاطِمًا بَعْدَ اَحْمَدٍ ۔۔۔ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنْ لَّا یَدُوْمَ خَلِیْلٌ

"میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھ پر دنیا کی تکالیف بہت زیادہ ہیں اور مرتے دم تک میں تو علیل ہی رہوں گا۔

ہر دو ساتھی ایک دن جدا ہوں گے اور فراق سے پہلے کی مصیبتیں قلیل ہیں۔ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فاطمہؑ کی جدائی اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی بھی دوست ہمیشہ باقی نہیں رہے گا"۔

حسبِ ذیل دو بیت بھی آپؑ کی طرف منسوب ہیں:

نَفْسِیْ عَلٰی زَمَزَاتِھَا مَحْبُوْسَۃٌ ۔۔۔ یَالَیْتَھَا خَرَجَتْ مَعَ الزَّمَزَاتِ

لَا خَیْرَ بَعْدَكَ فِی الْحَیَاۃِ وَ اِنَّمَا ۔۔۔ اَبْکِیْ مَخَافَۃَ اَنْ تَطُوْلَ حَیَاتِیْ

''آہوں اور سسکیوں کے ساتھ میری روح قید میں ہے، کاش وہ ان آہوں کے ساتھ ہی نکل جاتی۔ آپؐ کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ کہیں میری زندگی لمبی نہ ہو جائے''۔

بتولؑ کے بعد امیرِ کائنات کی شادی

سیّدہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے لیے ضروری تھا کہ آپؑ شادی کریں تاکہ آنے والی بیوی معصوم یتیم بچوں کو سنبھال سکے۔ اس وقت حضرت امام حسن علیہ السلام کی کُل عمر سات برس اور چند ماہ تھی اور حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بڑے بھائی سے چھے ماہ اور چند دن عمر میں چھوٹے تھے۔ اسی طرح سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی شاہزادیاں بھی چھوٹی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت سیّدہ سلام اللہ علیہا کی وصیت پر عمل کیا اور اُن کی وفات کے نو دن بعد آپؑ نے امامہ بنت ابوالعاص سے شادی کی۔

یہ واقعہ علامہ مجلسی نے بحارالانوار کی نویں جلد میں تحریر کیا ہے اور اُنھوں نے یہ روایت شیخ مفیدؒ کے حوالے سے لکھی ہے۔

علی علیہ السلام کی اَزواج و اَولاد

مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر امیرالمومنین علیہ السلام کی اَزواج اور آپؑ کی اولاد کے متعلق مختصر سا اشارہ کیا جائے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کی چھبیس اولادیں تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① امام حسنؑ ② امام حسینؑ ③ زینب کبریٰؑ ④ زینب صغریٰؑ [1] ⑤ محمد بن حنفیہ۔ ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر تھا۔ ⑥ عمر ⑦ رقیہ۔ یہ دونوں جڑواں بھائی بہن تھے۔ ان کی والدہ کا نام ''صہباء'' تھا۔ ایک قول کے مطابق اس کا نام ''اُمِ حبیب تغلبیہ تھا۔

---

① جن کی کنیت اُمِ کلثوم تھی۔ ان سب کی والدہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام تھیں۔

⑧ تا ⑪ ابوالفضل العباسؑ، جعفرؑ، عثمانؑ اور عبداللہؑ۔ ان چاروں بھائیوں کی والدہ کا نام فاطمہ اُم البنینؑ بنت حزام بن خالد کلابیہ تھا۔ یہ چاروں بھائی روزِ عاشورا شہید ہوئے تھے۔

⑫ و ⑬ یحییٰؑ و عونؑ۔ ان دونوں کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس خثعمیہ تھا۔ ⑭ و ⑮ محمد الاصغرؑ کنیت ابوبکر، عبیداللہؑ۔ ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ تھا۔ دونوں بھائی نصرتِ حسینؑ میں شہید ہوئے تھے۔

⑯ تا ⑲ خدیجہؑ، اُم ہانیؑ، میمونہؑ، فاطمہؑ۔ ان چار بیٹیوں کی والدہ اُمِ ولد کنیز تھیں۔

⑳ و ㉑ اُمُ الحسنؑ، رملہؑ۔ ان کی والدہ کا نام اُمِ شعیب دارمیہ تھا۔ اس کے علاوہ کچھ حضرات نے ان کا نام اُمِ سعید اور کچھ نے اُمِ مسعود مخزومیہ لکھا ہے۔

㉒ تا ㉖ نفیسہؑ، زینب الصغریٰؑ، اُمِ سلمہ، اُمِ الکرام اور جمانہ مختلف ماؤں سے پیدا ہوئی تھیں۔

آپؑ کی اولاد صرف حسب ذیل پانچ بیٹوں سے چلی:

① امام حسنؑ ② امام حسینؑ ③ محمد بن حنفیہؑ ④ ابوالفضل العباسؑ ⑤ عمرؑ۔

جب تک حضرت فاطمہ زہراؑ زندہ رہیں تب تک حضرت علیؑ نے کوئی اور شادی نہیں کی تھی۔ اس سے قبل رسولؐ خدا نے بھی حضرت خدیجہؑ کی زندگی میں کوئی اور شادی نہیں کی تھی۔

حضرت علیؑ کو رسولؐ خدا کے اس فرمان کا پاس تھا:

مَنْ اٰذَاھَا فَقَدْ اٰذَانِی

"جس نے فاطمہؑ کو اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی"۔

حضرت علی علیہ السلام حضرت زہراؑ کی زندگی میں دوسرا عقد کر کے اُنھیں اذیت نہیں دینا چاہتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آپؑ نے چار آزاد عورتوں اور دس کنیزوں سے شادی کی تھی۔

مناقب میں شیخ مفیدؒ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ آپؑ کی جملہ اولاد کی تعداد پچیس افراد پر مشتمل ہے، جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپؑ کی اولاد کی تعداد پینتیس تھی۔

مجلسِ شوریٰ اور حضرت عثمانؓ

ہم نے گزشتہ صفحات میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا تھا جن کی وجہ سے امیرالمومنین علی علیہ السلام کو گوشہ نشینی اختیار کرنا پڑی تھی۔ اس گوشہ نشینی کا آغاز اس وقت سے ہوا جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اور سقیفائی حکومت قائم ہوئی۔

جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت آیا تو اُنھوں نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا۔ چنانچہ خلیفۂ دوم نے دس برس اور چند ماہ حکومت کی۔ ان پر حملہ ہوا اور جب اُنھیں یقین ہو گیا کہ اب وہ مزید زندہ نہیں رہ سکتے تو اُنھوں نے خلافت کے لیے شوریٰ قائم کی۔ یہ شوریٰ چھے افراد پر مشتمل تھی اور اُنھوں نے یہ حکم دیا تھا کہ اُنھی چھے افراد میں سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے۔ اس واقعہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

جب خلیفۂ ثانی نے یہ دیکھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو اُنھوں نے خلیفہ کی تعیین کے لیے لوگوں سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے کہا: آپ اپنے فرزند عبداللہ بن عمر کو خلافت کے لیے نامزد کریں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: خدا کی پناہ، خطاب کی اولاد میں سے دو افراد حاکم نہیں بنیں گے۔ عمر نے جو بوجھ اُٹھایا ہے بس وہی کافی ہے۔ میں زندگی اور موت میں اس کا بوجھ نہیں اُٹھانا چاہتا۔

پھر اُنھوں نے کہا: جب رسولِ خدا کی وفات ہوئی تھی تو آپؐ قریش کے ان چھے افراد میں سے راضی تھے لہٰذا ان افراد کو ہی خلافت کے لیے نامزد کرتا ہوں اور وہ افراد یہ ہیں:

(۱) علیؑ (۲) عثمانؓ (۳) طلحہ (۴) زبیر (۵) سعد بن ابی وقاص (۶) عبدالرحمٰن بن عوف۔

میں چھ رکنی شوریٰ بناتا ہوں یہ لوگ اپنے میں سے ایک شخص کا انتخاب کریں گے۔
پھر حضرت عمرؓ نے مذکورہ چھ افراد میں سے کہا: کیا تم میں سے ہر شخص خلافت کا متمنی ہے؟ یہ سن کر سب خاموش رہے۔

حضرت عمرؓ نے یہی سوال دوبارہ کیا تو اس کے جواب میں ان سب نے کہا: ہمارے اندر کیا خرابی ہے؟ آپ بھی تو حاکم رہے ہیں۔ ہم قریش میں آپ سے کم تر درجہ کے حامل تو نہیں ہیں۔ ہم نہ تو سبقتِ اسلام میں آپ سے کم ہیں اور نہ ہی قرابتِ رسولؐ میں آپ سے کم ہیں۔
حضرت عمرؓ نے کہا: کیا میں تمھیں تمھاری اصلیت نہ بتاؤں؟
سب نے کہا: جی ہاں، اگر ہم نے یہ کہا کہ آپ کچھ نہ کہیں پھر بھی آپ ضرور بات کریں گے، لہٰذا آپ نے جو کہنا ہے وہ کہہ دیں۔

حضرت عمرؓ نے زبیر کی طرف دیکھا اور اس کے نقائص بیان کیے۔ پھر طلحہ کی طرف دیکھا اور اسے اس کا سیاہ ماضی یاد دلایا۔ پھر اُنھوں نے سعد بن ابی وقاص کی طرف رُخ کیا اور اسے اس کے نقائص یاد دلائے۔ پھر وہ عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ تو محض ایک عاجز انسان ہے تو اپنی قوم سے محبت رکھتا ہے!
اس کے بعد خلیفہ ثانی حضرت علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا:
یا علیؑ! اگر تمام اہلِ ارض کے ایمان کے ساتھ آپؑ کے ایمان کا موازنہ کیا جائے تو آپؑ کا پلڑا جھکا ہوا ہوگا۔

حضرت علیؑ نے اپنے متعلق ان کا یہ تبصرہ سنا تو آپؑ اُٹھ کر باہر آ گئے۔
حضرت علیؑ کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے حاضرین سے کہا: میں ایک ایسے شخص کو پہچانتا ہوں کہ اگر اُسے حکومت دے دی جائے تو وہ تم سب کو سیدھے راستے پر چلا سکتا ہے۔
حاضرین نے کہا: وہ شخص کون ہے؟
حضرت عمرؓ نے کہا: وہ شخص وہی ہے جو ابھی اُٹھ کر باہر گیا ہے۔
حاضرین نے کہا: پھر آپ کو کون سی بات مانع ہے؟
حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: پھر خلیفہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: خدا کی قسم! تو خلافت کی مکمل اہلیت رکھتا ہے۔ کاش کہ تجھ میں مزاح کی عادت نہ ہوتی۔ خدا کی قسم! اگر آپ حاکم بن گئے تو آپ لوگوں کو سیدھی اور واضح شاہراہ پر چلائیں گے۔

پھر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا: عثمانؓ! تیری بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔ تجھ سے تو جانور کی "لید" بھی بہتر ہے۔

حضرات! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ وہ چھے افراد تھے جن سے رسولؐ خدا راضی تھے۔ ہم نے اس موضوع پر نہج البلاغہ کی پہلی جلد میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا: ابوطلحہ انصاری کو بلایا جائے۔ ابوطلحہ حاضر ہوئے اور خلیفہ نے اس سے کہا: ابوطلحہ! جب تم میری تدفین سے فارغ ہو جاؤ تو انصار کے پچاس مسلح افراد کو ساتھ لے لینا اور ان چھے افراد کو ایک گھر میں جمع کرنا اور ان کے باہر پہرہ دینا۔ دیکھو اگر پانچ کی رائے اور ہو اور ایک کی رائے اور ہو تو پھر اختلاف کرنے والے فرد کو قتل کر دینا۔ اور اگر چار ایک طرف ہوں اور دو ایک طرف ہوں تو پھر دو افراد کو قتل کر دینا۔ اور اگر تین افراد ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف ہوں تو جن میں عبدالرحمٰن بن عوف شامل ہو اُنھیں کچھ نہ کہنا اور جن میں عبدالرحمٰن شامل نہ ہو تو ان پر زور دینا کہ وہ عبدالرحمٰن کے فیصلہ کو تسلیم کریں اور اگر وہ پھر بھی بضد رہیں تو ان تین افراد کو قتل کر دینا۔

اور اگر تین دن گزر جائیں اور یہ کسی کا انتخاب نہ کر سکیں تو ان سب کو قتل کر دینا اور مسلمانوں سے کہنا کہ وہ اپنی مرضی سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔

جن چھے افراد پر رسولؐ خدا راضی تھے خلیفہ کی طرف سے ان کی یہ عزت افزائی ہوئی تھی۔ الغرض حضرت عمرؓ کی وفات ہوگئی۔ خلافت کے چھے اُمیدوار بی بی عائشہؓ کے حجرے میں جمع ہوئے اور باہر ابوطلحہ اپنے پچاس مسلح ساتھی لے کر کھڑے ہو گئے۔

جب خلافت کے اُمیدوار جمع ہوئے تو عمار یاسرؓ نے دروازے سے باہر کھڑے ہو کر یہ آواز دی: اگر تم نے علیؑ کا انتخاب کیا تو ہم ان کا حکم بھی مانیں گے اور اطاعت بھی کریں گے اور اگر تم نے عثمانؓ کا انتخاب کیا تو ہم حکم عدولی کریں گے۔

ولید بن عقبہ نے آواز دی: اگر تم نے عثمانؓ کا انتخاب کیا تو ہم حکم بھی سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے اور اگر تم نے علیؑ کا انتخاب کیا تو ہم نافرمانی کریں گے۔

عمار یاسرؓ نے اُسے ڈانٹ کر کہا: اے فاسق! تیرا مسلمانوں کے معاملات میں کیا عمل دخل ہے؟

اس پر دونوں لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ دوسرے لوگوں نے اُنھیں چھڑایا۔

مقدادؓ نے دروازے کے باہر آواز دی: مسلمانو! تم جس کسی کو بنانا چاہو تو تم آزاد ہو لیکن خدارا اُسے خلیفہ نہ بنانا جو بدر میں موجود نہ تھا، جو اُحد کی جنگ میں بھاگا تھا اور جو بیعت رضوان میں شریک نہ تھا اور جس دن دو گروہ لڑے تو وہ بھاگ گیا تھا۔

عثمانؓ نے یہ آواز سن کر کہا: خدا کی قسم! اگر مجھے حکومت مل گئی تو میں تجھے تیرے پرانے ٹھکانے (ربذہ) کی طرف جلاوطن کردوں گا۔

اب آگے کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔ طلحہ جانتا تھا کہ علیؑ و عثمانؓ کی موجودگی میں اُسے خلافت کا عہدہ نہیں ملے گا۔ اسی لیے اس نے اجلاس میں کہا کہ میں اپنا ووٹ عثمانؓ کے حق میں استعمال کرتا ہوں۔

زبیر حضرت علیؑ کی پھوپھی کا فرزند تھا۔ جب اُس نے طلحہ کا کردار دیکھا تو اُس نے کہا: میں اپنا ووٹ علیؑ کے حق میں استعمال کرتا ہوں۔ اب دونوں فریق مساوی پوزیشن پر آ گئے۔ ایک ووٹ عثمانؓ کے پاس تھا اور ایک ووٹ حضرت علیؑ کے پاس تھا۔

عبدالرحمٰن اور سعد باقی تھے۔ سعد نے اپنا ووٹ عبدالرحمٰن کے حق میں استعمال کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سعد جانتے تھے کہ خلافت کا عہدہ ان کے بس میں نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن نے عثمانؓ اور حضرت علیؑ سے کہا: تم میں سے ایک فرد دستبردار ہو جائے لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی دستبردار نہیں ہوا۔

عبدالرحمٰن نے کہا: اچھا گواہ رہنا کہ میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور تم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کروں گا۔

اس نے ابتدا حضرت علیؑ سے کی اور کہا کہ میں آپؑ کی بیعت کرتا ہوں، اس کے لیے

آپؓ کو تین شرائط پر عمل کرنا ہوگا:

① آپؓ اللہ کی کتاب پر عمل کریں گے۔

② آپؓ سنتِ رسولؐ پر عمل کریں گے۔

③ آپؓ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سیرت پر عمل کریں گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ اور اپنے ذاتی اجتہاد پر عمل کروں گا۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن نے حضرت عثمانؓ کی طرف رُخ کیا اور یہی تینوں شرائط اُن کے سامنے پیش کیں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے تینوں شرائط منظور ہیں۔

عبدالرحمٰن نے دوبارہ حضرت علیؑ کے سامنے اپنی شرائط دُہرائیں۔ حضرت علیؑ نے پہلے والا جواب دیا۔ الغرض اس نے تین مرتبہ اپنی شرائط دُہرائیں۔ ہر مرتبہ آپؑ نے سیرتِ شیخین کی نفی کی۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور کہا: السلام علیك یا امیر المومنین!

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تو نے اسی کی اس طرح سے بیعت کی ہے جیسا کہ خلیفۂ دوم نے سقیفہ میں خلیفۂ اوّل کی بیعت کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ آج میں اس کی بیعت کروں تا کہ وہ اپنے بعد مجھے خلافت کا منصب عطا کرے اور تیرا ارادہ بھی یہی ہے کہ ان کے بعد تجھے خلافت ملے۔

حضرت امیرالمومنین علیؑ کا شوریٰ میں احتجاج اور اپنے فضائل کا اظہار

جب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے دیکھا کہ ارکانِ شوریٰ حضرت عثمانؓ کی بیعت پر آمادہ ہیں تو آپؑ نے اتمامِ حجت کے لیے اُن کے سامنے اپنے حق کے لیے احتجاج کیا۔ چنانچہ آپؑ نے شوریٰ کے ارکان کو خطاب کیا اور فرمایا: تم میری باتیں سنو اگر حق پر مبنی ہوں تو قبول کرلو

اور اگر باطل پر مبنی ہوں تو انکار کر دو۔

میں تمھیں اُس خدا کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں جو کہ تمھاری سچائی اور کذب بیانی سے آگاہ ہے:

① مجھے بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسولؐ خدا کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

② کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر دو بیعتیں (بیعتِ فتح، بیعتِ رضوان) کی ہوں؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

③ تمہیں خدا کا واسطہ، مجھے بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کا ایسا بھائی بھی ہے جسے خدا نے پَر عطا کیے ہوں اور وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

④ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کا چچا سیدالشہداء ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی زوجہ کو رسولِ خدا سلام اللہ علیہا نے "سیدۃ نساء العالمین" کا لقب دیا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑥ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے بیٹوں کو خدا نے رسولؐ خدا کے بیٹے کہا ہو اور وہ جوانانِ جنت کے سردار ہوں؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑦ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو قرآن کے تمام ناسخ و منسوخ کا علم رکھتا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑧ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کی شان میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑨ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے جبرئیلؑ کو دحیہ کلبی کی شکل میں دیکھا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑩ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دی ہو اور خدا نے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ کی آیت نازل کی ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑪ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کی آنکھوں پر رسولؐ خدا نے لعابِ دہن لگایا ہو اور پھر اُسے اسلام کا پرچم دے کر یہودِ خیبر کے مقابلہ میں بھیجا ہو اور اُس نے خیبر فتح کیا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑫ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی ولایت کا اعلان رسولؐ خدا نے غدیرِ خم میں کیا ہو اور مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ......فرمایا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑬ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے اپنا بھائی قرار دیا ہو اور وہ ہمیشہ آنحضرتؐ کا رفیقِ سفر رہا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑭ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے جنگِ احزاب میں عمرو بن عبدود کو قتل کیا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑮ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑯ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے خدا نے قرآن کی دس آیات میں لفظ ''مومن'' کے لقب سے یاد کیا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑰ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے جنگِ اُحد میں میرے علاوہ استقامت دکھائی ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑱ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسولِ اکرمؐ کا قرض ادا کیا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑲ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے رسولِؐ خدا کو غسل و کفن دے کر اُنھیں لحد کے سپرد کیا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑳ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسولِؐ خدا کے ہتھیار، پرچم اور اُنگشتری ملی ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

㉑ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے دوشِ رسولؐ پر سوار ہو کر کعبہ کے بت توڑے ہوں؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

㉒ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے نام کی منادی آسمان سے آئی ہو اور ہاتف نے لَافَتٰی اِلَّا عَلِیّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار کی صدا دی ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

㉓ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے لیے پیغمبرؐ خدا نے یہ دُعا کی ہو کہ خدایا! اپنا محبوب ترین بندہ بھیج جو میرے ساتھ مل کر یہ بھنا ہوا پرندہ کھائے؟ کیا

میرے علاوہ کوئی بھی دُعا کا ثمر بن کر وہاں پہنچا تھا؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۴ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے آیتِ نجویٰ پر عمل کیا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۵ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسولِ خدا نے اپنا بھائی قرار دیا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۶ ایک بار رسولِ خدا بھوکے تھے تو کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے ایک سو ڈول پانی کے عوض ایک سو کھجوریں حاصل کر کے آنحضرتؐ کو کھلائی ہوں؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۷ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس پر جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور اسرافیلؑ نے تین ہزار ملائکہ کے ساتھ مل کر سلام کیا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۸ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے توحید پروردگار کا اقرار کیا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۹ کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو میدانِ مباہلہ میں اسلام کی صداقت کا گواہ بن کر گیا ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۰ کیا میرے اور میرے خاندان کے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جن کے ایثار کو دیکھ کر خدا نے سورۂ دہر نازل کی ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۱ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق خدا نے اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ...... کی آیت نازل فرمائی ہو؟
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۱ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے ساتھ رسولؐ خدا نے روزِ طائف سرگوشی کی ہو اور جب سرگوشی طویل ہوئی تو ابوبکرؓ و عمرؓ نے کہا تھا کہ یارسولؐ اللہ! آپؐ نے ہمیں چھوڑ کر علیؑ سے سرگوشی کی ہے؟ رسولؐ خدا نے جواب میں فرمایا: میں نے علیؑ سے سرگوشی نہیں کی بلکہ خدا نے اس سے سرگوشی کی ہے۔

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۲ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسولؐ نے ایک ہزار کلمات تعلیم دیے ہوں پھر ایک کلمہ ایک ہزار کلمات کی کلید بنا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۳ خدا کا واسطہ! بتاؤ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے لیے رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہو:

اَنْتَ اَقْرَبُ الْخَلْقِ مِنِّی یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَدْخُلُ بِشَفَاعَتِكَ الْجَنَّةَ اَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ رَبِیْعَةَ وَمُضَرَ

"روزِ قیامت تمام مخلوقات کی بہ نسبت تو مجھ سے زیادہ قریب ہوگا۔ تیری شفاعت کی وجہ سے قبیلۂ ربیعہ و قبیلہ مضر کے افراد سے بھی زیادہ افراد جنت میں داخل ہوں گے؟"

حاضرین نے کہا: یہ شرف صرف آپؑ کے لیے ہے۔

۳۴ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے لیے رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہو:

یَا عَلِیُّ! اَنْتَ تُكْسٰی حِیْنَ اُكْسٰی "اے علیؑ! جب مجھے جنت کا لباس پہنایا جائے گا تو اُس وقت تجھے بھی لباسِ جنت پہنایا جائے گا؟"

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۵ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو:

یَا عَلِیُّ! اَنْتَ وَشِیْعَتُكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟

"اے علیؑ! قیامت کے دن تو اور تیرے شیعہ کامیاب ہوں گے"۔

الغرض جب ارکانِ شوریٰ نے آپؑ کے تمام فضائل کا انکار نہ کرسکے تو پھر آپؑ نے اُن سے فرمایا: "جب تمھیں میری باتوں کی صداقت کا یقین ہے تو پھر خدا سے ڈرو اور

اس کی نافرمانی نہ کرو اور حق دار کو اُس کا حق دو"۔

حاضرین نے ایک دوسرے کو اشارے کیے اور کہا: علیؑ سچے ہیں اور یہ دوسروں کی نسبت خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، لیکن اگر حکومت اُن کے سپرد کردی جائے تو یہ مساوات قائم کریں گے اور ہمارے تمام تر امتیازات کو ختم کردیں گے۔ لہٰذا اُنھوں نے اپنے رشتہ داروں کو عالمِ اسلام کے کلیدی عہدوں پر سرفراز کیا تھا جہاں اُنھوں نے خوب گل چھرے اُڑائے اور بیت المال کو لوٹا اور نشہ کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھائی اور محرابِ مسجد میں قے کی تو اس سے ساری شراب مسجد میں پھیل گئی۔

آپ بڑے سخی تھے اور انتہائی دریا دل تھے لیکن آپ کی یہ سخاوت اور دریا دلی صرف بنی اُمیہ کے لیے مخصوص تھی۔ آپ نے مسلمانوں کے بیت المال سے ۴،۳۱۰،۰۰۰ دینار اور پھر ۱۲۶،۷۷۰،۰۰۰ دینار کی رقم فرزند زرقا مروان بن الحکم اور اپنے دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم کی تھی۔

ان کے انھی اعمال کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوئی اور آپ پر تنقید کرنے والوں میں بی بی عائشہؓ، طلحہ اور زبیر پیش پیش تھے۔

حضرت عائشہؓ عوام کو خلیفہ کے خلاف بھڑکاتی تھیں۔ اُنھوں نے کئی بار رسولؐ خدا کا قمیص نکال کر لوگوں کو دکھایا اور کہا: مسلمانو! ابھی تمھارے نبیؐ کا پیراہن بوسیدہ نہیں ہوا لیکن عثمانؓ نے ان کی سنت کو بوسیدہ کردیا ہے۔

بنی اُمیہ کے ہاتھوں سے ستائے ہوئے مسلمان کوفہ، بصرہ اور مصر سے نکلے اور وہ گفتگو کے لیے مدینہ آئے، جہاں مروان نے اُن کا سامنا کیا اور اُنھیں دھمکیاں دیں۔ مقابلہ میں اُنھوں نے بھی گالیاں دیں۔

جب قصرِ خلافت کی طرف سے اُن کی اشک شوئی نہ ہوئی تو اُنھوں نے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ انھی دنوں حضرت بی بی عائشہؓ حج کے لیے روانہ ہوئیں اور لوگوں سے کہا: تم نعثل کو قتل کرو، خدا اُسے مارے یہ کافر ہو چکا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ اور انقلابیوں میں کئی بار مصالحت کی کوششیں کرائیں لیکن

ہر مثبت تجویز کو مروان سبوتاژ کرتا رہا۔ پھر اہل مصر سے سب سے بڑی زیادتی یہ ہوئی کہ اُن سے کہا گیا کہ تمھارے مطالبات خلیفہ نے مان لیے ہیں اور تمھاری مرضی کے گورنر کے نام سرکاری حکم نامہ لکھ دیا گیا ہے، لہٰذا تم لوگ اطمینان وسکون سے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔

اہل مصر مدینہ سے روانہ ہوئے، راستے میں اُنھیں ایک مشکوک شخص دکھائی دیا جس کا رُخ مصر کی طرف تھا۔ ان لوگوں نے اُسے پکڑ لیا۔ وہ خلیفہ کا غلام تھا اور اس کے پاس خلیفہ کا ایک خط تھا جس پر خلیفہ کی مہر خلافت بھی لگی ہوئی تھی۔ اسی خط میں خلیفہ نے اپنے قریبی عزیز گورنر مصر کو لکھا تھا کہ بلوائی لوگ آرہے ہیں۔ ان کے جتنے سرغنے دکھائی دیں ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دو، تا کہ اس کے بعد کسی کو احتجاج کرنے کی جرأت نہ ہو۔

جب انقلابی افراد نے یہ رنگ دیکھا تو اُن کے غصہ کی انتہا نہ رہی اور وہ راستے سے ہی واپس مدینہ آگئے اور اُنھوں نے خلیفہ کے محل کا محاصرہ شروع کیا اور لوگوں کے آنے جانے پر پابندی عائد کردی۔ خلیفہ کوٹھے کی چھت پر چڑھے اور آواز دے کر کہا کہ کوئی علیؑ تک میرا یہ پیغام پہنچائے کہ وہ ہمارے پاس پانی بھیجیں۔

یہ اطلاع حضرت علیؑ تک پہنچی تو آپؑ نے اپنے دونوں فرزندوں حسنؑ وحسین علیہما السلام اور اپنے غلام قنبرؓ کو پانی کی مشکیں دے کر روانہ کیا۔ پہلے تو انقلابیوں نے اُن حضرات کو روکا، لیکن بعدازاں رسولؐ خدا سے اُن کی رشتہ داری کو دیکھ کر اُنھیں اندر جانے کی اجازت دی۔

حضرت امیر علیہ السلام نے حسنین کریمینؑ کو حکم دیا کہ وہ خلیفہ کے صدر دروازے پر کھڑے ہو جائیں اور کسی بھی مخالف کو اندر نہ گھسنے دیں۔

آخر میں محاصرہ کاروں کو اور راستہ مل گیا۔ وہ قصر خلافت کے قریبی گھر پر چڑھ گئے اور وہاں سے قصر خلافت میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں کی قیادت حضرت ابوبکرؓ کے فرزند محمدؓ کر رہے تھے۔

الغرض ان لوگوں نے خلیفہ کو ان کے گھر میں قتل کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اس سارے عرصہ میں حضرت علی علیہ السلام نے صلح کار کا کردار ادا کیا تھا اور آپؑ نے خلیفہ کو اُن کی ناپسندیدہ حرکات سے بھی باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

آخر میں حضرت علی علیہ السلام کی سفارت کاری کام آئی اور آپؑ نے خلیفہ اور انقلابیوں میں مصالحت بھی کرادی تھی اور تمام فریق مطمئن ہو کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تھے، لیکن جب حضرت عثمانؓ کا خفیہ خط پکڑا گیا تو اُس سے مصالحت کی فضا درہم برہم ہوگئی اور مخالف افراد واپس مدینہ آگئے۔

حضرت عثمان نے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپؑ اِن لوگوں سے ملیں اور ان سے پوچھیں کہ ہم نے تو ان کے مطالبات بھی مان لیے تھے اُنھیں واپس آنے کی کیا پڑی تھی؟

حضرت علی علیہ السلام نے مخالفین سے گفت وشنید کی تو اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کا خط اور اُن کا غلام اور بیت المال کا اُونٹ پیش کیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے یہی بات خلیفہ سے کہی تو خلیفہ نے کہا کہ یہ بالکل سچ ہے کہ اس پر میری مہر ثبت ہے اور یہ غلام بھی میرا ہی ہے اور رسم الخط میرے کاتب کا ہے، لیکن میں نے یہ خط نہیں لکھوایا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تو پھر تمھاری نظر میں اس کا مجرم کون ہے؟

خلیفہ نے کہا: میری نظر میں آپ اور میرا کاتب ہی مجرم ہیں!!

حضرت علیؑ ناراض ہو کر اُٹھے اور فرمایا: یہ سب کچھ تُو نے ہی کیا ہے۔ حضرت علیؑ تمام معاملات سے الگ تھلگ ہوگئے، البتہ جب خلیفہ نے پانی طلب کیا تو آپؑ نے جوانانِ جنت کے سرداروں کے ہاتھوں پانی بھجوایا اور دونوں شاہزادوں نے خلیفہ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش بھی کی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام کے اس شفاف کردار کے باوجود دشمنانِ علیؑ نے قتلِ عثمانؓ کا الزام حضرت علیؑ پر عائد کیا تھا اور آپؑ سے انتقام کا مطالبہ کیا تھا۔ پھر وہ اُدھم مچا کہ خدا کی پناہ۔ جزیرۃ العرب بالخصوص عراق وشام میں خون کے دریا بہائے گئے اور مورخین کے بقول اس خانہ جنگی میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار انسان قتل ہوئے۔

ان واقعات کا جائزہ اگلی رات کے خطاب میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

حق بہ حقدار رسید اور جنگ جمل

ہماری کل کی گفتگو خلیفہء ثالث کی وفات پر تمام ہوئی تھی۔ ان کی مدتِ خلافت گیارہ برس گیارہ مہینے اور اٹھارہ دن تھی۔ خلیفہ کے قتل کے بعد مسلمان مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور امرِ خلافت کے متعلق باہمی مشاورت کرنے لگے۔ وہاں پر موجود عمار یاسرؓ، ابوایوب انصاریؓ اور ابوالہیثم بن تیہان جیسے اکابر نے کہا کہ ہمیں حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنی چاہیے۔ اُنھوں نے آپؑ کے فضائل و مناقب بیان کیے۔ وہاں پر موجود تمام افراد نے اُن کی تجویز سے اتفاق کیا۔

اس کے بعد ان اکابرین نے مسجد میں خطبات دیے۔ کسی نے کہا کہ علیؑ اس وقت کے تمام مسلمانوں سے افضل ہیں تو کسی نے کہا کہ علیؑ جملہ فرزندانِ اسلام سے افضل ہیں۔ چنانچہ لوگ بڑی تعداد میں جمع ہو کر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپؑ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا:

دَعُوْنِیْ وَالْتَمِسُوْا غَیْرِیْ فَاِنَّا مُسْتَقْبِلُوْنَ اَمْرًا لَهٗ وُجُوْهٌ وَلَهٗ اَلْوَانٌ لَا تَقُوْمُ لَهُ الْقُلُوْبُ

"مجھے چھوڑ دو میرے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو۔ ہمارے سامنے ایسا معاملہ درپیش ہے جو کہ انتہائی پُرپیچ ہے۔ لوگوں کے دل اس میں قائم نہیں رہیں گے"۔

حاضرین نے آپؑ سے کہا کہ خدارا آپؑ عالمِ اسلام پر رحم کھائیے۔ کیا آپؑ حالاتِ حاضرہ کو نہیں دیکھ رہے؟ کیا ہمارے حالات آپ سے پوشیدہ ہیں؟ کیا آپ فتنہ و آزمائش کو

ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں؟ کیا آپؓ کو خوفِ خدا نہیں ہے؟

شعبی بیان کرتے ہیں کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کے لیے اُن کے پاس آئے اور اُنھوں نے آپؑ کے ہاتھ کو پھیلایا تو آپؑ نے ہاتھ سمیٹ لیا اور آخرکار بڑی مشکل سے حضرتؑ اپنی بیعت پر راضی ہوئے۔ آپؑ نے تمام بیعت کرنے والوں سے فرمایا:

مجھے تمھاری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم جسے منتخب کرو میں اس پر راضی ہوں۔

لوگوں نے کہا: آپؑ کے علاوہ ہم کسی اور کو منتخب نہیں کرتے اور ہم بیعت کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

آپؑ نے فرمایا: اگر تمھیں اتنا ہی اصرار ہے تو میری بیعت کسی خفیہ مقام پر نہیں ہوگی۔ میری بیعت مسجد نبویؐ میں ہوگی۔ پھر آپؑ اپنے گھر سے برآمد ہوئے۔ آپؑ نے خز کی قمیص اور عمامہ پہنا ہوا تھا۔ نعلین ہاتھ میں تھی اور کمان کا سہارا لیا ہوا تھا۔ لوگ آئے اور آپؑ کی سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی تھی۔ اس کے بعد زبیر نے بیعت کی۔ ان کے بعد تمام مہاجرین و انصار اور دیگر مسلمانوں نے بیعت کی۔

جب طلحہ و زبیر بیعت کے لیے آگے بڑھے تو آپؑ نے فرمایا: تم دونوں چاہو تو میری بیعت کر لو اور اگر تم مجھ سے اپنے لیے بیعت لینا چاہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپؑ کی بیعت کریں گے۔

لوگ سعد بن ابی وقاص کو لائے اور اُن سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ سعد نے کہا کہ جب تک اور لوگ بیعت نہ کر لیں تب تک میں بیعت نہیں کروں گا۔ البتہ میں آپؑ کی مخالفت نہیں کروں گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تم پر کوئی جبر نہیں کرتا۔ پھر آپؑ سے فرمایا کہ اسے جانے دیا جائے۔

لوگ عبداللہ بن عمر کو بیعت کے لیے لائے تو اس نے کہا: جب تک تمام مسلمان بیعت نہ کریں تب تک میں بھی بیعت نہیں کروں گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: کوئی ضامن پیش کرو۔

عبداللہ نے کہا: مجھے اس وقت کوئی ضامن نہیں دکھائی دیتا۔

اشتر نے کہا: میں اسے قتل کر دیتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسے چھوڑ دو میں خود اس کا ضامن ہوں۔

الغرض آپؑ کی بیعت کے لیے لوگوں کا اتنا بڑا اژدحام تھا کہ لوگوں کو کچلے جانے کا خوف تھا۔ آپؑ کی بیعت جمعہ کے دن اٹھارہ ماہ ذی الحج ۳۵ ہجری کو مکمل ہوئی۔ جیسے ہی بیعت مکمل ہوئی تو آپؑ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ آپؑ نے برسر اقتدار آ کر پہلا کام یہ کیا کہ آپؑ نے معاشی طبقاتی نظام کو ختم کر کے عدل و مساوات کو قائم کیا۔ آپؑ نے اپنی بیعت کے دوسرے دن بیت المال کے تقسیم کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؑ منبر پر تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''لوگو! جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ پھر ابوبکرؓ نے عمرؓ کو اپنا خلیفہ بنایا اور عمرؓ نے اپنے طریقہ پر عمل کیا، پھر اس نے شوریٰ بنائی جس کے نتیجے میں حکومت عثمان کو منتقل ہوئی۔ اس نے کچھ اچھے کام کیے اور کچھ غلط کام کیے۔ نتیجے میں ان کا محاصرہ ہوا اور اُنھیں قتل کیا گیا۔ اس کے بعد تم لوگ میرے پاس آئے جب کہ مجھے اس عہدہ کی کوئی تمنا ہی نہیں تھی۔ میں بھی قانون سے بلند نہیں ہوں اور تم بھی قانون سے بلند نہیں ہو......''۔

پھر آپؑ نے دائیں بائیں دیکھا اور فرمایا:

''میرے متعلق کسی بھی شخص کو یہ موقع نہیں ملے گا کہ وہ یہ کہے کہ اُنھوں نے جائیدادیں بنائیں اور ان میں نہریں بنائیں اور قیمتی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے خلوت کدہ کو حسین وجمیل کنیزوں سے سجایا۔ میں تمہارے بیت المال کا مالک نہیں ہوں بلکہ امین ہوں اور میں کسی کو بھی اس کے حقوق سے محروم نہیں رکھوں گا۔

جو بھی شخص خدا و رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے اور ہماری ملت کی تصدیق کرتا

ہے اور ہمارے دین میں داخل ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ اسلام کے عطا کردہ تمام حقوق میں برابر کا حصّہ دار ہے۔ تم خدا کے بندے ہو اور یہ مال اللہ کا ہے۔ اس مال کو برابر اور مساوات کے اُصول کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔ اس میں کسی کو کسی دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں دی جائے گی جب کہ اہلِ تقویٰ کو خدا اپنی نوازشات سے قیامت کے دن نوازے گا۔

لوگو! کل آنا۔ ہم یہ مال تقسیم کریں گے۔ کوئی بھی شخص خواہ عربی ہے یا عجمی، وہ تقسیم کے وقت پیچھے نہ رہے۔ کل کے اجتماع میں ہر آزاد مسلمان کو حاضر ہونا چاہیے۔ میں اپنے لیے اور تم سب کے لیے خدا کے حضور مغفرت کا طلب گار ہوں"۔

عمار یاسرؓ اور ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب آپؑ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپؑ نے ہم سے کہا کہ اُٹھو اور صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ کہو: کیا تم میں سے کسی کو مساویانہ تقسیم پر اعتراض ہے؟

تمام حاضرین نے بلند آواز سے کہا: ہم سب راضی ہیں۔

اس کے بعد آپؑ نے عمار یاسرؓ سے فرمایا: عمارؓ! اُٹھو اور ہر شخص کو تین دینار اور مجھے بھی تین دینار دو۔

اس حکم کے بعد عمارؓ، ابوالہیثمؓ اور مسلمانوں کی ایک جماعت بیت المال کی رقم تقسیم کرنے لگی اور آپ مسجد قبا میں تشریف لائے، جہاں آپؑ نے نماز پڑھی۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ خزانے میں تین لاکھ دینار تھے اور حاضرین کی تعداد ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھی اور یوں ہر شخص کے حصّہ میں تین تین دینار آئے۔

جب تقسیم مکمل ہوگئی تو عمارؓ نے کہا: لوگو! علیؑ کی رقم کی تعداد کا علم نہیں تھا اور یہ علم بھی نہ تھا کہ لوگوں کی تعداد کیا ہے، مگر اس کے باوجود انھوں نے تین تین دینار کا حکم دیا، جسے خدا نے پورا کر دیا۔ یہ خدا کی طرف سے امامتِ علیؑ کی صداقت کی نشانی ہے اور اس نشانی کا تقاضا

یہ ہے کہ تم ان کی اطاعت کو خدائی فریضہ سمجھ کر قبول کرو۔

آپؑ کی اس مساویانہ تقسیم پر غریب مسلمان بے حد خوش ہوئے، لیکن مراعات یافتہ اشرافیہ طبقہ اس تقسیم پر ناراض ہوا۔ چنانچہ سہل بن حنیف آئے اور اُنھوں نے کہا:

امیرالمومنینؑ! یہ شخص کل تک میرا غلام تھا۔ میں نے اُسے آج آزاد کیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اسے بھی بیت المال سے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا تجھے ملے گا۔ آپؑ نے حکم دیا تھا کہ مال تقسیم کرنے کی ابتدا مہاجرین سے کی جائے گی، پھر انصار کو وظائف دیئے جائیں۔ اس کے بعد عامۃ المسلمین کو وظیفہ دیا جائے۔

اس تقسیم میں طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عمر، سعید بن العاص، مروان اور قریش کے کچھ افراد شامل نہیں ہوئے تھے۔

اس مساویانہ تقسیم کی وجہ سے اشرافیہ طبقہ آپؑ کے خلاف بھڑک اُٹھا اور اس گروہ نے آپؑ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور یہی سے فتنہ کا آغاز ہوا۔ یہ لوگ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے اور امام علی علیہ السلام کے پاس نہ بیٹھے۔ پھر ولید بن عقبہ امام علی علیہ السلام کے سامنے آیا اور اس نے آپؑ سے کہا: ابوالحسنؑ! تو ہمارا قدیمی دشمن ہے۔ تُو نے جنگِ بدر میں میرے باپ کو قتل کیا تھا اور میرے بھائی (عثمان) کو تُو نے بے یارومددگار چھوڑا ہے۔ سعید کا باپ قریش کا پہلوان تھا اُسے تُو نے جنگِ بدر میں قتل کیا تھا اور جب عثمان نے مروان اور اس کے باپ کی سرپرستی کی تو تُو نے مروان اور اس کے باپ کی بے عزتی کی۔ ہم بھی آپؑ کی طرح سے عبدمناف کی نسل ہیں۔ ہم آج اس شرط پر تیری بیعت کریں گے کہ ہم نے آج تک جو دولت جمع کی ہے تو ہم سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا اور عثمانؓ کے قاتلوں کو قتل کرے گا اور اگر ہمیں تجھ سے خوف محسوس ہوا تو ہم شام چلے جائیں گے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی ذاتی مخاصمت نہیں ہے، لیکن تم نے ہمیشہ حق کی مخالفت کی ہے اور حق کو اپنا مخالف بنایا ہے۔ میں وہ رقم تمھیں معاف نہیں کروں گا جو تم نے بیت المال سے چرائی ہوگی۔ قاتلینِ عثمانؓ کے مسئلہ پر توجہ دی جائے گی اور اگر تمھیں مجھ سے کوئی خوف ہے تو پھر بے خوف ہو جاؤ۔ میں ناحق کسی پر ظلم نہیں کروں گا۔ البتہ

اگر مجھے محسوس ہوا کہ تم حالات خراب کر رہے ہو تو پھر میں تمھیں یہاں سے نکال دوں گا۔

ولید یہ جواب سن کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور انھیں حضرت کا جواب سنایا جس سے اُن کے غم وغصہ میں مزید اضافہ ہوا۔ حضرت علیؑ وظائف کی تقسیم کا حکم دے کر مسجدِ قبا گئے، پھر وہاں سے بیلچہ اور کدال اُٹھا کر اپنے کنوئیں کی کھدائی کے لیے روانہ ہوئے۔

آپ کے حکم کے تحت عمارؓ اور عبداللہ بن رافعؓ نے وظائف تقسیم کیے۔ یہ دونوں حضرات وظائف لے کر زبیر، طلحہ اور عبداللہ بن عمر کے پاس گئے لیکن اُنھوں نے وظائف لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ وظائف تم دے رہے ہو یا تمہارے ساتھی کا یہی حکم ہے؟

اُنھوں نے کہا: یہ اُن کا حکم ہے۔ ہم تو ان کے فرمان کی تعمیل کر رہے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا ہم اُن سے ملنا چاہتے ہیں تم اُن سے جا کر ہمارے لیے اجازت طلب کرو۔

عمارؓ نے کہا: اجازت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ امیر المومنینؑ کنوئیں پر گئے ہوئے ہیں اور وہاں کام کاج کر رہے ہیں۔

حضرتؑ کے یہ سیاسی حریف سواریوں پر بیٹھے اور حضرتؑ کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت آپؑ دھوپ میں کام کر رہے تھے اور آپؑ کے پاس ایک مزدور بھی موجود تھا۔

ان لوگوں نے کہا: یہاں بہت دھوپ ہے۔ آپ ہمارے پاس سائے میں آجائیں۔

آپؑ اُن کے پاس درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔

اُنھوں نے آپؑ سے کہا: ہم نبی اکرمؐ کے قرابت دار ہیں اور ہمیں اسلام میں سبقت اور جہاد کا شرف حاصل ہے، لیکن آپؑ نے بیت المال میں ہمیں برابر کا حصّہ دیا ہے، جب کہ آپؑ سے پہلے عمرؓ اور عثمانؓ ہمیں دوسروں پر فضیلت دیتے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ ابوبکرؓ کی تقسیم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی کتاب قرآن کریم تمھارے سامنے موجود ہے، تمھیں اس میں جو اضافہ حق دکھائی دے وہ شوق سے حاصل کرو۔

ان دونوں نے کہا: ہماری سبقتِ اسلام کہاں جائے گی؟

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: کیا تم دونوں مجھ سے بھی سبقت رکھتے ہو؟
ان دونوں نے کہا: نبیؐ سے ہماری قرابت کہاں جائے گی؟
امیرالمومنینؑ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے بھی زیادہ آنحضرتؐ کے قرابت دار ہو؟
ان دونوں نے کہا: تو پھر ہمارا جہاد کہاں جائے گا؟
امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا جہاد کے لیے تمھاری خدمات مجھ سے زیادہ ہیں؟
پھر امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: سنو! بیت المال کی رقم سے میرے اس مزدور کو بھی تین دینار ملے ہیں اور مجھے بھی تین دینار ہی ملے ہیں۔

دوسرا دن ہوا طلحہ و زبیر آئے اور مسجد کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس دوران مروان بن الحکم، سعید بن العاص اور عبداللہ بن زبیر بھی مسجد میں آئے اور طلحہ و زبیر کے پاس بیٹھ گئے۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے بیت المال سے وظائف لینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ لوگ امیرالمومنینؑ پر اعتراض کرنے لگے۔ عمار بن یاسرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آؤ سامنے کچھ افراد بیٹھے ہیں ان سے چل کر مذاکرات کریں۔

چنانچہ حضرت عمارؓ اور اُن کے ساتھی ناراض افراد کے پاس آئے۔ ابوالہیثم نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا: آپ لوگوں کو اسلام میں سبقت کا شرف حاصل ہے اور آپ لوگ امیرالمومنینؑ کے قرابت دار ہیں اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ امیرالمومنینؑ کے خلاف اعتراض کر رہے ہیں۔ اگر تمہیں ان سے ذاتی پرخاش ہے تو تم جانو اور امیرالمومنینؑ جانیں۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ امیرالمومنینؑ نے کوئی غلطی کی ہے تو آپ ہمیں ان کی غلطی سے آگاہ کریں۔ اگر آپ کی بات معقول ہوئی تو ہم لوگ بھی آپ کی مدد کریں گے، لیکن تم دونوں یہ بات یاد رکھنا کہ بنی اُمیہ تمھارے مخلص نہیں ہو سکتے۔ وہ تمہیں عثمانؓ کا قاتل سمجھتے ہیں۔

زبیر خاموش رہے اور طلحہ نے بلند آواز سے کہا: آپ لوگ صرف تقریریں کرنے آئے ہیں۔ عمارؓ نے مداخلت کی اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں ابن زبیر نے تند و تلخ باتیں کیں۔ عمارؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اسے مسجد سے نکال دو۔

زبیر کو اس سے تکلیف محسوس ہوئی تھی، وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ مسجد سے نکل گیا۔

عمارؓ نے کہا کہ اگر تمام لوگ علیؑ بن ابی طالبؑ کو چھوڑ جائیں تو بھی میں ان کا وفادار رہوں گا اور ہمیشہ ان کا مددگار رہوں گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ روزِ اوّل سے ہی حق کے محافظ رہے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اُمت میں کوئی بھی علیؑ سے افضل نہیں ہے۔

عمارؓ اور اُن کے ساتھی امیرالمومنینؑ کے پاس گئے اور عرض کیا: یہ لوگ آپؑ کی مخالفت کا کھل کر اظہار کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو آپؑ کے عدل و مساوات کے خلاف ہیں۔

امیرالمومنینؑ مسجد میں آئے اور منبر پر تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:

اے گروہِ مہاجرین و انصار! کیا تم لوگ اپنے اسلام کا خدا اور اُس کے رسولؐ پر احسان جتلاتے ہو؟ جب کہ خدا تم پر اپنا احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی ہے۔ سنو! میں ابوالحسنؑ ہوں۔

(آپؑ یہ جملہ اس وقت کہتے تھے جب آپؑ غصہ میں ہوتے تھے)۔

آج تم جس دنیا پر مر رہے ہو اور جس کی تم رغبت کر رہے ہو وہ تمہارا گھر نہیں ہے اور تمھیں اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ جہاں تک بیت المال کی رقم کا تعلق ہے تو اس کی تقسیم کا طریق کار خدا نے خود مقرر کیا ہے۔

لوگو! یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بھی ہمارے سامنے ہے جسے ہماری تقسیم پسند نہیں ہے وہ کسی اور کو اپنا حاکم بنا لے جو عامل اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ کسی سے بھی نہیں گھبراتا۔

پھر آپؑ منبر سے نیچے اُترے اور عمارؓ کو بھیج کر طلحہ و زبیر کو اپنے پاس آنے کو کہا۔ دونوں آئے اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

امام علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا: میں تمھیں خدا کا واسطہ دے کر تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا تم دونوں میرے پاس بیعت کے لیے نہیں آئے تھے اور اس کام پر تمھیں کسی نے مجبور نہیں کیا تھا؟ اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم دونوں نے کسی مجبوری کے بغیر میری بیعت کی تھی؟

دونوں نے کہا: جی ہاں، یہ درست ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اب تم دونوں یہ کیا حرکات کر رہے ہو؟

اُنھوں نے کہا کہ ہم نے آپؑ کی بیعت اس لیے کی تھی کہ آپؑ تمام معاملات میں ہم سے مشاورت کریں گے۔ آپؑ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم دوسرے لوگوں سے افضل ہیں، لیکن آپؑ نے اپنی مرضی سے بیت المال کی رقم تقسیم کی ہے اور ہماری مشاورت کے بغیر آپؑ نے یہ تمام فیصلے کیے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے چھوٹی سی بات پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ تم خدا سے مغفرت طلب کرو۔ وہ تمھیں معاف کر دے گا۔ مجھے بتاؤ کہ میں نے تمھارے کون سے حق کو غصب کیا ہے؟

دونوں نے کہا: معاذ اللہ ایسا معاملہ نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں نے بیت المال سے زیادہ حصّہ لیا ہے؟

دونوں نے کہا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا اسلام میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی مجھے خبر نہ ہو اور میں نے اپنی طرف سے فیصلہ کیا ہو اور تم سے مشاورت نہ کی ہو؟

دونوں نے کہا: ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر مجھے وہ وجہ بتاؤ جس کی وجہ سے تم نے میری مخالفت کی ہے؟

دونوں نے کہا: آپؑ نے بیت المال کی تقسیم میں عمر بن الخطابؓ کے رویے کی مخالفت کی ہے۔ آپؑ نے ہمیں اتنا ہی حصّہ دیا جتنا کہ آپؑ نے ہر ایرے غیرے کو دیا۔ ہم نے اپنے نیزوں اور تلواروں سے علاقے فتح کیے اور ہماری تلواروں کو دیکھ کر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے آج ان کا حصّہ بھی ہمارے برابر ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے جس مشاورت کی بات کی ہے تو تم یہ بات جانتے ہو کہ مجھے حکومت کی کوئی رغبت نہیں تھی۔ تم نے مجھے اس کی دعوت دی۔ میں نے اُمت کو فتنہ سے بچانے کے لیے حکومت کا بوجھ اُٹھایا۔

اب جب کہ حکومت میرے ہاتھ میں آگئی ہے تو میں نے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا اور کتاب وسنت نے مجھے جو راستہ دکھایا ہے میں نے اس راستے پر عمل کیا ہے۔ اس کے لیے مجھے تمھاری اور کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہاں، البتہ اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش آتا جس کی وضاحت کتاب وسنت میں نہ ہوتی اور مشاورت کی احتیاج ہوتی تو میں تم سے ضرور مشاورت کرتا۔

جہاں تک رقم کی تقسیم کا معاملہ ہے تو یہ مساوات کا رویہ میرا اختراع کردہ نہیں ہے، یہ طریقہ تو رسولِ اکرمؐ کا ہے اور یہی فیصلہ کتاب اللہ کا ہے، اور قرآن وہ عظیم کتاب ہے کہ اس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا اور نہ ہی اس کے پیچھے سے اس پر حملہ کرسکتا ہے۔

تم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تم سابق الاسلام ہو اور میں نے بیت المال کی تقسیم میں تمھیں اور نومسلم افراد کو برابر کا حصّہ دیا ہے۔ اس کے لیے تمھیں سنتِ رسولؐ پر نظر کرنی چاہیے۔ رسولؐ خدا سابق الاسلام اور نومسلم افراد کو برابری کی سطح پر عطیات دیا کرتے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ سابقین کو آخرت میں بہت زیادہ جزائے خیر دے گا، جب کہ دنیاوی وظائف میں سارے مسلمان یکساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو حق پر ثابت رکھے اور ہمیں صبر واستقامت عطا فرمائے۔ خدا اس شخص پر رحم کرے جو حق دیکھ کر اس کی مدد کرے اور ظلم دیکھ کر اُس کی مخالفت کرے اور مخالفینِ حق سے ساز باز نہ کرے۔

طلحہ وزبیر آپؑ کی کھری کھری باتیں سن کر ناراض ہوئے اور وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر دو دنوں کے بعد آئے اور اُنھوں نے آپؑ سے کہا:

آپؑ جانتے ہیں کہ گردشِ روزگار کی وجہ سے ہمارے اقتصادی حالات خراب ہوچکے ہیں۔ ہم آپؑ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپؑ ہماری مدد کریں تاکہ ہم اپنے حالات درست کرسکیں اور اپنے قرض کو چکا سکیں۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ "ینبع" کے مقام پر میری کچھ جائیداد واقع ہے۔ اگر آپ ضرورت مند ہیں تو میں اس جائیداد کا کچھ حصّہ تمھارے نام کرنے پر آمادہ ہوں۔

اُنھوں نے کہا: ہمیں آپؑ کی جائیداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اب بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟

اُنھوں نے کہا: آپ بیت المال سے ہمیں اتنی دولت دے دیں جس سے ہماری حالت بہتر ہو سکے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: بیت المال میں میرا کیا عمل دخل ہے۔ وہ تو تمام مسلمانوں کا مال ہے۔ میں تو مسلمانوں کا خازن اور امین ہوں۔ البتہ اگر تم اتنے ہی حاجت مند ہو تو پھر مجھے اجازت دیں میں منبر پر بیٹھ کر تمہارے لیے مسلمانوں سے چندہ اکٹھا کرتا ہوں۔

اور اگر چاہو تو میں مسلمانوں سے یہ درخواست بھی کروں گا کہ وہ بیت المال میں سے تمہیں زیادہ حصّہ دینے کی اجازت دے دیں، لیکن اس میں یہ پریشانی ہے کہ بیت المال تمام مسلمانوں کا ہے۔ اس میں اہلِ مدینہ بھی شامل ہیں اور مدینہ سے باہر کے افراد بھی شامل ہیں۔

طلحہ و زبیر نے کہا: آپ یہ کام نہ کریں، اگر بالفرض آپ نے ہمارے لیے مسلمانوں سے درخواست بھی کی تو بھی وہ نہیں مانیں گے۔

امیر المومنین نے فرمایا: اب آپ ہی بتائیں میں آپ کی اور کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

دونوں نے کہا: بس بس ہم نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ اس کے بعد جب یہ دونوں بیت المال کی رقم بٹورنے سے مایوس ہو گئے تو اُنھوں نے یہ سوچا کہ وہ کسی طرح سے مدینہ چھوڑ کر مکہ میں بی بی عائشہ کے پاس پہنچیں۔

آخر کار وہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ سے یہ کہا کہ ہم آپ سے مکہ جانے کی اجازت طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں اور وہاں جا کر عمرہ کریں گے۔ ہمیں عمرہ کے لیے طویل عرصہ گزر چکا ہے۔

آپ نے دونوں کے چہروں کو دیکھا تو آپ کو غداری کے آثار دکھائی دیئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: خدا کی قسم! تم عمرہ کرنا نہیں چاہتے تم غداری کرنا چاہتے ہو، تم بصرہ جانا چاہتے ہو؟

ان دونوں نے کہا: خدا گواہ ہے ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: تم خداوند عظیم کی قسم کھا کر کہو کہ تم مسلمانوں کے معاملات میں کوئی

خلل نہ ڈالو گے اور میری بیعت نہیں توڑو گے اور کوئی فتنہ بپا نہیں کرو گے۔

ان دونوں نے مؤکد قسمیں کھائیں جس پر آپؑ نے اُنھیں جانے کی اجازت دے دی۔

ابن عباسؓ نے ان دونوں سے کہا: کیا امیر المومنینؑ نے تمہیں جانے کی اجازت دی ہے؟

اُنھوں نے اثبات میں جواب دیا۔

ابن عباسؓ امام علی علیہ السلام کے پاس آئے تو آپؑ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ کیا تمھارے پاس کوئی نئی خبر ہے؟

ابن عباسؓ نے کہا: ابھی ابھی طلحہ و زبیر سے میری ملاقات ہوئی ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اُنھوں نے مجھ سے عمرہ کی اجازت طلب کی ہے۔ میں نے ان سے قسم لی ہے کہ وہ بیعت شکنی نہ کریں گے اور کوئی فساد برپا نہیں کریں گے، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ان کی نیت فساد برپا کرنے کی ہے۔ یہ مکہ اس لیے جا رہے ہیں تا کہ یہ مجھ سے جنگ کر سکیں کیونکہ خائن یعلیٰ بن منبہ عراق اور فارس کے بیت المال کی رقم لوٹ کر مکہ آچکا ہے اور وہ اس دولت سے اُنھیں اپنے ساتھ شامل کرے گا اور یہ دونوں میری مخالفت پر کمر بستہ ہو جائیں گے اور اس طرح سے یہ لوگ میرے محبوں اور پیروکاروں کا خون بہائیں گے۔

ابن عباسؓ نے تعجب سے کہا: امیر المومنینؑ! جب آپؑ ان کی سفارش کو جانتے ہیں تو پھر اُنھیں جانے کی اجازت کیوں دی؟ حق تو یہ تھا کہ آپؑ اُنھیں قید کر لیتے اور مسلمانوں کو ان کے فتنہ سے محفوظ رکھتے؟

امیر المومنینؑ نے تعجب سے کہا: ابن عباسؓ! کیا تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ ظلم کی ابتدا میری طرف سے ہو؟ اور کیا میں محض گمان اور تہمت پر لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دوں؟ اور جرم سے پہلے لوگوں کو سزائیں دوں؟

خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ خدا نے مجھے عدل کا حکم دیا ہے۔

ابن عباسؓ! سنو! اُنھوں نے محکم قسمیں کھائی ہیں جس پر میں نے اُنھیں جانے کی اجازت دی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم! یہ دونوں مارے جائیں گے اور اُن کی مراد کبھی پوری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ظلم پر اُن کا مواخذہ

کرے گا۔

الغرض یہ دونوں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں بنی اُمیہ اور قریش کے منافقین حضرت بی بی عائشہؓ کے گرد جمع ہو چکے تھے اور عبداللہ بن عمر بن الخطاب اور اس کا بھائی عبیداللہ، مروان بن الحکم اور عثمانؓ کی اولاد اور اُس کے قریبی رشتہ دار سب کے سب بی بی عائشہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ بی بی عائشہؓ نے حضرتؑ کے تمام دشمنوں کو اپنے ہاں پناہ دی اور اس جماعت نے حضرتؑ کے خلاف سازشوں کا جال بُننا شروع کر دیا۔

بی بی عائشہؓ نے حضرت علیؑ کی مخالفت میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ وہ قاتلینِ عثمانؓ سے بیزار ہیں اور علیؑ نے ہی عثمانؓ کو قتل کرایا ہے اور ہمیں علیؑ سے عثمانؓ کے خونِ ناحق کا بدلہ لینا ہے۔

بی بی عائشہؓ جب مکہ پہنچیں اور مناسکِ حج سے فارغ ہوئیں تو اُنھیں قتلِ عثمانؓ کی خبر ملی۔ بی بی یہ خبر سن کر بے حد خوش ہوئیں اور خبر دینے والے سے کہا کہ عثمانؓ کو اس کے اعمال نے قتل کیا ہے۔ اس نے اللہ کی کتاب کو جلایا تھا اور سنتِ رسولؐ کی مخالفت کی تھی، اسی لیے خدا نے اُسے قتل کیا ہے۔

اس کے بعد بی بی نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ کہ عثمانؓ کے بعد لوگوں نے کس کی بیعت کی ہے؟ خبر لانے والے نے کہا: بی بی! مجھے زیادہ علم نہیں ہے، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ طلحہ بن عبیداللہ نے عثمانؓ کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں پر قبضہ کرلیا تھا اور اس نے بیت المال کے دروازوں کی چابیاں بنانے کا حکم دیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں نے طلحہ کی بیعت کرلی ہوگی۔

حضرت بی بی عائشہؓ نے پُرمسرت لہجے میں کہا کہ خدا نعثل کو برباد کرے اور تباہ کرے۔ اے ابوشبل مرحبا! اے ذی الاصبع مرحبا! میرے چچا کے فرزند مرحبا! طلحہ! تو زندہ و سلامت رہے۔ لوگوں نے آخرکار یہ جان ہی لیا ہے کہ طلحہ ہی خلافت کے لائق ہے۔ اب میں مطمئن ہوں، میری سواری تیار کرو، میں مدینہ جانا چاہتی ہوں۔ میں نے حج و عمرہ کے مناسک ادا کرلیے ہیں۔ اب میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔

چنانچہ حضرت بی بی عائشہؓ مکہ سے چل پڑیں۔ ابھی وہ مکہ سے نکل کر مقام ''شرفاء'' پر پہنچی تھیں کہ ایک شخص نے اُن سے ملاقات کی، جس کا نام عبیداللہ بن اُمِ کلاب تھا۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے اس سے پوچھا: حالات کیسے ہیں؟

اُس شخص نے کہا: عثمانؓ قتل ہو گیا ہے۔

بی بی نے کہا: نعثل مارا گیا۔ اب مجھے بتاؤ کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

اس شخص نے کہا کہ جب لوگوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کیا تو اُس وقت طلحہ کی پوزیشن مستحکم تھی اور اُس نے بیت المال کے تالوں کی نئی چابیاں بھی بنوالی تھیں اور وہ خلافت حاصل کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہو گیا تھا، لیکن جب عثمان قتل ہوئے تو لوگوں کا رجوع علیؑ بن ابی طالبؑ کی طرف ہو گیا اور کسی نے طلحہ یا کسی دوسرے فرد کی طرف توجہ نہیں دی۔ پھر اشترؒ، محمدؒ بن ابی بکر اور عمار یاسرؓ لوگوں کا ہجوم بنا کر حضرت علیؑ کے دروازے پر گئے اور اُن سے کہا کہ آپؑ ہم سے اطاعت کی شرط پر بیعت لیں۔

اس موقع پر اشترؒ نے کہا: یا علیؑ! لوگوں کی نظر میں کوئی بھی آپؑ کا ہمسر نہیں ہے، لہٰذا اس سے قبل کہ لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آجائے آپؑ ان سے بیعت لیں۔

اس جماعت میں طلحہ و زبیر شامل تھے۔ میرا یہ خیال تھا کہ علیؑ اور طلحہ و زبیر کی پہلے گفتگو ہوئی ہوگی۔ میں نے پھر یہ دیکھا کہ طلحہ و زبیر نے سب سے پہلے علیؑ کی بیعت کی۔

پھر حضرت علیؑ منبر پر آئے اور اُنھوں نے ایک خطبہ دیا۔ مجھے ان کا خطبہ یاد نہیں ہے، البتہ میں نے یہ ضرور دیکھا ہے کہ لوگ مسلسل تین دن تک علیؑ کی بیعت کرتے رہے۔ اس کے بعد میں مدینہ سے چلا آیا۔ اس کے بعد کے حالات کی مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔

جیسے ہی بی بی نے واقعات کو سنا تو کہا: اے کاش! آسمان زمین پر گر پڑتا۔

پھر بی بی نے کہا: بھائی صحیح صحیح حال بیان کرو۔

اس شخص نے کہا: حالات وہی ہیں جو میں نے آپ سے بیان کیے ہیں۔

بی بی نے کہا: اناللہ، طلحہ کو بیعت پر مجبور کیا گیا اور خلیفہ خدا کو حالتِ مظلومیت میں قتل کیا گیا ہے۔ میرا خچر مکہ کی طرف لے جاؤ۔ اب میں مدینہ نہیں جانا چاہتی۔

اس شخص نے تعجب سے کہا: اُم المومنینؓ! آپ کیوں پریشان ہوگئی ہیں؟ اس وقت روئے زمین پر علیؑ سے زیادہ خلافت کا کوئی حق دار نہیں ہے۔ آپ کو علیؑ سے کیا مخاصمت ہے؟

بی بی نے کوئی جواب نہ دیا اور مکہ واپسی کا فیصلہ کیا۔ بی بی مکہ آرہی تھیں کہ راستے میں قیس بن حازم ملا۔ بی بی محمل میں بیٹھ کر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہہ رہی تھیں کہ لوگوں نے ابن عفان کو حالتِ مظلومیت میں قتل کیا ہے۔

قیس نے کہا: اُم المومنینؓ! ابھی آپ کی زبان سے میں نے یہ الفاظ سنے کہ اللہ ابنِ عفان کو اپنی رحمت سے دُور رکھے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ ہی عثمانؓ کی مخالفت کیا کرتی تھیں، لیکن آپ نے اپنی پالیسی بدل دی ہے؟

بی بی نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے۔ لوگوں نے عثمانؓ سے توبہ کرائی تھی۔ اس نے توبہ کر لی تھی اور سابقہ غلطیوں سے پاک ہوگیا تھا۔ وہ بے چارا روزہ کی حالت میں تھا، مگر مخالفین نے حرمت والے مہینہ میں اُسے قتل کیا۔

عبید بن اُمِ کلاب نے بی بی سے خطاب کر کے یہ اشعار پڑھے ؎

فمنك البداءة ومنك الغير   ومنك الرياح ومنك المطر
وانت امرتِ بقتل الامام   وقلت لنا: انه قد كفر
فهبنا اطعناك فی قتله   وقاتله عندنا من قد امر
ولم يسقط السقف من فوقنا   ولم ينكسف شمسنا والقمر

''ابتدا بھی آپ کی طرف سے ہے اور تبدیلی بھی آپ کی جانب سے ہے۔ آپ نے ہی خلیفہ کے قتل کا حکم دیا تھا اور ہم سے یہ کہا تھا کہ یہ کافر ہوگیا ہے۔ ہم نے آپ کی اطاعت کرتے ہوئے اُسے قتل کیا ہے جب کہ حقیقی قاتل وہ ہے جس نے حکم دیا ہے۔ ان کے قتل سے نہ تو ہمارے اُوپر چھت گری اور نہ ہی سورج اور چاند کو گرہن لگا''۔

الغرض بی بی مکہ آگئیں، اُدھر یعلٰی بن منبہ جو کہ بنی اُمیہ کا فرد تھا اور عثمانؓ کا بہی خواہ تھا وہ بھی مسلمانوں کے بیت المال کی ایک خطیر رقم لوٹ کر مکہ پہنچا۔ اس نے بی بی سے کہا: آپ

جس خلیفہ کے قتل پر لوگوں کو بھڑکاتی تھیں وہ مارا گیا ہے۔

بی بی نے کہا: میں خدا کے حضور اس کے قاتلوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کرتی ہوں۔

یعلی نے کہا: ایسے نہیں آپ مسجد الحرام میں یہ اعلان کریں۔

بی بی مسجد الحرام میں آئیں اور قاتلینِ عثمانؓ سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا۔ ادھر طلحہ و زبیر کو بھی اُم المومنینؓ کے حالات کی خبر ملی۔ اُنھوں نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھوں بی بی کے نام ایک خط تحریر کیا، جس میں اُنھوں نے لکھا کہ آپ لوگوں کو علیؑ کی خلافت کے خلاف بھڑکائیں اور خونِ عثمان کے انتقام کا نعرہ بلند کریں۔

بی بی کو ان کا یہ خط ملا۔ اس کے بعد اُنھوں نے خونِ عثمانؓ کے انتقام کا نعرہ بلند کیا اور حجرِ اسود کے پاس آ کر یہ کہا: مختلف شہروں کے کچھ رذیل افراد اور اہلِ مدینہ کے غلاموں نے عثمانؓ کے خلاف اجتماع کیا اور چند روز قبل اُسے ناحق قتل کر دیا اور اُنھوں نے اس پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ اس نے چند جوانوں کو کلیدی عہدے دیے ہیں، حالانکہ یہی کام سابقہ خلفاء نے بھی کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ اپنے عمال کو برطرف کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے، لیکن ان لوگوں نے اسے محترم شہر میں اور محترم مہینہ میں ناحق قتل کر دیا اور اس کے گھر کا اثاثہ لُوٹ لیا۔

خدا کی قسم! عثمانؓ کے جسم کی ایک انگلی روئے زمین سے اَفضل ہے۔ مانا کہ عثمانؓ سے غلطیاں ہوئیں، لیکن وہ توبہ کر چکے تھے۔ اس کے بعد اُسے قتل کرنے کا کسی کے پاس کوئی جواز موجود نہیں تھا۔

اس پر عبداللہ بن عامر حضرمی کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ میں خونِ عثمانؓ کے انتقام کے لیے سب سے پہلے لبیک کہتا ہوں۔

واضح رہے کہ موصوف مقتول خلیفہ کی طرف سے مکہ کا گورنر تھا۔

اس کے بعد بنی اُمیہ جو کہ مدینہ سے بھاگ گئے تھے وہ سارے مکہ میں جمع ہونے لگے۔ ادھر طلحہ و زبیر بھی مکہ پہنچ گئے اور عبداللہ بن زبیر کی وساطت سے بی بی کو یہ پیغام دیا کہ وہ بصرہ کی طرف کوچ کریں۔

بی بی نے فوراً کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مشورہ کے لیے اُم المومنین اُمِ سلمہؓ کے پاس گئیں اور اُنھیں قتلِ عثمانؓ کی خبر سنائی اور کہا کہ اسے حالتِ مظلومیت میں مارا گیا ہے۔

بی بی اُمِ سلمہؓ نے کہا: تعجب ہے کل تک تم اس کی مخالف تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ کافر ہو چکا ہے اور آج آپ اُسے مظلوم کہہ رہی ہیں؟

بی بی عائشہؓ نے کہا کہ میں بصرہ جا رہی ہوں آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔

بی بی اُمِ سلمہؓ نے بی بی عائشہؓ کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی اور اُن کے سامنے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کیے اور یہ حدیث بھی سنائی کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ حلقۂ ازواج میں یہ کہا تھا کہ تم میں سے میری ایک بیوی کو مقام حواب پر کتّے بھونکیں گے اور وہ اُونٹ پر سوار ہوگی۔ پھر حضرت اُمِ سلمہؓ نے کہا کہ مجھے دکھائی دیتا ہے کہ وہ بیوی تم ہی ہو۔

اتنی باتیں سن کر بھی بی بی عائشہؓ پر کوئی اثر نہ ہوا اور اُنھوں نے بصرہ جانے کا مصمم ارادہ کیا۔

ادھر یعلی بن منبہ نے چار سو اُونٹ خریدے اور اعلان کیا کہ جو بھی اس بغاوت میں شامل ہونا چاہے تو اس کا سفر خرچ میرے ذمہ ہے۔

حضرت اُمِ سلمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی اور اُنھیں ان کے ارادوں کے عواقب و انجام سے خبردار کیا اور کہا کہ آپ حبیبؐ خدا کی زوجہ ہیں، لہٰذا حرمتِ رسولؐ کی پاسداری کریں لیکن حضرت عائشہؓ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بی بی لشکر کی قیادت کرتی ہوئی بصرہ کی جانب روانہ ہوئیں۔ راستے میں قافلہ کا گزر چشمۂ آب سے ہوا جسے ''حواب'' کہا جاتا تھا۔ وہاں کے کتوں نے حضرت عائشہؓ کے اُونٹ کے گرد جمع ہو کر بھونکنا شروع کیا۔ لشکر میں موجود ایک شخص نے کہا: حواب میں کتّے بہت زیادہ ہے اور بھونکنے کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس وقت حضرت عائشہؓ نے اُونٹ کی مہار تھام لی اور چیخ کر کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آخر کار وہ بیوی میں ہی ثابت ہوئی۔ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ میری ایک زوجہ خروج کرے گی اور چشمۂ حواب کے کتے اُسے بھونکیں گے اور اُس کے

دائیں بائیں بہت سے لوگ قتل ہوں گے اور وہ مرتے مرتے بچے گی۔

مجھے واپس لے جاؤ، مجھے واپس لے جاؤ۔

اس وقت ایک گروہ آیا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ جگہ "حواب" نہیں ہے۔

اس کے بعد بی بی بصرہ کی سمت روانہ ہوئی۔

امیر المومنین علی علیہ السلام کو یہ اطلاعات ملیں۔ آپؑ نے الصلاۃ جامعۃ کی منادی کرائی۔ لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ آپؑ نے ابتدائی کلمات کے بعد فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ طلحہ و زبیر نے سب سے پہلے میری بیعت کی تھی، لیکن انھوں نے بیعت توڑ دی ہے اور بی بی عائشہؓ کو ساتھ لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں تمھاری جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں اور خانہ جنگی شروع کرنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ دعا مانگی:

"پروردگارا! ان کی اچھی طرح سے گرفت فرما، ان کی خطا کو کبھی معاف نہ کرنا اور انھیں ہرگز مہلت نہ دینا۔ خدایا! یہ دونوں مجھ سے اس حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے انھوں نے خود چھوڑ دیا تھا اور اس خون کے انتقام کے طلب گار ہیں جسے انھوں نے خود بہایا ہے۔ پروردگارا! مجھ سے اپنا وعدہ وفا کرنا، تیرا فرمان سچا ہے"۔

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللهُ إِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ○ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَأَنَّ اللهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

"جس کے خلاف بغاوت کی جائے تو خدا ضرور اُس کی مدد کرے گا۔ خدایا! مجھ سے اپنا وعدہ پورا فرما اور مجھے میرے نفس کے حوالے نہ فرمانا، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔ (سورۂ حج: آیت ۶۰-۶۱)

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ عمار بن یاسرؓ نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ آپؑ کوفہ چلیں وہاں آپؑ کے شیعہ رہتے ہیں۔ پھر کوفہ سے فوج تشکیل دے کر بصرہ جائیں۔ یہ لوگ بصرہ کا رُخ کر چکے ہیں۔

ابن عباسؓ نے مشورہ دیا کہ آپؑ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کو بھی اپنے ساتھ لے

چلیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان کا لے جانا مناسب نہیں ہے۔ یہ طلحہ و زبیر کی غلطی ہے کہ وہ رسولؐ خدا کی بیوی کو میدان میں لے آئے ہیں۔ میں کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔

کچھ لوگوں نے کہا: آپؑ خلافت و حکومت چھوڑ کر اپنی زمین ینبع میں چلے جائیں۔

امام علیہ السلام نے اُن لوگوں کی رائے کو مسترد کر دیا۔ پھر آپؑ نے اعلان کیا: لوگو! سفر کی تیاری کرو۔ طلحہ و زبیر نے بیعت شکنی کی ہے اور عہد کو توڑا ہے اور وہ رسولؐ خدا کی بیوی کو گھر سے نکال کر بصرہ کی طرف لے گئے ہیں۔

یہ لوگ فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں اور اہلِ قبلہ کا خون بہانا چاہتے ہیں۔ پھر آپؑ نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور کہا:

> ''پروردگار! ان دو افراد نے میرے خلاف بغاوت کی ہے اور اُنھوں نے مجھ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑا ہے اور میری کسی بھی غلطی کے بغیر اُنھوں نے میری مخالفت کی ہے۔ خدایا! ان کے ظلم کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ فرما اور مجھے ان پر کامیابی عطا فرما''۔

امیر المومنینؑ نے تمام بن عباس کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا اور اپنی سپاہ کو لے کر ربذہ پہنچے، لیکن طلحہ و زبیر وہاں سے جا چکے تھے۔

امیر المومنینؑ نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن حنفیہ کو کوفہ روانہ کیا تاکہ اہلِ کوفہ کو جہاد کی دعوت دی جائے۔ اس وقت کوفہ کا گورنر ابوموسیٰ اشعری تھا اور وہ خلیفہ ثالث کا بہی خواہ تھا اور حضرت علیؑ کا مخالف تھا۔

اس سے قبل حضرت بی بی عائشہؓ ابوموسیٰ کو خط روانہ کر چکی تھی کہ وہ اہلِ کوفہ کو علیؑ کی امداد سے روکے۔ ابوموسیٰ بھی حضرت بی بی عائشہؓ کے خط کی تعمیل میں لگا ہوا تھا۔ اُس نے کوفہ میں خطبہ دیا اور کہا: لوگو! فتنہ سے دُور رہو اور مسلمانوں کے قتل میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرو۔

محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن حنفیہؓ کو عوام میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ یہ دونوں بزرگوار حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا: ابوموسیٰ اشعری لوگوں کو آپؑ کی نصرت سے روک رہا ہے۔

امام علیہ السلام بھی اسے خط لکھ چکے تھے کہ وہ لوگوں سے امیر المومنینؑ کی مدد کرنے کی درخواست کرے لیکن اشعری اپنی رائے پر اڑا رہا اور اُس نے امیر المومنینؑ کی بیعت نہیں کی تھی اور اُس نے دل کی عداوت کا کھل کر مظاہرہ کیا۔

امام علیہ السلام نے ابوموسیٰ اشعری کے نام سرکاری خط بھیجا جس میں آپؑ نے لکھا کہ ہم نے تجھے کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا ہے اور تم اگر اس خط کے بعد بھی معزول نہ ہوئی تو تمہیں اس کا انجام بھگتنا ہوگا۔

آپؑ نے اہلِ کوفہ کے نام ایک کھلا خط بھیجا جس میں قتلِ عثمانؓ کی تفصیل بیان کی اور اس میں حضرت بی بی عائشہؓ اور طلحہ و زبیر کے کردار کو بے نقاب کیا اور خط کے آخر میں آپؑ نے اہلِ کوفہ سے اپنی مدد کا مطالبہ کیا۔

مذکورہ خطوط کے پہنچنے سے قبل حضرت امام حسنؑ، عمار یاسرؓ، زید بن صوحانؓ اور قیسؓ بن سعد کوفہ پہنچے اور لوگوں کے سامنے طویل اور مدلل خطابات کیے اور لوگوں کو امیر المومنینؑ کی نصرت کی ترغیب دی۔

حضرت علی علیہ السلام کے عظیم نمایندے لوگوں سے خطاب کرتے تھے لیکن ابوموسیٰ اشعری لوگوں کو امیر المومنینؑ کی مدد سے منع کرتا تھا۔ اسی شش و پنج میں چند دن گزرے۔ اس عرصہ میں امیر المومنینؑ مقامِ ذی قار میں پڑاؤ ڈالے رہے۔ آج کل اس جگہ کو "مقیرہ" کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ بصرہ کے راستے میں "ناصریہ" کے قریب ہے۔

جب کوفہ سے کوئی مثبت جواب موصول نہ ہوا تو پھر شیرِ خدا کا شیر مالک اشترؓ اپنے ساتھیوں سمیت کوفہ آیا اور آتے ہی دارالامارہ پر قبضہ کرلیا اور ابوموسیٰ اشعری کے غلاموں کو وہاں سے بھگا دیا۔

مسجدِ کوفہ میں اشعری اور امام کے ساتھیوں میں سرد جنگ جاری تھی کہ اشعری کے غلام دوڑتے ہوئے آئے اور مسجد میں داخل ہوئے اور وہ چیخ رہے تھے کہ مالک اشترؓ آگیا۔ اتنے میں اشترؓ کے ساتھی مسجد میں داخل ہوئے اور ابوموسیٰ سے کہا: خدا تیری روح قبض کرے فوراً مسجد سے نکل جا، تو منافق انسان ہے۔

الغرض ابوموسیٰ اشعری کو معزول اور ذلیل وخوار ہو کر مسجد سے نکلنا پڑا۔ لوگوں نے اس کے محل کے اثاثہ کو لوٹنا چاہا لیکن مالک اشترؓ نے اُنھیں روک دیا۔ مالکِ اشترؓ آگے بڑھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے کہا:

"لوگو! تمھارے پاس وہ شخص آیا ہے جس کا مقام خدا کی نظر میں بہت ہی بلند اور اسلام میں اس کا بڑا حصّہ ہے۔ وہ رسولِ خدا کا ابنِ عم ہے۔ وہ دین کے مسائل کا عارف ہے اور کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہے اور میدانِ جنگ کا غازی ہے۔

لوگو! بتاؤ کیا اب بھی تمھیں سعید یا ولید جیسے حکمرانوں کا انتظار ہے؟ کیا تم کسی ایسے حاکم کے منتظر ہو جو شراب کی حالت میں تمھیں نماز پڑھائے اور تمھارے حقوق کو غصب کرے؟ بولو! تمھیں علیؑ چاہیے یا شرابی حکمران چاہییں؟

اُٹھو اپنے نبیؐ کے نواسے حسنؑ بن علیؑ کے ساتھ مل کر کوچ کرو۔ کوئی بھی شخص ان کی نصرت سے پیچھے نہ رہے۔

لوگو! اگر تم عقل اور چشمِ بینا رکھتے ہو تو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ کل صبح سب لوگ مسلح ہو کر اپنے امام کے پاس حاضری دو۔

پھر ابن عباسؓ اُٹھے اور اُنھوں نے اشعری کو معزول کیا۔ اس کی جگہ قرضہ بن کعب کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ کوفہ سے سات ہزار جنگ جو امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے قبل قبیلہ طے کے دو ہزار جوان بھی حضرتؑ کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرتؑ کے بصرہ پہنچنے سے قبل طلحہ و زبیر اور حضرت بی بی عائشہؓ اپنا لشکر لے کر بصرہ پہنچ چکے تھے۔ جب اہلِ بصرہ نے اس لشکر کو دیکھا تو اُنھیں بڑا ہی تعجب ہوا اور آپس میں کہنے لگے: عجیب بات ہے عثمانؓ مدینہ میں قتل ہوئے ہیں اور یہ لوگ اُن کے حامی بن کر اس کا انتقام لینے کے لیے بصرہ آئے ہیں۔

بصرہ کے والی عثمان بن حنیف کو ان لوگوں کی آمد کا پتا چلا تو اُنھوں نے ابوالاسود الدؤلی اور عمران بن حصین کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ دونوں معززین حضرت عائشہؓ کے پاس آئے

اور ان سے کہا: اُم المومنینؓ! آپ کو اس سفر کی کیا ضرورت پڑی تھی؟ آپ ہمارے شہر کیوں آئی ہیں؟ آپ رسولِ خدا کی بیوی ہیں۔ اللہ نے قرآن میں آپ کو حکم دیا ہے کہ رسولؐ کے گھر میں بیٹھی رہیں اس کے باوجود آپ کو کیا پڑی کہ آپ نبی اکرمؐ کا گھر چھوڑ کر یہاں آئی ہیں؟

کافی دیر تک فریقین میں گفتگو ہوتی رہی، لیکن بیعت شکن اپنی ضد پر قائم رہے۔ پھر یہ دونوں افراد طلحہ کے پاس گئے اور اسے اس ہلاکت خیزی سے بچنے کے لیے کہا تو طلحہ نے امیر المومنینؑ پر سَب و شتم کیا اور گالیاں دے کر اُنھیں اپنے ہاں سے نکال دیا۔

الغرض بی بی عائشہؓ جنگ پر آمادہ ہوگئیں اور اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ کے "مربد" نامی محلہ میں آئیں اور وہاں عوام الناس سے خطاب کیا، جس میں حضرت عثمانؓ کی تعریفیں کیں اور اُن کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا۔ پھر لوگوں سے کہا کہ تمھیں چاہیے کہ علیؑ کی بیعت توڑ دو۔

کچھ لوگوں نے بی بی کی تصدیق کی اور کچھ لوگوں نے بی بی کی تکذیب کی۔ وہاں سے بی بی لشکر لے کر دارالامارہ کی طرف روانہ ہوئیں اور والی بصرہ سے کہا کہ تم دارالامارہ چھوڑ کر اسے ہمارے سپرد کردو۔ والی بصرہ نے اس سے انکار کیا جس پر فریقین میں جنگ چھڑ گئی جو کہ ظہر تک جاری رہی۔ اس جنگ میں امیر المومنینؑ کے شیعوں اور والی بصرہ کے دوستوں میں سے بن عبدالقیس کے پانچ سو شیوخ شہید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ پھر کچھ معززین نے مداخلت کی اور فریقین میں اس شرط پر جنگ بندی کرائی کہ دارالامارہ، مسجد اور بیت المال والی بصرہ عثمان بن حنیف کے ہاتھ میں رہیں گے اور اس کے علاوہ بصرہ شہر باغیوں کے تصرف میں ہوگا۔

اس عنوان کا صلح نامہ لکھا گیا اور لوگوں نے اس پر اپنی گواہی ثبت کی۔ جب شہر میں امن قائم ہوگیا اور لوگوں نے ہتھیار اُتار دیئے تو طلحہ و زبیر اور ان کے ساتھیوں نے اچانک دارالامارہ پر حملہ کیا اور وہاں بیت المال کے پچاس محافظوں پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے چالیس افراد کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ پھر اُنھوں نے عثمان بن حنیف کو قید کیا اور ان کی داڑھی کے تمام بال کھینچ لیے اور اس کے ابرو کے تمام بال بھی کھینچ لیے گئے اور اسے زنجیروں سے باندھ

دیا گیا۔

نمازِ صبح کا وقت ہوا تو نماز کی ادائیگی کے لیے طلحہ و زبیر مسجدِ اعظم میں آئے، نوافل ختم ہوئے اور جماعت کا وقت آیا تو طلحہ نماز کے لیے آگے بڑھا۔ زبیر نے اُسے ہٹا دیا۔ زبیر نے نماز پڑھانا چاہی تو طلحہ نے اسے پیچھے کر دیا۔ الغرض امامت کے خواہش مند آپس میں لڑتے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے قریب آیا۔ لوگ چیخنے لگے۔ اے اصحابِ رسولؐ! تمھیں خدا کا واسطہ، نماز کو تو برباد نہ کرو۔

حضرت بی بی عائشہؓ نے حکم دیا کہ طلحہ و زبیر میں سے کوئی نماز نہ پڑھائے۔ مروان بن الحکم نماز پڑھائے۔ ابھی مروان نے نماز شروع نہیں کی تھی کہ ابن زبیر آگے بڑھے اور جماعت کرائی۔ بیت المال کے محافظوں کے قتل اور عثمان بن حنیف کی گرفتاری کی خبر پھیلی تو حکیم بن جبلہ اپنی قوم کے پاس گیا اور انھیں باغیوں سے جنگ کی ترغیب دی۔ جس کی وجہ سے دوبارہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور اس میں حکیم بن جبلہ اور اس کے بھائی کے ساتھ بہت سے افراد تہ تیغ ہو گئے اور طلحہ و زبیر نے بیت المال کے کمروں پر قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے تالے لگا دیے۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے کہا کہ بیت المال کے تمام کمروں پر مہر لگا دی جائے۔ چنانچہ تمام کمروں کو مقفل کر کے سربمہر کر دیا گیا۔ چند دن تک باغیوں کا بصرہ پر کنٹرول رہا اور بی بی عائشہؓ سمیت طلحہ و زبیر خطبات دیتے رہے اور لوگوں کو حضرت علیؑ سے متنفر کرتے رہے اور ان کی تقاریر کا اختتام امیرالمومنین علی علیہ السلام کی مذمت اور سب و شتم پر ہوتا تھا۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے بہت سے دوسرے شہروں کے شیوخ و رؤساء کے نام خطوط لکھے اور ان خطوط میں لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بغاوت کی ترغیب دی گئی تھی۔

امام عالی مقام علیہ السلام اپنا لشکرِ جرار لے کر بصرہ پہنچے جہاں اُنھیں باغیوں کے غیر انسانی اقدامات کے متعلق بتایا گیا۔ امام علیہ السلام نے مذاکرات کی غرض سے صعصعہ بن صوحان کو باغیوں کے پاس بھیجا، لیکن باغیوں نے دھمکیوں کے علاوہ اور کوئی گفتگو نہ کی۔

امام علیہ السلام نے عبداللہ بن عباسؓ کو مذاکرات کے لیے روانہ کیا اور فرمایا کہ آپ طلحہ و زبیر سے ملاقات کریں اور ان سے گفتگو کریں۔

ابن عباسؓ گئے لیکن مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔

امیر المومنینؑ کا لشکر پوری شان و شوکت سے بصرہ آیا۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے اہلِ بدر شامل تھے۔ آپؑ کی فوج کے دستے اپنے اپنے جرنیلوں کے ساتھ آگے بڑھے، آخر میں فوج کا وہ دستہ آیا جس میں امیر المومنینؑ موجود تھے۔ اس دستہ میں بڑی تعداد میں لوگ شامل تھے جو سر سے پاؤں تک لوہے میں اَٹے ہوئے تھے اور وہ دستہ وقار و تسکین کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دستہ کے افراد کی نگاہیں آسمان کے بجائے زمین پر جھکی ہوئی تھیں اور ہر شخص رُعب امامت سے خاموش تھا۔ یوں لگتا تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام لشکر کی دائیں اور امام حسین علیہ السلام بائیں جانب تھے اور محمد بن حنفیہؒ آگے آگے رواں دواں تھے اور پرچم اُنھی کے ہاتھ میں تھا۔

امام علی علیہ السلام نے ابن عباسؓ کو دوبارہ بی بی عائشہؓ کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایا کہ آپ ان سے کہیں کہ آپ کا حق تھا کہ رسولِ خدا کے گھر میں ہی رہتیں اور بغاوت نہ کرتیں۔ خدا نے اسے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ فوراً واپس جائیں۔

ابن عباسؓ بی بی عائشہؓ کے پاس گئے۔ اُنھوں نے پیغام پہنچایا اور بی بی کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کے مناقب و فضائل بیان کیے لیکن بی بی نے سنی اَن سنی کردی۔ اس کے بعد ابن عباسؓ زبیر کے پاس گئے اور ان سے بڑے نرم و نازک لہجے میں گفتگو کی اور اُنھیں ان کے طرزِ عمل کے عواقب سے خبردار کیا۔ الغرض اچھے ماحول میں گفتگو ہو رہی تھی کہ عبداللہ بن زبیر آ گیا۔ یہ شخص ہر طرح کی رواداری سے عاری تھا۔ اس نے ابن عباسؓ سے تند و تلخ لہجے میں گفتگو کی جس کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔

کعب بن سور قبیلہ ازد کا سردار تھا، اب تک وہ اس جنگ سے لاتعلق تھا۔ طلحہ و زبیر نے حضرت بی بی عائشہؓ سے کہا کہ آپ بذاتِ خود اس کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ اس جنگ میں ہماری مدد کرے۔

بی بی نے پہلے تو اس کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ آئے اور ان سے گفتگو کرے، لیکن کعب نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر بی بی خچر پر سوار ہوئیں اور کعب کے پاس گئیں اور اس سے کہا کہ ہم نے تمہیں بلایا تھا لیکن تم نہ آئے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

کعب نے کہا: مادر جان! سچی بات یہ ہے کہ میں اس فتنہ میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔

کعب کا یہ جواب سن کر بی بی رونے لگ گئیں۔ جس کی وجہ سے کعب کے دل میں نرمی پیدا ہوئی اور بی بی سے اپنی مدد کا وعدہ کیا اور قرآن کریم گلے میں ڈالا اور بی بی کے ساتھ چل پڑا۔ فریقین کے خطباء نے پُرزور خطبات دیے اور لوگوں کو اپنی بزم میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔

میدانِ جنگ

فریقین کے لشکرِ بصرہ کے قریب مقام حزیبہ میں صف آرا ہوئے۔ یہ مقام زبیر شہر اور کامرہ کے درمیان ہے۔ آج کل اس جگہ کو "خز" کہا جاتا ہے اور طلحہ کی قبر بھی وہیں پر ہے۔

فریقین نے اپنی صفیں ترتیب دیں۔ حضرت علیؑ میدان میں اس شان سے آئے کہ آپؑ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور آپؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر پر سوار تھے جسے "شہباء" کہا جاتا تھا۔

ادھر بی بی عائشہؓ ایک ہودج میں سوار ہو کر میدان میں آگئیں اور اُن کے دائیں بائیں طلحہ، زبیر اور عبداللہ بن زبیر تھے اور ان کے پیچھے ان کا لشکر تھا۔

حضرت علیؑ کی سپاہ کے حوصلے بہت بلند تھے اور ان کی خواہش تھی کہ دشمن پر حملہ کیا جائے لیکن امیر المومنینؑ فرماتے تھے کہ ابھی رُک جاؤ۔ جنگ سے قبل مجھے اتمامِ حجت کرنے دو۔ چنانچہ آپؑ مخالف لشکر کی طرف گئے اور ان سے یہ خطاب کیا:

اے اہلِ بصرہ! تم مجھ سے کیوں جنگ کرنا چاہتے ہو کیا میں نے کبھی تم پر زیادتی کی ہے؟

اہلِ بصرہ نے کہا: نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تو کیا میں نے تمھارے وظائف میں کوئی رد و بدل کی ہے؟

اہلِ بصرہ نے کہا: نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: کیا میں نے بیت المال سے رقم اُٹھا کر اپنے یا اپنے خاندان پر خرچ کی ہے؟

اہلِ بصرہ نے جواب دیا: نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تو کیا میں نے تم میں حدود قائم کیں اور دوسرے شہروں میں حدودِ الٰہیہ کو معطل کیا تو تم میرے مقابلے پر آ گئے ہو؟

اہلِ بصرہ نے کہا: نہیں، ایسا بھی نہیں؟

آپؑ نے فرمایا کہ تم نے دوسرے خلفاء کی بیعت نہیں توڑی تھی تو تمھارے پاس میری بیعت شکنی کا کیا جواز ہے؟

میں نے اس معاملے کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے۔ اب تمھارا علاج تلوار سے کیا جائے یا پھر اگر میں نے تلوار نہ اُٹھائی تو میرا ایمان ہی مشکوک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ (سورۂ توبہ: ۹)

"اور اگر یہ لوگ معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمھارے دین پر اعتراض کریں تو کفر کے سرغنوں سے قتال کرو۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ وہ باز آ جائیں"۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا اور جس نے محمدؐ کو نبوت کے لیے منتخب کیا۔ یہی لوگ اس آیت کا مصداق ہیں اور جس دن سے یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر عمل کرنے کی نوبت آج آئی ہے۔

پھر آپؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا: آپ قرآن لے کر طلحہ و زبیر کے پاس جائیں اور انھیں اس قرآن کے فیصلے کی دعوت دیں۔

ابن عباسؓ آئے، اُنھوں نے زبیر سے کہا: امیر المومنینؑ کہہ رہے ہیں کہ تُو نے اپنے شوق و رضامندی سے میری بیعت نہیں کی تھی؟ اب ایسے کون سے حالات پیدا ہوئے ہیں کہ

تُو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟ میں تیرے پاس قرآن لایا ہوں اگر تو چاہے تو ہم اسے فیصل قرار دیتے ہیں۔

زبیر نے کہا: ہمیں کسی مصالحت کی ضرورت نہیں ہے، ہم سے جبری بیعت لی گئی تھی۔

ابن عباسؓ طلحہ کے پاس گئے، لیکن اس کا رویہ انتہائی ہتک آمیز تھا۔ ابن عباسؓ نے اس سے کہا کہ تم دونوں نے رسولؐ خدا سے خیانت کی ہے۔ تم نے اپنی بیویوں کو گھر میں بٹھایا ہے اور رسولؐ خدا کی بیوی کو اُن کے گھر سے نکال کر صحراؤں اور شہروں میں لے آئے ہو۔

طلحہ نے پکار کر کہا کہ اسے یہاں سے ہٹا دو۔ ہم باتوں میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ابن عباسؓ واپس آئے اور امیرالمومنینؑ سے عرض کیا کہ ہمارے مذاکرات بے فائدہ ہیں۔ یہ لوگ تلوار کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں سمجھتے۔ لہٰذا ہمیں حملہ میں پہل کرنی چاہیے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ ہم خدا سے مدد طلب کریں گے۔ پھر امیرالمومنینؑ دونوں صفوں کے درمیان آ کر کھڑے ہوئے اور آپؑ نے بلند آواز سے زبیر کو پکارا۔ اس وقت طلحہ و زبیر اپنے لشکر کے سامنے کھڑے تھے۔

آپؑ نے دوسری بار زبیر کو آواز دی۔ زبیر اپنے لشکر سے نکل کر آپؑ کے سامنے آنے لگا۔ امیرالمومنینؑ کے سپاہیوں نے کہا کہ آپؑ اس بیعت شکن کے سامنے غیر مسلح ہو کر نہ جائیں جب کہ وہ مکمل طور پر لوہے سے اَٹا ہوا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہر شخص کی موت محافظت کرتی ہے۔ یہ میرا قاتل نہیں ہے۔ میرا قاتل دنیا کا بدبخت ترین شخص ہوگا، جو کہ قومِ ثمود کے بدبخت ترین شخص کے مانند ہوگا۔

پھر آپؑ نے طلحہ کو آواز دی۔ طلحہ بھی اپنی صفوں سے نکل کر آپؑ کے سامنے آیا۔ اس وقت امیرالمومنینؑ نے زبیر سے کہا کہ تُو نے یہ کیا کیا ہے؟

زبیر نے کہا: میں خونِ عثمانؓ کا انتقام چاہتا ہوں۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: عثمان کو تُو نے اور تیرے ساتھیوں نے قتل کیا ہے۔ تجھے چاہیے کہ قصاص میں اپنے آپ کو پیش کر، تا کہ تجھ سے خون کا قصاص لیا جائے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: میں تجھے وحدۂ لاشریک خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے اپنے نبی محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا کیا تجھے وہ موقع یاد ہے جب رسولِ خدا نے تجھ سے یہ فرمایا تھا: زبیر! کیا تو علیؑ سے محبت رکھتا ہے؟

تُو نے جواب میں کہا تھا کہ مجھے اس کی محبت سے کیا چیز مانع ہے جب کہ وہ میرے ماموں کا فرزند ہے؟

اس وقت رسولِ خدا نے تجھ سے یہ فرمایا تھا کہ ایک دن تو علیؑ کے خلاف خروج کرے گا اور اس وقت تو ظالم ہوگا۔

زبیر نے کہا: جی ہاں، رسولِ اکرمؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: میں خدائے واحد کی قسم دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجھے وہ موقع یاد ہے جب رسولِ اکرمؐ ابن عوف کے پاس سے آئے تھے اور تو ان کے ساتھ تھا۔ آنحضرتؐ نے تیرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میں نے آنحضرتؐ کا استقبال کیا۔ آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے تھے اور میں بھی مسکرایا تھا۔ اس وقت تُو نے کہا تھا کہ علیؑ اپنے غرور سے باز نہیں آئے گا۔

اس وقت رسولِ اکرم ﷺ نے تجھ سے یہ فرمایا تھا: زبیر! رُک جاؤ، علیؑ میں کوئی غرور نہیں ہے۔ تو ایک دن اس کے خلاف خروج کرے گا اور تُو ظالم ہوگا۔

زبیر نے کہا: جی ہاں، یہ سچ ہے۔ البتہ میں بھول چکا تھا۔ اب آپؑ نے مجھے یاد دہانی کرا دی ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ اگر آپؑ مجھے یہ باتیں پہلے یاد دلاتے تو میں آپؑ کے خلاف کبھی خروج ہی نہ کرتا۔

اس کے بعد حضرت علیؑ دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں: تم دونوں اور اصحابِ محمدؐ کے صاحبانِ علم افراد اور عائشہ بنت ابی بکر یہ نہیں جانتے کہ رسول اکرمؐ نے اصحابِ جمل اور اہلِ نہروان پر لعنت کی تھی۔ وہ شخص ناکام ہوا جس نے اِفترا کیا۔

زبیر نے کہا: ہم کس طرح سے ملعون ہو سکتے ہیں؟ ہم تو جنتی لوگ ہیں۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: اگر میں تمہیں جنتی سمجھتا تو تم سے جنگ کرنے کو جائز نہ سمجھتا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تُو نے اپنی مرضی سے میری بیعت نہیں کی تھی؟

زبیر نے کہا: جی ہاں!

آپؑ نے فرمایا: کیا تُو نے مجھ میں کوئی عیب دیکھا جس کی وجہ سے تُو نے مجھ سے علیحدگی اختیار کی ہے؟

زبیر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر کہا کہ کچھ بھی ہو میں آپؑ سے جنگ کروں گا۔

اس کے بعد حضرتؑ نے طلحہ سے فرمایا: طلحہ! اس جنگ میں تمہاری بیویاں بھی تمہارے ساتھ ہیں؟

طلحہ نے کہا: نہیں۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: جس عورت کو خدا کی طرف سے خصوصی حکم ملا تھا کہ وہ گھر میں رہے، اسے تم میدان میں لے آئے ہو اور اپنی عورتوں کو گھروں میں بٹھا آئے ہو؟ تم نے ایسا کر کے رسول اللہ سے انصاف نہیں کیا جب کہ خدا نے ازواج محمدؐ کو حکم دیا ہے کہ اگر وہ کسی سے بات بھی کریں تو بھی پردے کی اُوٹ سے کریں۔

یہ بتاؤ کہ تم نے فرزند زبیر کو اپنا امام کیوں بنایا؟ کیا تم دونوں ایک دوسرے کو نماز پڑھانے کے اہل نہیں ہو؟

مجھے یہ بتاؤ کہ وحشی عربوں کو تم نے میرے خلاف کیوں جمع کیا ہے؟

طلحہ نے کہا کہ شوریٰ میں ہم چھے افراد تھے۔ ان میں ایک (ابن عوف) مر چکا ہے اور ایک (عثمانؓ) قتل ہو گیا ہے۔ اس وقت ہم چار زندہ ہیں اور چار میں تین تجھے ناپسند کرتے ہیں۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔ اچھا بتاؤ جب عثمانؓ منتخب ہو گئے تھے تو کیا اس کی بیعت کے بعد مجھے یہ اختیار تھا کہ میں اس کی مخالفت کروں اور اس کے مقابلے میں کھڑا ہو جاؤں؟

طلحہ نے کہا: نہیں آپؑ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اب جب کہ تم بلا جبر و اکراہ میری بیعت کر چکے ہو تو

تمہیں بھی میری مخالفت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد دونوں افراد اپنی صفوں کو لوٹ گئے۔ زبیر نے جنگ سے کنارہ کشی کا ارادہ کیا۔ طلحہ نے اس سے کہا: کیا بات ہے اب تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالبؑ کے فرزند نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

زبیر نے کہا: نہیں علیؑ نے مجھے وہ باتیں یاد دلائی ہیں جنھیں میں بھول چکا تھا۔

طلحہ نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تو بزدل ہے اور بزدلی کی باتیں کر رہا ہے۔

زبیر نے کہا: میں ہرگز بزدل نہیں ہوں۔ علیؑ نے مجھے رسولؐ خدا کے فرامین یاد دلائے ہیں جو مجھے یاد آگئے ہیں۔

بی بی عائشہؓ نے کہا: ابوعبداللہ! کیا بات ہے؟

زبیر نے کہا: اُم المومنینؓ! میں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں جو بھی موقف اختیار کیا ہے پورے یقین اور بصیرت کے تحت کیا ہے، لیکن آج اس معاملہ میں مجھے شک ہے اور حد یہ ہے کہ میں اپنے پاؤں تلے دیکھنے کے بھی قابل نہیں ہوں۔

بی بی عائشہؓ نے کہا: خدا کی قسم! اور کچھ نہیں ہے تو فرزند ابوطالبؑ کی تلواروں کو دیکھ کر ڈر گیا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ علیؑ کی تلوار لمبی اور کاٹ دار ہے اور انھیں مضبوط ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ انھیں دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔

ابن زبیر نے کہا: میرا والد بزدل ہو گیا ہے۔

زبیر نے کہا: بیٹا! پوری دنیا جانتی ہے کہ میں بزدل نہیں ہوں۔ علیؑ نے مجھے رسولؐ خدا کے فرمان یاد کرائے ہیں، اسی لیے میں نے قسم کھائی ہے کہ میں ان سے جنگ نہیں کروں گا۔

ابن زبیر نے باپ سے کہا کہ آپ اتنا بڑا لشکر لے کر یہاں آئے ہیں اور جب جنگ شروع ہونے کو ہے تو آپ میدان چھوڑ کر واپس جانا چاہتے ہیں۔ آخر سوچیں لوگ کیا کہیں گے؟ اور کیا اس سے دشمنوں کی تائید نہ ہوگی؟

زبیر نے کہا: بیٹا! میں قسم کھا چکا ہوں کہ جنگ نہ کروں گا۔

ابن زبیر نے کہا: کوئی بات نہیں ہے میں آپ کی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں۔ میرا یہ غلام مکحول ہے میں اسے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں۔

اس کے بعد زبیر جنگ کے لیے پھر آمادہ ہو گیا۔

اس وقت امیرالمومنینؑ نے اپنے ہاتھ میں مصحف لیا اور فرمایا کہ کیا کوئی ہے جو یہ مصحف لے کر مخالفین کے سامنے جائے اور ان کے سامنے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ...... کی آیت تلاوت کرے۔

ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہا: امیرالمومنینؑ! یہ کام میں کروں گا۔

چنانچہ وہ نوجوان سر پر قرآن رکھ کر مخالف لشکر کے سامنے گیا اور اس نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی اور کہا: لوگو! امیرالمومنینؑ! تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ قرآن کے فیصلے کو تسلیم کرو۔

اس وقت بی بی نے حکم دیا کہ اسے مار ڈالا جائے۔ چنانچہ کچھ افراد آگے بڑھے اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے اور ہر طرف سے اس پر تیروں کی بوچھاڑ کردی۔

اس منظر کو اس جوان کی ماں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ بے چاری چیختی چلاتی رہی لیکن سننے والا کوئی نہیں تھا۔

امام علیہ السلام ظہر کا انتظار کر رہے تھے، کیونکہ وہ ملائکہ کے نزول کا وقت ہے۔ آپؑ اپنے لشکر کو کہتے رہے۔ جب تک جنگ کا آغاز دوسری طرف سے نہ ہو تم اس وقت تک جنگ سے باز رہو۔ خدا کے فضل سے تم حجت پر ہو اور تمہارا یہ صبر تمہاری دوسری حجت ہے۔ اور ہاں جب جنگ شروع ہو جائے تو پھر کسی زخمی کو قتل نہ کرنا اور جو بھاگ رہا ہو اس کا تعاقب نہ کرنا۔ لوگوں کے گھروں میں نہ گھسنا اور ان کے اموال پر قبضہ نہ کرنا اور کسی بھی عورت پر ہاتھ نہ اُٹھانا خواہ وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دے رہی ہو، کیونکہ عورتیں ضعیف العقل ہوتی ہیں۔

دشمن کی طرف سے تیر برس رہے تھے۔ لوگ چیخنے لگے کہ آپ کب تک صبر کریں گے؟ یہ لوگ تو ہمیں اپنے تیروں سے ہلاک کردیں گے اور اگر آپؑ نے اتمامِ حجت ہی کرنا تھی وہ تو ہو چکی ہے، اب بھلا دیر کس بات کی ہے؟

اس وقت آپؑ نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہؒ کو پرچم دیا۔ وہ سیاہ رنگ کا بہت بڑا پرچم

تھا اور آپؑ نے فرمایا: بیٹا! یہ علم لو۔ یہ علم تمھاری فتح کی ضمانت ہے۔

پھر آپؑ نے رسولؐ خدا کی زرہ پہنی اور ناف کے نیچے پٹی باندھی اور اپنے فرزند سے کہا: بیٹا! میں نے اس وقت پرچم اٹھایا تھا جب کہ میری عمر تمھاری عمر سے کم تھی۔ میں نے جس کا بھی مقابلہ کیا تو میرے دل نے کہا کہ میں اس کو قتل کروں گا۔ آج تم بھی خدا کی مدد پر انحصار کرتے ہوئے آگے بڑھو۔ پھر آپؑ نے ابن حنفیہ کو آدابِ جنگ کی تعلیم دی۔

مخالفین کا لشکر حضرتؑ کے لشکر کی طرف آگے بڑھا۔ امام علیہ السلام نے محمدؒ سے فرمایا: بیٹا! آگے بڑھو۔ محمدؒ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے اور باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے بنفسِ نفیس جنگ شروع کی تو لوگوں کو خیبر کی جنگ یاد آگئی۔ آپؑ نے سروں کو اڑایا اور بڑھنے والوں کو روکا۔ آپؑ کی تلوار شرربار مخالف کی روح پہلے قبض کرتی اس کا خون بعد میں گرتا۔

حضرت عمارؓ نے میسرہ سنبھالا اور مالک اشترؓ نے میمنہ سنبھالا اور مل کر حملہ کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اب تیر اندازی کی بجائے تلواروں کا حملہ کیا جائے۔ حکم ملنے کی دیر تھی کہ ہر طرف سر گرنے لگے اور ہاتھ کلائیوں سے جدا ہونے لگے۔ فریقین میں زور شور سے رجز پڑھے گئے۔ ہم نے کچھ رجز شرح نہج البلاغہ کی جلد اوّل میں نقل کیے ہیں۔

اس جنگ میں طلحہ مارا گیا، لیکن اس کے قاتل کا کسی کو علم نہ ہوا۔ قولِ مشہور یہ ہے کہ اسے خود اس کے فوجی مروان نے تیر مار کر قتل کیا تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ عثمانؓ کا اصل قاتل ہی طلحہ تھا۔ اسی لیے میں نے اُسے عثمانؓ کے قصاص میں قتل کیا تھا۔

اہلِ بصرہ پروانہ وار بی بی عائشہؓ کے اُونٹ کے گرداگرد جمع ہو رہے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ لوگو! اپنی ماں کا خیال رکھو۔ تمہاری صوم وصلوٰۃ یہی ہے۔ بہرنوع جو بھی اُونٹ کی مہار پکڑتا تھا شیر خدا کے سپاہی اُسے قتل کر دیتے تھے۔ کافی دیر تک فریقین میں جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: جب تک یہ اُونٹ کھڑا رہے گا لوگ یوں ہی قتل ہوتے رہیں گے۔ لہٰذا اس اُونٹ کو گرایا جائے اور اگر یہ نہ گرا تو عرب قوم تباہ ہو جائے گی۔

حضرتؑ کے جانباز فوجی آگے بڑھے اور اُنھوں نے اُونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اُونٹ گرا اور زمین سے سینہ لگایا اور زور زور سے رینگا۔ جیسے ہی اُونٹ گرا تو بی بی کے پروانے تتر بتر ہو گئے۔ ہودج کے گرد جو فولادی زرہیں لگی ہوئی تھی اُنھیں کاٹ دیا گیا اور محمد بن ابی بکرؓ نے آگے بڑھ کر اپنی بہن کو سہارا دیا۔

بی بی نے کہا: ہاتھ بڑھانے والا تُو کون ہے؟

محمدؓ نے جواب دیا کہ میں تیرا ناپسندیدہ بھائی محمدؓ ہوں۔

بی بی نے کہا: فرزندِ خثعمیہ؟

محمدؓ نے کہا: جی ہاں، میری ماں بھی تمھاری دوسری ماؤں سے کم تر نہیں تھی۔

بی بی نے کہا کہ وہ عظیم ماں تھی۔ پھر کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو۔ خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں سلامتی دی ہے۔

محمدؓ نے کہا: البتہ یہ الگ بات ہے کہ آپ کو ہماری یہ فتح پسند نہیں آئی ہوگی۔ آپ کی خواہش تھی کہ آپ کا لشکر کامیابی حاصل کرے اور محمدؓ مارا جائے۔

بی بی نے کہا: اچھا جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا اور تیرا والد ملامت کرنے والا نہیں تھا۔

حضرت علیؑ آگے آئے اور نیزے سے ہودج کو کھٹکھٹا کر فرمایا: کیا رسولؐ خدا نے تجھے یہی وصیت کی تھی؟

بی بی عائشہؓ نے کہا: علیؑ! تم فاتح ہو، اب درگزر کرو۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تو آج تک اپنا غصہ کسی پر پورا نہیں کر سکا۔ جب میں انتقام پر قدرت رکھتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپؑ معاف کر دیتے تو بہتر تھا اور جب میں انتقام پر قادر نہیں ہوتا تو کہتے ہیں اگر آپ صبر کر لیتے تو اچھا تھا!!

جی ہاں، میں جانتا ہوں کہ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور کامیابی کی زکوٰۃ عفو و درگزر ہے۔ پھر آپؑ نے محمد بن ابی بکرؓ سے فرمایا: اپنی بہن کا خیال رکھنا، تیرے علاوہ کوئی دوسرا ان کے قریب نہ جائے۔

پھر حضرت علیؑ کے حکم سے بی بی عائشہ کے ہودج کو بصرہ میں عبداللہ بن خلف کے گھر میں اُتارا گیا۔ آپؑ نے اُونٹ کے متعلق حکم دیا کہ اسے جلا کر راکھ بنا دیا جائے اور اس راکھ کو اُڑا دیا جائے۔

امام علیہ السلام مقتولین جمل کے لاشوں کے پاس سے گزرے۔ آپؑ نے اُنھیں مخاطب کیا اور خصوصی طور پر کعب اور طلحہ کے بے جان اجسام سے خطاب کیا: کسی نے کہا کہ کیا یہ لوگ مرنے کے بعد آپؑ کا کلام سنتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، جس طرح سے قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین نے رسولؐ خدا کے خطاب کو سنا تھا اسی طرح سے ان مقتولین نے بھی میری گفتگو سنی ہے۔ پھر آپؑ نے اعلان کیا کہ جو شخص اپنے مقتولین کو دفن کرنا چاہے تو اُسے اس کی اجازت ہے۔

آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم اپنے مقتولین کو اُنھی کپڑوں میں دفن کرو۔ یہ لوگ شہادت پر محشور ہوں گے اور میں ان کی وفاداری کا گواہ ہوں۔

ابن عباسؓ نے مروان بن الحکم کے لیے امان طلب کی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مروان کو ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو بیعت کرے گا؟

اس نے کہا: جی ہاں، میں بیعت کروں گا، اگرچہ دل مطمئن نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: دل کی باتیں خدا ہی جانتا ہے۔

الغرض مروان نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن امام علیہ السلام نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ یہودیت کا پنجہ ہے۔ اگر اس نے بیس بار بھی میری بیعت کی تو بھی وہ اُسے توڑ ڈالے گا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اسے جانے دو اس کی صُلب سے ایسے افراد پیدا ہوں گے جو اُمت اسلامیہ پر سخت مصائب گرائیں گے۔

زبیر بن عوام کا انجام

جب جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تو اس وقت زبیر بن عوام نے میدانِ جنگ کو

چھوڑ دیا اور وہاں سے نکل کر بصرہ کی ملحقہ آبادی وادی السباع کے قریب پہنچے تو عمر بن جرموز نے اُنھیں قتل کر دیا اور اُن کے سر، تلوار اور انگوٹھی کو اُٹھایا اور امیر المومنین ؑ کی لشکرگاہ پہنچا، اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو اُس نے آپ ؑ کو جنگ کی کامیابی پر مبارک باد پیش کی اور کہا کہ میں اُحنف کا قاصد ہوں اور میں نے زبیر کو قتل کیا ہے۔

یہ کہہ کر اُس نے خورجین سے زبیر کا سر نکال کر امام علیہ السلام کے سامنے پیش کیا اور اس کی تلوار آپ ؑ کے سامنے پھینک دی۔

امیر المومنین ؑ نے اس سے قتل کی تفصیل سنی اور آپ ؑ نے تلوار اُٹھا کر اسے اُلٹ پلٹ کیا اور فرمایا: میں اس تلوار کو جانتا ہوں۔ اس تلوار نے کئی بار رسولؐ خدا کے چہرے سے مصائب کو ہٹایا تھا۔ پھر آپ ؑ نے فرمایا: صفیہ کا فرزند بزدل تھا اور نہ ہی گھٹیا انسان تھا لیکن اس کی اَجل آچکی تھی اور بری موت نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

پھر آپ ؑ نے زبیر کے چہرے کو غور سے دیکھا اور فرمایا: تجھے رسولؐ خدا کی صحبت اور قرابت کا شرف حاصل تھا لیکن شیطان تیرے نتھنے میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے تجھے اس گھاٹ پر پہنچایا۔

ابن جرموز نے کہا: امیر المومنین ؑ! مجھے میرا انعام دیں۔

آپ ؑ نے فرمایا: میں نے رسولؐ خدا سے سنا تھا کہ ابن صفیہ (زبیر) کے قاتل کو دوزخ کی بشارت ہو۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ زبیر کا قاتل ابن جرموز کچھ عرصہ بعد خوارج کے ساتھ شامل ہو گیا تھا اور جنگ نہروان میں حضرت علیؑ کے مخالفین کے ساتھ شریک ہو کر قتل ہو گیا تھا اور یوں رسولؐ خدا کی حدیث سچی ثابت ہوئی۔

اصحابِ جمل کی شکست کے بعد اُن کے لشکرگاہ میں جتنے ہتھیار، جانور اور ساز و سامان تھا وہ سارا جمع کر کے امیر المومنین ؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ؑ نے وہ سارا ساز و سامان اپنے لشکر میں بطورِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ حضرت ؑ کے فوجیوں نے کہا کہ اہلِ بصرہ کو غلام بنایا جائے۔ امیر المومنین ؑ نے نفی میں جواب دیا۔ فوجیوں نے کہا: جب ان کا خون ہمارے لیے

حلال ہے تو پھر ہم اُنھیں غلام اور اُن کی عورتوں کو کنیز کیوں نہیں بنا سکتے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ جو کچھ لشکر گاہ میں ہمارے مقابلہ پر لائے تھے وہ تمہارے لیے مالِ غنیمت ہے اور جو کچھ ان کے گھروں میں ہے وہ اُنھی کا اپنا مال ہے۔ تمھارا اس میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔

جب فوجیوں نے غلام اور کنیز بنانے پر زور دیا تو آپؑ نے فرمایا: خدا کا خوف کرو کیا اُم المومنینؓ کو بھی کنیز بنایا جاسکتا ہے؟

سب نے کہا: نعوذ باللہ! ایسا کرنا ناممکن ہے۔ اس استدلال کے بعد پھر تمام لوگ خاموش ہوگئے۔ جب ان اُمور سے آپؑ فارغ ہوئے تو بصرہ شہر میں داخل ہوئے اور بیت المال کے دروازے کھلوائے۔ وہاں بہت زیادہ دولت رکھی ہوئی تھی۔ آپؑ نے سونے چاندی کے سکّوں کو دیکھ کر فرمایا:

يَا صَفْرَآءُ وَيَا بَيْضَآءُ غُرِّىْ غَيْرِىْ لَقَدْ طَلَّقْتُكِ ثَلَاثًا لَا رَجْعَةَ لِىْ فِيْكِ

"اے سونا و چاندی! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے۔ میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ اب میں تیری طرف رجوع نہیں کر سکتا"۔

آپؑ نے حکم دیا کہ بیت المال کی دولت آپؑ کے اصحاب میں تقسیم کردی جائے اور ہر ایک کو پانچ پانچ سو درہم دیے جائیں۔

آپؑ کے فرمان پر عمل کیا گیا۔ خدا کی قسم نہ تو ایک درہم زیادہ ہوا اور نہ ایک درہم کم ہوا۔ یوں لگا کہ گویا آپؑ کو پہلے سے رقم کی مالیت کا علم تھا اور لینے والے افراد کی تعداد کا بھی علم تھا۔ بیت المال میں ساٹھ لاکھ درہم تھے اور آپؑ کے اصحاب کی تعداد بارہ ہزار تھی۔

بصرہ کے بیت المال سے آپؑ کو بھی پانچ سو درہم ملے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جو کہ جنگ میں شریک نہ تھا۔ اُس نے آپؑ سے کہا کہ میں اپنے جسم کے ساتھ تو آپؑ کے ساتھ موجود نہ تھا البتہ میرا دل آپؑ کے ساتھ تھا، لہٰذا اس مال میں مجھے بھی حصّہ دار بنائیں۔

آپؑ نے اپنے حصّہ کی ساری رقم اُسی کے سپرد کردی اور خود کچھ نہ لیا۔ بیت المال کی تقسیم سے فراغت کے بعد آپؑ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا اور رسولؐ خدا پر درود کے بعد

آپؑ نے فرمایا:

"میں خدا کی نعمت پر اس کی حمد بجالاتا ہوں۔ طلحہ و زبیر دونوں مارے گئے۔ خدا کی قسم! اگر بی بی عائشہؓ حق کی طلب گار ہوتی اور باطل سے اُنھیں نفرت ہوتی تو وہ گھر کو چھوڑ کر میدان میں کبھی نہ آتی۔ اُن کا اُونٹ بدبخت جانور تھا جسے دیکھ کر اُن کے حوصلے بلند ہوتے رہے۔ یہ لوگ باطل کے بہی خواہ بن کر آئے اور ظالم بن کر واپس گئے۔ تمھارے مومن بھائیوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ خدا کی رحمت کے اُمیدوار بنے۔ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر ہیں۔ خدا ہمیں اور اُنھیں فیصلے کے دن اکٹھا کرے گا۔ میں اپنے لیے اور تمھارے لیے خدا سے مغفرت کا خواہاں ہوں"۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ بی بی عائشہؓ کے پاس جائیں اور اُن سے کہیں کہ وہ اپنی تیاری جلد مکمل کریں، تاکہ اُنھیں مدینہ بھیجا جائے۔ ابن عباسؓ پیغام لے کر بی بی کے پاس گئے اور دونوں کے درمیان تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوا۔

مؤرخین کے بیان کے مطابق جنگِ جمل ظہر کے وقت شروع ہوئی تھی اور غروب کے وقت ختم ہوئی تھی۔ کچھ مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ جنگ تین دن تک جاری رہی۔ تیسرے دن امیرالمومنینؑ کو فتح نصیب ہوئی تھی۔

اس جنگ میں پچیس ہزار افراد تہِ تیغ ہوئے۔ امیرالمومنینؑ کے لشکر میں سے چھے ہزار افراد نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا اور انیس ہزار مخالفین اس جنگ میں قتل ہوئے۔

اس جنگ میں چودہ ہزار افراد کے ہاتھ پاؤں کٹے جو کہ ساری زندگی کے لیے اپاج ہوگئے تھے۔ ان کے علاوہ کتنے بچے یتیم ہوئے اور کتنی خواتین بیوہ ہوئیں اور کتنے افراد کو زخم آئے تو ان کا حساب خدا ہی جانتا ہے۔

واقعات کافی طویل ہیں، ہم نے اختصار کے ساتھ ان کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

جنگِ صفین

ہماری آج کی گفتگو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ خلافت کی دوسری جنگ یعنی جنگِ صفین کے حوالے سے ہے۔ یہ جنگ انتہائی پُرخطر تھی اور اس کے واقعات سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ جنگ باطل نظریے کے تحت شروع کی گئی تھی اور فریب کاری پر اس کا اختتام ہوا۔ جنگ کے تمام واقعات میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی عدالت وعصمت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور قدم قدم پر مخالفین کی عیاریاں واضح ہوتی ہیں۔

جب جنگِ جمل کا اختتام ہوا اور امیر المومنین مظفر ومنصور ہوکر کوفہ آئے تو آپؑ نے معاویہ کے نام خط لکھا کہ تم ہماری بیعت کرو۔

ادھر معاویہ نے خط آنے سے پہلے شام کے دنیا طلب مشاہیر کو بھاری رقم رشوت کے طور پر دی کہ تم لوگ ملکِ شام میں یہ منادی کرو کہ علیؑ نے مدینہ میں عثمانؓ کو ناحق قتل کرایا ہے اور اب اس کی جگہ خلافت پر تسلط کرلیا ہے، اور معاویہ خونِ عثمانؓ کا وارث ہے اور وہ خونِ عثمانؓ کے انتقام کا طلبگار ہے، لہٰذا تمام لوگوں کو اس اقدام کے لیے معاویہ کی حمایت کرنی چاہیے۔

معاویہ نے عمرو بن العاص کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ اس نے اپنی شمولیت کی یہ شرط عائد کی کہ اگر معاویہ مصر کی حکومت اس کے سپرد کرے تو وہ اس کی حمایت کرے گا۔

معاویہ نے اس کی شرط تسلیم کرلی۔ پھر معاویہ اہلِ شام کا بہت بڑا لشکر لے کر شام سے عراق پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، اور صفین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ ملکِ شام

میں رقہ شہر کے قریب واقع ہے اور یہاں سے دریائے فرات گزرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر معاویہ کے ساتھیوں نے دریا کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔

اس کے جواب میں حضرتِ مالک اشترؓ چار ہزار مجاہدین کا ابتدائی دستہ لے کر روانہ ہوئے۔ اُنھوں نے معاویہ کے جرنیل ابوالاعور سلمی اور اس کی سپاہ کو گھاٹ سے ہٹا دیا۔

چند دن تک یہی کیفیت رہی۔ پھر معاویہ بہت بڑا لشکر لے کر وہاں پہنچا۔ مالک اشترؓ نے گھاٹ خالی کر دیا۔ معاویہ کے لشکر نے دوبارہ گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔ معاویہ کی فوج میں ایک لاکھ افراد سے بھی زیادہ افراد شامل تھے۔

ادھر امام علی علیہ السلام بھی اپنا لشکرِ جرار لے کر وہاں پہنچ گئے۔ آپؑ نے صعصعہ بن صوحان کو معاویہ کے پاس بھیجا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ گھاٹ کو خالی کردے اور فریقین کو پانی بھرنے کی کھلی اجازت ہونی چاہیے۔ لیکن معاویہ اپنی طاقت کے نشے میں دُھت تھا۔ اس نے گھاٹ خالی کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی فوج سے کہا کہ تم نے ہر قیمت پر گھاٹ پر قبضہ قائم رکھنا ہے۔ گھاٹ پر قبضہ ہماری پہلی فتح ہے۔

معاویہ کے لشکر میں سے ایک شخص کھڑا ہوا (جسے ہمدانی متعبد کہا جاتا تھا)۔ اس نے معاویہ سے کہا کہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔ تم پہلے آئے ہو تم نے گھاٹ پر قبضہ کرلیا ہے اور اگر علیؑ پہلے آجاتے تو وہ گھاٹ پر کبھی قبضہ نہ کرتے۔ پانی سب کے لیے ہے۔ علیؑ کے لشکر میں کچھ غلام اور مزدور اور کمزور افراد بھی ہوں گے۔ ان کا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ اِقدام تمھاری طرف سے پہلا ظلم ہے۔

معاویہ نے بڑی سختی سے اُسے جواب دیا اور عمرو بن العاص سے کہا کہ تم اپنے دوست کو چپ کراؤ۔ عمرو بن العاص نے اس کی بے عزتی کی۔ جیسے ہی رات ہوئی تو وہ تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر معاویہ کے لشکر سے نکلا اور حضرت علیؑ کے لشکر میں شامل ہوگیا۔

امیرالمومنینؑ اور آپؑ کا لشکر پورے آٹھ پہر تک پیاسا رہا۔

عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا: علیؑ کبھی پیاسا نہیں مرے گا۔ اس کے ساتھ نوے ہزار عراقی فوجی موجود ہیں اور ان کے پاس تلواریں بھی ہیں، لہٰذا دانش مندی سے کام لو،

گھاٹ سے پہرہ اُٹھا دو اور گھاٹ کو سب کے لیے کھلا چھوڑ دو۔

معاویہ نے کہا: خدا کی قسم! میں انھیں پیاس سے ہلاک کروں گا جیسا کہ عثمانؓ پیاسا مرا تھا۔

ادھر اصحابِ علیؑ نے آپؑ سے پُرزور مطالبہ کیا کہ گھاٹ آزاد کرائیں۔ آخرکار آپؑ نے اجازت دی۔ اشعث نے آواز دی: لوگو! میں پانی چھڑانے جا رہا ہوں جو میرے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہے وہ آجائے۔

اس آواز پر بارہ ہزار قبیلہ کندہ کے افراد تلواریں لے کر پہنچے۔ اُدھر مالک اشترؒ اپنا دستہ لے کر آئے اور اُنھوں نے معاویہ کے لشکر پر زور کا حملہ کیا۔ کچھ دیر کی مزاحمت کے بعد معاویہ کے فوجی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی اثناء میں کئی افراد دریا میں ڈوب مرے۔ الغرض گھاٹ امیرالمومنینؑ کی سپاہ کے ہاتھ میں آگیا۔ اُنھوں نے اعلان کیا کہ اب ہم معاویہ کے ساتھیوں کو پانی بھرنے نہیں دیں گے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: نہیں، ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ پانی ہر جاندار کی ضرورت ہے، لہٰذا ہماری طرف سے ہر شخص کو پانی بھرنے کی اجازت ہے۔

امیرالمومنینؑ نے پوری کوشش کی کہ جنگ نہ ہونے پائے، لیکن معاویہ نے آپؑ کی مصالحانہ کوششوں کی پرواہ نہ کی جس کی وجہ سے جنگ شروع ہوگئی اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ پہلے تیراندازوں نے حملہ کیا۔ جب دونوں طرف کے تیر ختم ہوگئے تو نیزہ بردار آگے بڑھے۔ اس کے بعد شمشیرزن افراد کی باری آئی اور ہر طرف سے لوہے سے لوہا ٹکرانے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ میدان کی دھول کی وجہ سے سورج گہنا گیا۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ہر فریق کی یہ خواہش تھی کہ جنگ کا نتیجہ اس کے حق میں نکلے، اسی لیے مسلسل چھتیس گھنٹے تک جنگ جاری رہی۔ لشکرِ شام میں کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگے اور وہ یہ دہائی دینے لگے:

اے اہلِ عراق! خدا کے لیے ترس کھاؤ۔ آج پورا عرب تباہ ہونے کو ہے۔ جوں جوں لمحات گزر رہے تھے۔ اس قدر شامی لشکر نڈھال ہو رہا تھا۔ معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا

کہ تم بڑے عیار ہو۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ ہم یقینی شکست سے بچ جائیں۔

عمرو بن العاص نے کہا: اس کے لیے بس یہی حیلہ ہے کہ نیزوں پر قرآن بلند کیے جائیں اور عراقی لشکر سے کہا جائے کہ لڑائی بند کردے اور قرآن کے فیصلے کے مطابق اس مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔

جیسے ہی صبح ہوئی تو اہلِ شام نے نیزوں پر قرآن بلند کیے اور دہائی دی کہ جنگ بند کردو، کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: لوگو! ان کے دھوکے میں مت آؤ، یہ لوگ قرآن کا فیصلہ ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ تمھیں صرف دھوکا دینا چاہتے ہیں اور یقینی شکست سے بچنا چاہتے ہیں۔

جب قرآن بلند ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔ کچھ کہنے لگے کہ جنگ جاری رہنی چاہیے اور کچھ کہنے لگے کہ جنگ روک دی جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فوجیوں کو بہتیرا سمجھایا کہ یہ لوگ اہلِ قرآن نہیں ہیں۔ یہ ان کا ایک جنگی حربہ ہے، لہٰذا استقامت سے کام لو اور باطل کا خاتمہ کردو۔

مورخ مسعودی کے بقول یہ جنگ اپنے آغاز سے لے کر لیلۃ الہریر تک ایک سو دس دنوں تک وقفے وقفے سے لڑی جاتی رہی۔ اس میں شامیوں کے نوے ہزار افراد قتل ہوئے اور اہلِ عراق سے بیس ہزار افراد قتل ہوئے۔

مالک اشترؓ جنگ کرنے میں مصروف تھے کہ اہلِ عراق کے بیس ہزار افراد امیرالمومنینؑ کے سامنے آئے اور یہ لوگ اتنے بڑے نمازی تھے کہ کثرتِ سجود کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر سیاہ داغ پڑے ہوئے تھے اور انھوں نے آپؑ کو امیرالمومنینؑ کے بجائے آپؑ کے اصلی نام سے مخاطب کیا اور کہا کہ آپؑ قرآن کا فیصلہ تسلیم کریں، ورنہ ہم آپؑ کو اسی طرح سے قتل کردیں گے جیسا کہ ہم نے عثمانؓ کو قتل کیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، میں قرآن سے کیسے انحراف کرسکتا ہوں، جبکہ سب سے پہلے میں قرآن اور رسولِ اسلامؐ پر ایمان لایا ہوں۔ میں تمھیں صرف خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ان کا دھوکا ہے۔ یہ لوگ قرآن پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔

اس وقت جنگ فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی اور اگر ایک گھنٹہ مزید جاری رہتی تو معاویہ کو اَبدی شکست ہو جاتی۔ لیکن ان نادان لوگوں نے حضرتؑ سے کہا کہ آپؑ مالکؓ کو واپس بلائیں ورنہ ہم آپؑ کو قتل کر دیں گے۔

حضرتؑ نے اپنا ایک قاصد مالکؓ کے پاس بھیجا کہ اب تم واپس آجاؤ۔ مالکؓ نے قاصد سے کہا کہ امیرالمومنینؑ سے جا کر کہہ دو کہ کچھ دیر کے لیے صبر کریں، کیونکہ حق کی کامیابی کی گھڑی قریب آچکی ہے۔

قاصد نے امیرالمومنینؑ کو مالک اشترؓ کا پیغام پہنچایا لیکن حضرتؑ کے غدار ساتھیوں نے کہا: اگر مالکؓ واپس نہ آیا تو ہم تجھے قتل کریں گے، یا گرفتار کر کے معاویہ کے حوالے کر دیں گے۔

آپؑ نے بادلِ نخواستہ پھر قاصد روانہ کیا۔ مالک اشترؓ نے کہا کہ مجھے چند لمحات اور دے دیں۔ اس کے بعد میں حاضر ہو جاؤں گا۔

قاصد نے کہا: مالکؓ! کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ مخالفین امیرالمومنینؑ کو قتل کر دیں؟!! اور اگر تم ایسا نہیں چاہتے تو جنگ سے ہاتھ اٹھا لو۔

اشترؓ بڑے غضب ناک ہو کر واپس آئے اور اپنے باغی ساتھیوں سے فرمایا: اے ذلیل لوگو! جب تم کامیابی حاصل کرنے ہی والے تھے تو دشمن نے تمہیں دھوکا دینے کے لیے قرآن بلند کیے۔ ان کے جال میں نہ پھنسو، مجھے مہلت دو، فتح کی گھڑی قریب ہے۔ مالک اشترؓ باغیوں میں کافی تو تکرار ہوئی۔ پھر باغیوں نے ازخود یہ اعلان کر دیا کہ امیرالمومنینؑ تحکیم پر راضی ہو گئے ہیں، لہٰذا جنگ بند کی جاتی ہے۔

اس اثنا میں امامؑ خاموش تھے۔ جب لشکر میں خاموشی چھا گئی تو آپؑ نے فرمایا: لوگو! کل تک تو میں تمہارا حاکم تھا اور آج تمہارا محکوم بن چکا ہوں۔ اب اگر تم خود ہی جنگ سے جی چرانے لگے ہو تو میں تمہیں کیسے مجبور کر سکتا ہوں۔

اشعث جو کہ اس فتنہ کی جڑ تھا وہ امام علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپؑ اجازت دیں میں آپؑ کا قاصد بن کر معاویہ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے اجازت دی۔ اشعث

معاویہ کے پاس گیا اور کہا کہ تم نے قرآن کیوں بلند کیے ہیں؟

معاویہ نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں کہ قرآن کے مطابق فیصلہ ہو۔ ایک شخص کو تم حَکم مقرر کرو اور ایک کو ہم حَکم بناتے ہیں۔ ان دونوں سے قسم لی جائے کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کریں گے اور کوئی کمی بیشی نہ کریں گے۔

الغرض اشعث واپس آیا اور فریقین میں سے ایک ایک جماعت آگے بڑھی اور حکم کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اہلِ شام نے کہا کہ ہماری طرف سے عمرو بن العاص حکم ہوگا۔ اُدھر اشعث اور دوسرے منافقین نے کہا کہ ہماری طرف سے ابوموسیٰ اشعری حکم ہوگا۔

امام علیہ السلام نے ابوموسیٰ کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ اس کے بجائے ابن عباسؓ ہماری طرف سے حَکم ہوگا۔ لیکن منافقین نے کہا کہ وہ آپؑ کا رشتہ دار ہے، اسی لیے وہ حَکم نہیں بن سکتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو میری طرف سے مالک اشترؓ حَکم ہوگا لیکن اشعث کی جماعت نے ابوموسیٰ پر ہی اصرار جاری رکھا۔

امام علیہ السلام نے یہ حالت دیکھی تو بڑے درد سے فرمایا: تم کیسے لوگ ہو۔ معاویہ کی بات مانی جارہی ہے اور میری بات تم نہیں مانتے ہو۔ اب جو تمہارے جی میں آئے کرتے پھرو۔

اس وقت ابوموسیٰ شام میں تھا۔ اُسے بلایا گیا تو وہ امام علیہ السلام کی لشکرگاہ میں آیا۔ وہ اشترؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میں ہی حَکم بنوں گا۔

احنف بن قیس امام علیہ السلام کے پاس گئے اور اُنھوں نے آپؑ کو اشعری سے خبردار کیا اور کہا: یہ شخص انتہائی کمزور ذہنیت رکھتا ہے اسے آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔

امام علیہ السلام نے احنف کی تائید کی، لیکن آپؑ کے باغی فوجیوں نے یہ اصرار کیا کہ ابوموسیٰ ہی حَکم ہوگا۔ پھر ایک معاہدہ تحریر کیا گیا جس میں یہ عبارت تھی:

"یہ وہ معاہدہ ہے جس پر امیرالمومنین علیؑ اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان اتفاق ہوا ہے......

جب معاویہ نے اس تحریر کو پڑھا تو کہا کہ اگر میں علیؑ کو امیرالمومنین مانتا تو پھر میں ان سے جنگ ہی کیوں کرتا!!

معاہدہ نامہ حضرتؑ کے پاس لوٹایا گیا تو آپؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے لفظ امیرالمومنین کومٹا دیا جائے۔

احنف نے کہا: یہ لفظ قائم رہنا چاہیے۔ اشعث نے پھر مخالفت کی اور کہا کہ اس لفظ کو مٹا دینا چاہیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے قبل حدیبیہ میں جب معاہدہ لکھا گیا تھا تو اس معاہدے کی عبارت یہ تھی:

"یہ وہ معاہدہ ہے جس کی شرائط کے تحت محمدؐ رسول اللہ اور سہیل بن عمرو میں مصالحت ہوئی ہے"۔

اس وقت سہیل نے یہ کہا تھا کہ اگر میں "محمدؐ" کو اللہ کا رسول مانتا تو پھر اُن سے جنگ کیوں کرتا اور مخالفت کیوں کرتا؟ اس کے بجائے یہاں محمدؐ بن عبداللہ لکھا جائے۔

اس وقت رسولِ خدا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ یہاں "رسول اللہ" کے مٹانے سے میری رسالت مٹ نہیں جائے گی۔ معاہدہ میں یہ لفظ ہو یا نہ ہو، میں پھر بھی اللہ کا رسولؐ ہی رہوں گا، لہٰذا معاہدہ کی عبارت میں سے لفظ "رسول اللہ" کو کاٹ دیا جائے۔

وہ معاہدہ میں نے لکھا تھا اس وقت وہ معاہدہ مشرکین کے لیے لکھا تھا اور آج ان کی اولاد کے لیے معاہدہ لکھ رہا ہوں۔

عمرو بن العاص نے کہا: کیا آپؑ ہمیں کفار سے تشبیہ دے رہے ہیں جب کہ ہم مسلمان ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: فرزند نابغہ! تو خود ہی بتا کہ تُو کافروں کا کب دوست نہیں تھا اور مسلمانوں کا کب دوست تھا؟ الغرض معاہدہ طے ہوگیا۔ معاہدے کے اُوپر "امیرالمومنین" کی مہر لگائی گئی اور نیچے معاویہ کی مہر لگائی گئی اور گواہوں نے اس تحریر پر اپنے دستخط ثبت کیے۔

خوارج کا ظہور

اشعث معاہدہ کی کاپی لے کر آیا اور لوگوں کے سامنے اس کی عبارت پڑھی۔ اس

وقت فوج میں کھلبلی مچ گئی اور خوارج نمودار ہوئے اور انھوں نے لَاحُکمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ اشعث! ہمارے مقتول کہاں جائیں گے؟

کچھ لوگ اشعث کو قتل کرنے کے لیے اُٹھے۔ خوارج امام علیہ السلام کے پاس آئے اور انھوں نے تحکیم پر اعتراض کیا اور کہا کہ آپؑ معاہدہ منسوخ کردیں اور جنگ شروع کردیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا عہد و میثاق کے بعد ہم معاہدہ سے منحرف ہوجائیں؟ کیا اللہ نے عہد و معاہدہ کی پابندی کا حکم نہیں دیا؟ پھر آپؑ نے اس سلسلے کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔

خوارج نے امام علیہ السلام سے بیزاری اختیار کی۔ حضرتؑ کا باقی لشکر آیا اور آپؑ سے حملے کی اجازت طلب کی تو آپؑ نے فرمایا: اگر تم پہلے انھی جذبات کا اظہار کرتے تو میں جنگ کبھی بند نہ کرتا۔

اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے۔ پھر چند ماہ بعد دومۃ الجندل کے مقام پر حکمین فیصلہ کے لیے جمع ہوئے۔ لوگوں نے ابوموسیٰ سے کہا کہ ہوشیار رہنا، تجھے بڑے مکار سے مذاکرات کرنے ہیں، لہٰذا ہوشیار رہنا۔ کہیں وہ تجھے دھوکا نہ دے جائے۔

الغرض حکمین اکٹھے ہوئے تو عمرو نے کہا: ابوموسیٰ بات کریں۔

اس نے کہا: تم بات کرو۔

عمرو نے کہا: آپ کو خدا نے بڑا مقام اور مرتبہ عطا کیا ہے لہٰذا میں پہل نہیں کرسکتا۔

عمرو عاص نے کہا: آپ ایک بزرگ آدمی ہیں۔ آپ اُمت اسلامیہ کو خون ریزی سے بچاسکتے ہیں، لیکن جب تک علیؑ عراق میں اور معاویہ شام میں ہے یہ جنگ ہرگز بند نہ ہوگی۔ بہتر ہے کہ ان دونوں کو معزول کردیا جائے اور مسلمانوں کو آزادی ہو۔ وہ جسے چاہیں اپنا حاکم مقرر کریں۔

ابوموسیٰ نے کہا: یہ تجویز معقول ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

عمرو بن العاص نے کہا کہ وہ حکومت پر راضی نہ ہوگا۔

ابوموسیٰ نے کہا: جب لوگ اس سے پُرزور مطالبہ کریں گے تو وہ قبول کرے گا۔

عمرو بن العاص نے کہا: کیا سعد بن ابی وقاص کو خلیفہ نہ بنایا جائے؟

ابوموسیٰ نے کہا: میں اس پر راضی نہیں ہوں۔

عمرو بن العاص نے کچھ اور افراد کے نام بھی لیے لیکن ابوموسیٰ راضی نہ ہوا۔

عمرو بن العاص نے ابوموسیٰ سے کہا کہ لیجیے خیمہ سے باہر چلیں اور اعلان کریں۔

ابوموسیٰ نے کہا: تم خود اعلان کرو۔

عمرو بن العاص نے کہا: آپ جیسے جلیل القدر صحابی کی موجودگی میں میں بیعت نہیں کر سکتا۔

ابوموسیٰ اُٹھا اور خطبہ دیا اور کہا: لوگو! ہم نے اس معاملہ پر خوب غور وخوض کی ہے۔ ہم نے مسلمانوں کو بچانے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کرتے ہیں۔ میں نے علیؑ کو خلافت سے ایسے معزول کیا ہے جیسا کہ اپنے سر سے عمامہ کو اُتار رہا ہوں۔

عمرو بن العاص اُٹھا اور کہا: لوگو! تم نے علیؑ کے نمایندے کی گفتگو سنی اس نے اپنے ساتھی کو خلافت سے معزول کر دیا ہے۔ میں اس کی تائید کرتے ہوئے علیؑ کو معزول کرتا ہوں اور معاویہ کو بحال کرتا ہوں۔

اس وقت اشعری نے چیخ کر کہا: ہم نے دونوں کو معزول کیا ہے۔ یہ شخص جھوٹ بولتا ہے اور غداری کر رہا ہے۔

مثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث

جواب میں عمرو نے کہا کہ خدا تجھے غارت کرے تیری مثال وہی ہے جو سورۂ جمعہ میں اہل کتاب کے لیے پیش کی گئی ہے۔

عمرو نے ابوموسیٰ کو تھپڑ مارا اور وہ گر پڑا۔ شریح نے عمرو کو کوڑا مارا۔ اشعری اپنی سواری پر سوار ہوا اور شرمندگی چھپانے کے لیے مکہ چلا گیا اور قسم کھائی کہ آیندہ میں علیؑ کے چہرے کی طرف نگاہ نہیں کروں گا۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اور خوارج

حکمین کی تقرری کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام صفین سے روانہ ہوئے اور کوفہ تشریف لائے۔ حکمین کے فیصلہ تک آپؑ کوفہ ہی میں رہے، یہاں تک کہ تحکیم کا دھاندلی زدہ فیصلہ آ گیا۔ اس بدترین فیصلہ میں امام علیہ السلام کو خلافت سے معزول کیا گیا اور معاویہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔

یہیں سے خوارج کے مذہب نے جنم لیا۔ امام علیہ السلام سال پورا ہونے کا انتظار کرتے رہے کیونکہ معاویہ سے ایک سال کی جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا۔ آپؑ چاہتے تھے کہ جنگ بندی کا عرصہ ختم ہو تو معاویہ کے خلاف حملہ کیا جائے۔ ابھی آپؑ حاکمِ شام کے خلاف تیاریوں میں مصروف تھے کہ کوفہ کے عابد و زاہد چار ہزار افراد نے امام علیہ السلام کے خلاف گروہ بندی کی اور خروج کا اعلان کر دیا۔ اُنھوں نے لَاحُکمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ علیؑ نے حَکَم مقرر کر کے حکمِ خدا کی نافرمانی کی ہے لہٰذا اس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

ان کے ساتھ آٹھ ہزار اور افراد بھی شامل ہو گئے اور یوں ان کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی اور یہ کوفہ سے نکل کر "حروراء" کے مقام پر فروکش ہوئے اور یہ اعلان کیا کہ امیرِ جنگ شبث بن ربعی ہو گا اور امام الصلاۃ عبداللہ بن الکواء ہو گا اور فتح کے بعد شوریٰ کے ذریعے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے گا اور بیعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد پر ہو گی۔

زرعہ طائی اور حرقوص بن زہیر (ذوالثدیہ) امام علیہ السلام کے پاس آئے اور لَاحُکمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ بلند کیا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے لیکن اس سے مقصود باطل ہے۔

ذوالشدیہ نے امام علیہ السلام سے کہا کہ آپؑ اپنی غلطی سے توبہ کریں ہم آپؑ کا ساتھ دیں گے اور آپؑ کے دشمن سے جنگ کریں گے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: میں جنگ ہی چاہتا تھا لیکن اس وقت تم نے نافرمانی کی اور اب ہمارے اور ہمارے مخالف کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے پاچکا ہے اور ہم نے ایک دوسرے سے پختہ وعدہ کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے معاہدے کی پابندی کا حکم دیا ہے۔

ذوالشدیہ نے کہا: آپؑ نے گناہ کیا ہے اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ تمہاری رائے کی عاجزی اور تمہارے قول کی کمزوری تھی۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نہیں مانے تھے۔

ابن کواء نے کہا کہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپؑ امام نہیں ہیں۔ اگر آپؑ امام ہوتے تو جنگ کا فیصلہ ہونے سے قبل واپس نہ آتے۔

آپؑ نے فرمایا: رسولؐ خدا بھی حدیبیہ کے سال جنگ کے بغیر واپس آئے تھے۔

زرعہ نے کہا: اگر آپؑ نے توبہ نہ کی تو میں آپؑ کو قتل کردوں گا اور اس سے خدا کی رضا طلب کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تجھ پر ہلاکت ہو تُو بڑا ہی بدنصیب ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تُو قتل ہو چکا ہے اور تجھ پر ہوائیں گردوغبار اُڑا رہی ہیں۔

زرعہ نے کہا: میں بھی یہی چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے خوارج کو سمجھانے کی غرض سے عبداللہ بن عباسؓ، صعصعہؓ بن صوحان اور زیاد بن نضرؓ کو بھیجا، لیکن خوارج نے ان کی بات نہ مانی۔

امام علیہ السلام اتمامِ حجت کے لیے بنفسِ نفیس ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ جب مخالفین نے قرآن بلند کیے تھے تو میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ دھوکا اور مکاری ہے اور اگر وہ قرآنی فیصلے کے قائل ہوتے تو میرے پاس آتے اور قرآنی حکم پر بحث کرتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تحکیم کا میں شدید مخالف تھا؟

خوارج نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم نے ہی مجھے جنگ سے روکا تھا اور میں نے مجبور ہو کر تمہاری بات مانی تھی اور میں نے شرائط میں یہ شرط بھی رکھی تھی کہ حکمین نے اگر قرآن کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ قابلِ قبول ہوگا ورنہ ہم اس فیصلہ کو مسترد کر دیں گے۔

ابن کواء نے کہا کہ آپؑ نے ہماری رائے سے ہی تحکیم کو قبول کیا تھا۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے کفر کیا تھا، لیکن اب ہم توبہ کر چکے ہیں۔ آپؑ بھی ہماری طرح سے اپنے کفر کا اقرار کریں پھر توبہ کریں۔ ہم آپؑ کے ساتھ شام جائیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تحکیم حرام ہوتی تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے جھگڑے کی صورت میں حکم مقرر کرنے کا حکم کیوں دیتا؟ اور اگر تحکیم کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے نصف درہم کے مساوی جانور کے شکار کے لیے دو فیصلہ کرنے والوں کے فیصلہ کا حکم کیوں دیا؟

خوارج نے کہا کہ جب عمرو بن العاص نے معاہدے کی عبارت پر اعتراض کیا تو آپؑ نے خلیفۃ المسلمین کا لفظ مٹا دیا تھا اور اس کی جگہ صرف علیؑ بن ابی طالبؑ لکھا تھا۔ جب خلافت سے آپؑ نے اپنا نام خود ہی مٹایا ہے تو اب آپؑ خلیفہ نہیں رہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے فعلِ پیغمبرؐ کی تقلید کی ہے۔ حدیبیہ کے صلح نامہ پر سہیل بن عمرو نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ہم آپؐ کو رسول اللہ نہیں مانتے، لہٰذا اس لفظ کو کاٹ دیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹ دیئے تھے اور "محمد بن عبداللہ" لکھا تھا تو کیا خیال ہے کہ اس کے بعد پیغمبرؐ خدا اللہ کے رسولؐ تھے یا نہیں؟

جب رسولؐ خدا نے لفظ "رسول اللہ" کاٹا تھا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس جیسا واقعہ تجھے بھی پیش آئے گا۔

خوارج نے کہا: ہم نے بہت بڑا گناہ کیا ہے اور ہم نے توبہ کی ہے۔ آپؑ بھی ہماری طرح سے توبہ کریں تو ہم آپؑ کا ساتھ دیں گے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اَسْتَغْفِرُ اللهَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ۔

یہ سنا تو چھ ہزار افراد کوفہ واپس آ گئے اور یہاں پہنچ کر یہ بات مشہور کی کہ علیؑ نے تحکیم کے متعلق اپنا نظریہ بدل لیا ہے اور تحکیم پر قائم رہنے کو گمراہی اور کفر تسلیم کر لیا ہے۔ اس

وقت علیؑ انکار کر رہے ہیں کہ جانور موٹے تازے ہو جائیں اور مال آجائے تو پھر وہ شام پر حملہ کریں گے۔

اشعث آپؑ کے پاس آیا اور کہا کہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپؑ نے تحکیم کو کفر مان لیا ہے تو کیا یہ بات درست ہے؟

امیر المومنین علی علیہ السلام نے خطبہ دیا اور فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے تحکیم کو کفر قرار دیا ہے تو وہ شخص جھوٹ بولتا ہے اور جو تحکیم کو گمراہی سمجھتا ہے وہ خود گمراہ ہے۔

یہ اعلان سنا تو خوارج مسجد سے نکل گئے اور جتھہ بنا کر نہروان کی طرف روانہ ہوئے۔

خوارج کی تباہ کاریاں اور اُن کا انجام

خوارج کے متعلق بہت سی داستانیں منقول ہیں۔ کچھ تو قابلِ گریہ ہیں اور کچھ مضحکہ خیز ہیں۔ خوارج کا قافلہ جا رہا تھا۔ راستے میں اُنھیں دو افراد ملے۔ ایک مسلمان تھا اور دوسرا نصرانی تھا۔ اُنھوں نے مسلمان کو قتل کر دیا کیونکہ وہ ان کے عقیدہ کی حمایت نہ کرتا تھا اس لیے اُنھوں نے اسے کافر قرار دے کر قتل کر دیا اور نصرانی کے متعلق کہا کہ اس کی حفاظت کرو یہ تمھارے نبیؐ کی امانت ہے۔

ایک کھجور کے نیچے چند خرما کے دانے گرے پڑے تھے۔ ایک خارجی نے ایک دانہ اُٹھا کر منہ میں ڈالا تو باقی خوارج چیخ اُٹھے اور اس سے کہا: بھائی! یہ کام نہ کرو یہ تو زمین میں فساد پیدا کرنا ہے!! اس شخص نے وہ دانہ تھوتھو کر کے نکال دیا۔

یہ قافلہ جا رہا تھا کہ راستے میں خنزیر ملا۔ ایک خارجی نے اُسے مار ڈالا۔ دوسروں نے کہا کہ جانوروں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ ایسا کرنا فساد فی الارض ہے۔

ایک نصرانی سے خرما کی قیمت پر بحث شروع کی اور اُنھوں نے کہا: ہم کسی بھی انسان کی کوئی چیز قیمت دیے بغیر نہیں کھاتے۔

نصرانی نے کہا: عجیب لوگ ہو ایک طرف سے اتنے پرہیزگار ہو اور عبداللہ بن خباب جیسے عابد و زاہد کو قتل کرتے ہو؟!

عبداللہ بن خباب ازدی گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی حاملہ بیوی بھی تھی۔

خوارج نے کہا: کوئی حدیث بیان کرو۔ اُنھوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میرے بعد ایسا فتنہ بپا ہوگا کہ اس میں انسان کا دل ایسے مر جائے گا جیسا کہ اس کا بدن مرتا ہے۔ شام کے وقت مومن ہوگا اور صبح کے وقت کافر ہوگا۔ اس دور میں مقتول بننا پڑے تو بن جانا، لیکن قاتل نہ بننا"۔

خوارج نے کہا: تم شیخین کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہو؟

اُنھوں نے ان کی تعریف کی۔

پھر کہا کہ عثمانی حکومت کے پہلے چھے سالہ دور کے متعلق کیا کہتے ہو؟

اُنھوں نے اس عرصہ کی تعریف کی۔

اُنھوں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تحکیم کے بعد علیؑ کو کیا سمجھتے ہو؟

عبداللہ بن خباب نے کہا کہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور اعلیٰ درجے کے متقی اور پرہیزگار انسان ہیں اور وہ انتہائی بابصیرت فرد ہیں۔

خوارج نے کہا: تو خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور تو بڑے بڑے نام سن کر اُن کی اتباع کرتا ہے۔ پھر اُسے دریا کے کنارے لے گئے اور اُسے لٹا کر ذبح کر دیا۔ پھر ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر دیا۔

الغرض خوارج نہروان پہنچے اور امام علیہ السلام اپنا لشکر لے کر اُن کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا: آپ ان لوگوں کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں اور آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟

ابن عباسؓ اُن کے پاس گئے اور خوارج کے لیڈر عتاب اور ابن عباسؓ میں حسب ذیل گفتگو ہوئی جسے ہم مکالمہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

ابن عباسؓ: اسلام کی بنیاد کس نے رکھی؟

عتاب: اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اسلام کی بنیاد رکھی ہے۔
ابن عباسؓ: کیا پیغمبر اکرمؐ نے اسلام کے حدود و قواعد کو واضح کیا تھا یا نہیں؟
عتاب: جی ہاں واضح کیا تھا۔
ابن عباسؓ: کیا نبی دارالاسلام میں باقی ہیں یا رحلت فرما چکے ہیں؟
عتاب: وہ رحلت فرما چکے ہیں۔
ابن عباسؓ: آپؐ کی رحلت کے ساتھ اُمورِ شرع کی بھی رحلت ہو چکی ہے یا باقی ہیں؟
عتاب: آپؐ کے بعد بھی باقی ہیں۔
ابن عباسؓ: نبی اکرمؐ کی قائم کردہ عمارت کو کس نے بعد میں قائم رکھا؟
عتاب: ذُریت اور صحابہ نے۔
ابن عباسؓ: کیا اصحاب اور ذُریت نے دین کی عمارت کو آباد رکھا ہے یا خراب کر دیا ہے؟
عتاب: آباد رکھا ہے۔
ابن عباسؓ: کیا اب بھی دین کی عمارت آباد ہے یا ویران ہے؟
عتاب: آج کل حالات خراب ہیں۔
ابن عباسؓ: خرابی صحابہ نے پیدا کی ہے یا ذُریت نے؟
عتاب: ان میں سے کسی نے بھی نہیں۔ اسے اُمت نے خراب کیا ہے۔
ابن عباسؓ: تیرا تعلق صحابہ سے ہے یا ذُریت سے؟
عتاب: میرا تعلق اُمت سے ہے۔
ابن عباسؓ: تیرا تعلق اُمت سے ہے جس نے اسلام کے گھر کو ویران کیا ہے۔ پھر تجھے جنتی ہونے کی اُمید کیسے ہے؟

خوارج نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ علیؑ بنفس نفیس آئیں، ممکن ہے کہ ان کی گفتگو سے ہمیں تسکین حاصل ہو۔

ابن عباسؓ واپس آئے اور صورتِ حال سے امام علیہ السلام کو آگاہ کیا۔ آپؑ ایک گروہ کو ساتھ لے کر خوارج کی جماعت کی طرف روانہ ہوئے۔ مقابلہ میں ابن الکواء بھی اپنے

ساتھیوں سمیت آپؑ کے سامنے آیا۔ جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے آئے تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

ابن الکواء! مسائل زیادہ ہیں، اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو میرے پاس بھیجو، تاکہ اس سے گفتگو کی جائے۔ ابن الکواء نے کہا کہ کیا میں آپ کی تلوار سے مطمئن ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا: جی بالکل۔ ابن الکواء دس ساتھیوں کو لے کر امام علیہ السلام کے سامنے آیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اہلِ شام مصاحف کو اُٹھا کر تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں کیونکہ جنگ نے اُنھیں تھکا دیا ہے۔ لھٰذا ان کے دھوکے میں نہ آؤ لیکن تم نے انکار کیا تھا؟

میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ابن عباسؓ میری نمائندگی کریں گے، کیونکہ وہ دھوکا کھانے والا نہیں ہے۔ لیکن تم نے یہ کہا تھا کہ نمائندگی صرف ابوموسیٰ ہی کریں گے۔ مجھے مجبور ہو کر یہ بات ماننی پڑی تھی؟ اگر اس وقت مجھے کچھ مددگار مل جاتے تو میں تمہاری اس بات کو کبھی قبول نہ کرتا۔ میں نے تمہارے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ حکمین کا فیصلہ اس وقت قابلِ قبول ہوگا جب ان کا فیصلہ قرآن اور سنتِ جامعہ کے مطابق ہوگا۔ اور اگر ان کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق نہ ہوا تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

ابن الکواء نے کہا کہ آپؑ نے بالکل درست کہا ہے۔ اب آپؑ کو کیا مجبوری ہے کہ آپؑ دشمن کی طرف کیوں نہیں جاتے؟

آپؑ نے فرمایا: ان سے جنگ بندی کی جو میعاد طے ہوئی ہے جب تک وہ ختم نہ ہو جائے تب تک ہم اُن سے جنگ نہیں کر سکتے۔

ابن الکواء نے کہا: کیا آپؑ اس امر پر پختہ ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی حل نہیں ہے۔

ابن الکواء اور اُس کے ساتھیوں نے خوارج کی جماعت کو چھوڑ دیا اور حضرت علی علیہ السلام کے پاس چلے آئے۔ باقی خوارج لَاحُکمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ لگاتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب الراسبی اور ذوالثدیہ کو اپنا امیر مقرر کیا اور نہروان میں ڈیرے ڈال دیے۔

ادھر امام علیہ السلام اُن کی طرف روانہ ہوئے اور اُن سے دو فرسخ کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا۔ آپؑ نے اُنھیں خطوط لکھے اور پیغام بھیجے کہ وہ اپنی باغیانہ روش کو ترک کر دیں، لیکن اُنھوں نے ایک نہ مانی۔

پھر امام علیہ السلام نے ابن عباسؓ کو بھیجا اور فرمایا: تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے ان کی ناراضگی کا سبب دریافت کرو۔

ابن عباسؓ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ تمھیں امیرالمومنینؑ پر کیا اعتراض ہے۔

خوارج نے کہا کہ ہمیں ان پر کچھ اعتراضات ہیں اگر وہ خود یہاں آجائیں تو ہم اپنے اعتراض اُن کے سامنے پیش کریں گے۔

ابن عباسؓ امیرالمومنینؑ کے پاس آئے اور کہا کہ وہ آپؑ سے گفتگو کرنا پسند کرتے ہیں، لہٰذا آپؑ ہی ان سے گفتگو کریں۔

امام علیہ السلام اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: لوگو! میں علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔ تمھیں مجھ پر جو اعتراض ہیں وہ بیان کرو۔

خوارج نے کہا: ہمیں آپؑ پر کچھ اعتراضات ہیں۔ ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ جب آپؑ نے جنگِ جمل فتح کی تو آپؑ نے اُن کے لشکرگاہ کا سامان ہمارے لیے مباح کیا تھا، لیکن اُن کی عورتوں اور مردوں کو غلام اور کنیز بنانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لشکرگاہ کا مال تو مباح ہوا اور اُن کی عورتیں حرام ہوں یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: لوگو! سنو، اہلِ بصرہ نے ہم سے جنگ کی تھی جب تم کامیاب ہوئے تو میں نے اُن کی لشکرگاہ کو تمہارے لیے مُباح کیا تھا اور ان کی عورتوں اور بچوں پر دست اندازی کی اجازت نہیں دی تھی، کیونکہ عورتیں جنگ میں شریک نہیں تھیں۔ اُن کے بچے بھی فطرتِ اسلام پر پیدا ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اُنھوں نے مشرکین پر بھی احسان کیے تھے۔ اگر میں نے ان کی عورتوں اور بچوں پر احسان کیا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

خوارج نے کہا: ہمیں آپؑ پر اعتراض ہے کہ جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو آپؑ نے

لفظ "امیرالمومنین" کو کاٹ دیا تھا۔ جب آپؑ نے خود ہی "امیرالمومنین" کا جملہ کاٹ دیا تو ہم آپؑ کو اپنا امیر مانیں تو بھلا کیوں مانیں؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے اس مسئلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی ہے، کیونکہ جب حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو اس میں یہ عبارت لکھی گئی:

"یہ وہ معاہدہ ہے جس کی شرائط پر محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا ہے"۔

اس عبارت پر مشرکین کے نمائندے نے اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپؐ سے جنگ ہی کیوں کرتے؟! لہٰذا آپؐ صرف محمد بن عبداللہ لکھیں۔ لفظ "رسول اللہ" کو کاٹ دیں۔ اس وقت نبی اکرمؐ نے لفظ "رسول اللہ" کو کاٹ دیا تھا۔

لوگو! بتاؤ جب رسولِ خدا نے اپنے نام کے ساتھ لگا ہوا لفظ کاٹ دیا تھا تو اس کے بعد آپؐ رسول تھے یا نہیں؟

اگر اس لفظ کے کاٹنے کے بعد آپؐ رسول تھے تو میں بھی امیرالمومنین کا لفظ کاٹنے کے بعد بدستور امیرالمومنین ہی رہوں گا۔

خوارج نے کہا کہ آپؑ نے حکمین سے کہا تھا کہ تم قرآن کو ابتدا سے انتہا تک پڑھو۔ اگر میں تمہیں معاویہ سے افضل نظر آؤں تو مجھے مسندِ خلافت پر باقی رکھنا۔ جب آپؑ کو خود ہی اپنے متعلق شک ہے تو ہمیں آپؑ کے متعلق اس سے بھی کہیں زیادہ شک ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: اس طرح سے میں نے عدل و انصاف کے اُصولوں کا بھرم رکھا تھا۔ فرض کرو اگر میں حکمین سے یہ کہتا کہ تم نے ہر قیمت پر مجھے ہی منصب خلافت پر باقی رکھنا ہے تو معاویہ اس پر کبھی راضی نہ ہوتا۔

اس کی مثال حیاتِ رسولؐ میں بھی ملتی ہے جب نجران کے نصاریٰ کو چیلنج دیا گیا تو آنحضرتؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ آؤ ہم تم پر لعنت کریں۔

اگر یہی جملے کہے جاتے تو نصاریٰ اس پر راضی نہ ہوتے۔ اس کے بجائے زبانِ قدرت سے یہ الفاظ ادا ہوئے:

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ

"......ہم جھوٹوں پر لعنت کریں گے"۔

البتہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ عمرو بن العاص ابوموسیٰ کو دھوکا دے گا۔

خوارج نے کہا: ہمیں آپؑ پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ خلافت آپؑ کا حق تھی لیکن آپؑ نے اس میں حَکَم مقرر کیے، آخر ایسا آپؑ نے کیوں کیا؟!

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بنی قریظہ کے لیے سعد بن معاذ کو حَکَم مقرر کیا تھا۔ میں نے ایسا کر کے رسولِ خدا کی سنت کی پیروی کی ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اس کے علاوہ تمھیں کوئی اور اعتراض ہو تو وہ بھی بیان کرو۔

خوارج خاموش ہو گئے اور اُن میں سے بہت سے افراد نے چیخ کر کہا: امیرالمومنینؑ! ہم اپنے طرزِ عمل کو غلط سمجھتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔

امیرالمومنینؑ نے ابوایوب انصاری کو اَمان کا پرچم دیا اور فرمایا کہ جو اس پرچم کے نیچے آئے گا اُسے اَمان ہوگی۔

اس آواز پر آٹھ ہزار افراد نے اپنی جماعت کو چھوڑ دیا اور پرچم کے نیچے آگئے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: یہ آٹھ ہزار افراد پرچم کے نیچے رہیں گے اور جنگ میں شرکت نہیں کریں گے۔ بقیہ چار ہزار خوارج کو بھی آپؑ نے وعظ و نصیحت فرمائی، لیکن اُنھوں نے آپؑ کی کوئی بات نہ مانی اور اپنے نظریہ پر بضد رہے۔ پھر ان کے منادی نے ندا دی کہ لوگو! علیؑ کی گفتگو مت سنو اور جنت جانے کی تیاری کرو۔

حرقوص ذوالثدیہ اور عبداللہ بن وہب آگے بڑھے اور اُنھوں نے حضرتؑ سے کہا کہ ہم آپؑ سے جنگ کر کے خدا کی رضا اور آخرت کی نجات کے خواہش مند ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تم لوگ قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق ہو:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○ (سورۂ کہف: آیت ۱۰۳-۱۰۴)

"کیا میں تمہیں ان لوگوں کی خبر دوں جو کہ اعمال کے لحاظ سے سخت خسارے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی محنت رائیگاں ہوگئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بہتر عمل کر رہے ہیں"۔

خوارج کے لشکر میں سے سب سے پہلے اخنس بن عزیز طائی امام علیہ السلام کے مقابلے پر آیا۔ امام علیہ السلام نے اُسے دوزخ رسید کیا۔ پھر عبداللہ بن وہب اور مالک بن وضاح آپؑ کے مقابلہ پر آئے۔ امیرالمومنینؑ نے اُنھیں بھی دوزخ پہنچایا۔ پھر آپؑ نے حرقوص کے سر پر وار کیا اور اُسے بھی جہنم رسید کیا۔ پھر آپؑ نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کا حکم دیا۔ اُس کے بعد جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔

عبداللہ بن وہب راسبی نے کہا: فرزند ابوطالبؑ! ہم میدان نہیں چھوڑیں گے۔ آپؑ کے ہاتھوں سے قتل ہوجائیں گے یا پھر آپؑ کو قتل کریں گے۔ اگر آپؑ میں جرأت ہے تو پھر میرے مقابلہ پر آؤ۔

امام علیہ السلام اس کی لاف گزاف سن کر مسکرائے اور فرمایا: اس بے حیا کو شاید معلوم ہی نہیں ہے کہ میں تلوار کا ساتھی اور نیزہ کا رفیق ہوں۔ یہ شخص زندگی سے اُکتا چکا ہے، اسی لیے جھوٹی آرزو کر رہا ہے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے اس پر حملہ کیا اور اُسے اس کے ساتھیوں کے پاس دوزخ میں پہنچا دیا۔

دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔ خوارج کے چار ہزار کے لشکر میں سے صرف نَو افراد زندہ بچے جو کہ میدان سے بھاگ گئے تھے اور اُن میں سے دو خارجی خراسان بھاگے اور ارض بجستان میں ان کی اولاد پائی جاتی ہے اور دو افراد یمن بھاگ گئے تھے اور وہاں اُن کی اولاد ہے جنھیں "اباضیہ" کہا جاتا ہے۔ دو افراد بلادِ جزیرہ کی طرف بھاگے اور تکریت کے قریب "بالسن والبوازیخ" کے مقام پر جا کر آباد ہوئے اور باقی مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے صرف ۹ فوجی شہید ہوئے۔

مملکتِ امامؑ پر لوٹ مار اور تین غارتیں

جب صفین میں تحکیم ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں انتشار اور افتراق پیدا ہو گیا اور خوارج وجود میں آئے۔ معاویہ نے موقع کو غنیمت جانا اور اُس نے مملکتِ امام میں چھاپہ مار فوجی دستے روانہ کیے، جنھوں نے لوگوں کا خون بہایا اور اُن کے گھروں کو لوٹا۔

معاویہ ایسے افعال کا کئی بار مرتکب ہوا۔ ہم یہاں صرف تین غارتوں کا ذکر کرتے ہیں، جو کہ معاویہ نے عالمِ اسلام پر مسلط کی تھیں اور ان غارتوں میں غیر انسانی سلوک کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا۔ ان غارات کی ہلکی سی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی غارت

ابن ابی الحدید نے ابن کنوز کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ مجھ سے سفیان بن عوف غامدی نے بیان کیا کہ مجھے معاویہ نے بلا کر کہا کہ میں تجھے مسلح اور برق رفتار لشکر دے کر روانہ کرتا ہوں۔ تم فرات کا کنارہ لے کر عراق کی طرف بڑھو اور جب "ہیت" پہنچو تو وہاں خوب لوٹ مار کرو۔ اور اگر وہاں علیؑ کا لشکر ہو تو بھی ان پر حملہ کرو۔ پھر وہاں سے نکل کر "انبار" جاؤ اور اگر وہاں لشکر نہ ہو تو وہاں خوب لوٹ مار کرو اور وہاں کے شہریوں کا بے دریغ قتلِ عام کرو۔ انبار کو برباد کر کے "مدائن" پر حملہ کرو، پھر واپس میرے پاس آجاؤ۔ خیال رکھنا کوفہ مت جانا، کیونکہ انبار اور مدائن پر یورش گویا کوفہ پر ہی یورش ہے۔

اس طرح کی برق رفتار چھاپہ مار کارروائیوں سے اہلِ عراق ڈر جائیں گے اور جن کے دلوں میں ہماری محبت ہوگی وہ اس طرح کے اقدامات سے خوشی محسوس کریں گے اور جو حالات

کی سنگینی سے خوف زدہ ہو اُسے ہم سے الحاق کی دعوت دینا اور جو تمہاری رائے سے متفق نہ ہو اسے بے دریغ قتل کر دو۔ راستے میں جتنے بھی گاؤں آئیں اُنھیں تاخت و تاراج کر دو۔ یاد رکھو! مال لوٹنا کسی کو قتل کرنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

مسلمانو! ملاحظہ کرو یہ ایک "امیرالمومنین" کا کردار ہے؟

سفیان کا بیان ہے کہ میں نے روانگی کا قصد کیا تو معاویہ نے منبر پر تقریر کی اور کہا: لوگو! تم سفیان بن عوف کے لشکر میں شمولیت اختیار کرو۔ یہ ایک عظیم اقدام ہے جس کا تمھیں اُجر ملے گا۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تین دن کے اندر اندر میرے پاس چھ ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ میں وہ لشکر لے کر فرات کے کنارے کنارے روانہ ہوا اور برق رفتاری سے ہیت کی جانب روانہ ہوا۔ اُنھیں ہماری آمد کا علم ہو گیا۔ اُنھوں نے دریا کی پُل توڑ دی۔ میں نے ہیت کے قریبی علاقوں پر حملہ کیا اور اُنھیں تباہ کر کے "صدوراء" پہنچا۔ وہاں کے باشندے ہمیں دیکھ کر بھاگ گئے۔ میں نے وہاں خوب لُوٹ مار کی۔ پھر میں نے اَنبار کا رُخ کیا۔ وہاں علیؑ کے صرف پانچ سو فوجی تھے ہماری آمد کا سن کر وہ تتر بتر ہو گئے۔ ہم نے انبار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور خوب تباہی پھیلائی۔ الغرض ہم نے اپنے مشن کو کامیابی سے پورا کیا اور لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کیا۔

بعدازاں میں وہاں سے کامیاب ہو کر معاویہ کے پاس لوٹ آیا اور اُسے تمام واقعات کی خبر دی۔ معاویہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ اگر تم کسی علاقہ کے حاکم بننا چاہو تو میں تمھیں کسی علاقہ کا حکمران بنا دوں گا۔ تم نے میری دلی مراد پوری کی ہے اور میری توقعات پر پورا اُترے ہو۔

یہ اندوہناک خبریں امام علیہ السلام کو پہنچیں تو آپؑ منبر پر تشریف لائے اور خطاب کیا: "تمھارا بکری بھائی جو کہ اَنبار کا والی تھا وہ شہید ہو گیا ہے۔ تم دہشت گردوں کا تعاقب کرو اور اُنھیں عراق سے مار بھگاؤ"۔

پھر آپؑ خاموش ہو گئے کہ لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں گے لیکن پورے مجمع پر سکوتِ مرگ طاری تھا۔ جب آپؑ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو تن تنہا تلوار لے کر پیدل چل

پڑے یہاں تک کہ آپؑ نخیلہ آئے۔

کوفہ کے معززین کو حیا محسوس ہوئی کہ امیرالمومنینؑ تن تنہا جا رہے ہوں اور اُن کے ساتھ کوئی نہ ہو؟

پھر کوفہ کے معززین امیرالمومنینؑ کے پاس آئے اور عرض کیا: ہم آپؑ کی مدد کریں گے۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم میری کیا مدد کرو گے خود اپنی مدد ہی نہیں کرتے۔

الغرض وہ اصرار کر کے آپؑ کو کوفہ لے آئے۔ آپؑ خاموش اور غمگین ہو کر گھر میں داخل ہوئے۔ پھر آپؑ نے سعید بن القیس ہمدانی کو آٹھ ہزار کا لشکر دے کر معاویہ کی فوج کے تعاقب میں روانہ کیا۔

سعید بن القیس نے فرات کا راستہ لے کر اس کا تعاقب شروع کیا، جب وہ مقامِ عانات پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ واپس چلا گیا ہے۔

امام علیہ السلام اس واقعہ سے انتہائی محزون ہوئے اور جب تک سعید بن القیس نہ آئے اس وقت تک آپؑ کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ رہی اور آپؑ اتنے کمزور ہو گئے کہ خطبہ دینا آپؑ کے لیے مشکل ہو گیا۔ آپؑ مسجد کے قریب باب السدہ کے پاس بیٹھ گئے اور آپؑ کے ساتھ حسنین کریمینؑ اور عبداللہ بن جعفرؑ تھے۔ آپؑ نے تقریر لکھی اور اپنے غلام سعد کے حوالے کی اور فرمایا کہ میں یہاں بیٹھ کر سنتا رہوں گا، تم لوگوں کے سامنے میری لکھی ہوئی تقریر پڑھو۔

سعد نے وہ خطبہ پڑھا جو کہ حسب ذیل ہے:

ان الجهاد ...... لمن لا يطاعُ

"جہاد جنّت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے۔ یہ پرہیزگاری کا لباس، اللہ کی محکم زرہ اور مضبوط سپر ہے، جو اس سے پہلو بچاتے ہوئے اُسے چھوڑ دیتا ہے تو خدا اسے ذلّت وخواری کا لباس پہناتا ہے اور اسے مصیبت و اِبتلاء کی ردا اُوڑھا دیتا ہے۔ ایسے شخص کو ذلّت اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے اور اس کے دل پر مدہوشی اور غفلت کا پردہ چھا جاتا ہے۔ جہاد کو

ضائع و برباد کرنے سے اس کے ہاتھ سے حق لے لیا جاتا ہے اور اُسے ذلت سہنا پڑتی ہے۔ اس سے انصاف روک لیا جاتا ہے۔ میں نے اس قوم سے لڑنے کے واسطے رات کو، دن کو، علانیہ اور پوشیدہ طور پر تمہیں پکارا اور للکارا اور تم سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ جنگ کے لیے بڑھیں تم ان پر دھاوا بول دو۔ خدا کی قسم! جس قوم کے افراد پر اُن کے گھروں کے حدود کے اندر ہی حملہ ہوتا ہے وہ ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں، لیکن تم نے جہاد کو دوسروں پر ٹال دیا اور ایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے لگے۔ یہاں تک کہ تم پر غارت گریاں ہوئیں اور تمہارے شہروں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔ اسی بنی غامد کے آدمی (سفیان بن عوف) ہی کو دیکھو لو کہ اس کی فوج کے سوار شہر اَنبار کے اندر پہنچ گئے اور حسان بن حسان بکری کو قتل کر دیا اور تمہارے محافظ سواروں کو سرحدوں سے ہٹا دیا اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا تھا اور اس کے پیروں سے کڑے (ہاتھوں سے کنگن) اور گلوبند اور گوشوارے اُتار لیتا تھا اور اُنھیں اپنی حفاظت کا کوئی ذریعہ دکھائی نہ دیتا تھا سوائے اس کے کہ وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہتے ہوئے صبر سے کام لیں یا خوشامدیں کر کے اس سے رحم کی بھیک مانگیں۔ وہ لدے پھندے پلٹ گئے نہ کسی کے زخم آیا اور نہ ہی کسی کا خون بہا۔ اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی، بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے۔

العجب ثم العجب خدا کی قسم! ان لوگوں کا باطل پر ایکا کر لینا اور تمہاری جمعیت کا حق سے منتشر ہو جانا، دل کو مُردہ کر دیتا ہے اور رنج و اندوہ بڑھا دیتا ہے۔ تمہارا بُرا ہو اور غم و حزن میں مبتلا رہو تو تم تیروں کا از خود نشانہ بنے ہوئے ہو۔ تمھیں ہلاک و تاراج کیا جا رہا ہے مگر تمہارے قدم

حملے کے لیے نہیں اُٹھتے۔

وہ تم سے لڑ بھڑ رہے ہیں اور تم جنگ سے جی چراتے ہو۔ اللہ کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں اور تم راضی ہو رہے ہو۔ اگر گرمیوں میں تمہیں ان سے لڑنے کے لیے کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے۔ اتنی مہلت دیں کہ گرمیاں گزر جائیں اور اگر سردیوں میں چلنے کے لیے کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ سخت سردی ہے۔ اتنا ٹھہر جایئے کہ سردی کا موسم گزر جائے۔ یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کی باتیں ہیں۔ جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بھاگو گے۔ اے مردوں کی شکل و صورت رکھنے والے نامردو! تمھاری عقلیں بچوں کی سی اور تمھاری سوجھ بوجھ حجلہ نشین عورتوں کے مانند ہے۔ میں تو یہی چاہتا تھا کہ نہ تم کو دیکھتا اور نہ ہی تم سے جان پہچان ہوتی۔ ایسی شناسائی جو کہ ندامت کا سبب اور رنج و اندوہ کا باعث بنی ہے۔ اللہ تمھیں مارے۔ تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے چھلکا دیا ہے۔ تم نے مجھے غم و حزن کے پے در پے گھونٹ پلائے ہیں اور میری نافرمانی کر کے تدبیر و رائے کو تباہ کر دیا یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ علیؑ ہے تو مردِ شجاع، لیکن وہ جنگ کے طور طریقوں سے واقف نہیں ہے....

میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب و ضرب کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا، اور اب تو ساٹھ سے بھی اُوپر کا ہو چکا ہوں، لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے"۔

بسر بن ابی ارطاۃ کی غارت گری

جب تحکیم کے بعد معاویہ کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو اس نے اپنا دائرہ سلطنت

وسیع کرنے کے لیے امیرالمومنینؑ کے مقبوضہ شہروں پر قبضہ جمانے کی تدبیریں شروع کر دیں اور مختلف علاقوں میں اپنی فوجیں بھیج دیں تا کہ وہ جبر و تشدد سے اس کے لیے بیعت حاصل کریں۔

چنانچہ اس نے بسر بن ابی ارطاۃ کو حجاز روانہ کیا جس نے حجاز سے یمن تک تباہی کی داستان رقم کی اور تیس ہزار بے گناہ افراد کا قتل عام کیا۔ اس سنگدل نے قبیلوں کے قبیلے زندہ جلائے اور معصوم بچوں کو قتل کیا یہاں تک کہ عبیداللہ بن عباس والی یمن کے دو کمسن بچوں قثم اور عبدالرحمٰن کو ان کی ماں حوریہ بنت خالد کے سامنے ذبح کیا۔ بچوں کی ماں ایام حج میں اپنے بچوں کے مرثیے پڑھتی تھی۔

امیرالمومنینؑ نے لوگوں کو غیرت دلائی۔ آخر جاریہ بن قدامہ نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہی اور دو ہزار کے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کا پیچھا کر کے اُسے امیرالمومنینؑ کے مقبوضات سے نکال باہر کیا۔ اس موقع پر امیرالمومنین علیہ السلام نے یہ خطبہ دیا۔

ما ھی الا الکوفۃ........ ارمیۃ الحیم

"یہ عالم ہے اس کوفہ کا جس کا بندوبست میرے ہاتھ میں ہے"۔

(اے شہر کوفہ) اگر تیرا یہی عالم رہا تو تجھ میں آندھیاں چلتی رہیں۔ خدا تجھے غارت کرے۔ (پھر آپؑ نے شاعر کا یہ شعر بطور تمثیل پڑھا)۔

اے عمرو! تیرے اچھے باپ کی قسم! مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناہٹ ہی ملی ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ بسر یمن پر چھا گیا ہے۔ بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ عنقریب تم سے سلطنت و دولت چھین لیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے باطل پر متحد ہیں اور تم حق سے پراگندہ ہو۔ تم اَمرِ حق میں اپنے امامؑ کے نافرمان ہو۔ وہ باطل میں بھی اپنے امامؑ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ امانت داری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرنے سے نہیں چوکتے۔ وہ اپنے شہروں میں اَمن بحال رکھتے ہیں اور تم اپنے شہروں میں شورشیں بپا کرتے ہو۔ میں اگر تم میں سے کسی کو لکڑی

کے ایک پیالے کا امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اس کے کنڈے کو توڑ کر لے جائے گا۔

اے اللہ! وہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں اُن سے۔ وہ مجھ سے اُکتا چکے ہیں اور میں اُن سے۔ مجھے ان کے بدلے اچھے لوگ عطا کر اور میرے عوض انھیں بُرا حاکم دے۔ خدایا! ان کے دلوں کو اس طرح سے پگھلا دے جس طرح سے نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔

خدا کی قسم! میں اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ تمھارے بجائے میرے پاس بنی فراس بن غنم کے صرف ایک ہزار سوار ہوتے جن کا وصف شاعر نے یہ بیان کیا ہے۔ اگر تم کسی موقع پر انھیں پکارو تو تمھارے پاس ایسے سوار پہنچیں جو تیز رَوی میں گرمیوں کے اَبر کے مانند ہیں"۔

اس کے بعد حضرت منبر سے نیچے اُتر آئے۔

تیسری غارت

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ معاویہ نے ابوہریرہ اور نعمان بن بشیر انصاری کو امیرالمومنین علی علیہ السلام کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ تم میری طرف سے علیؑ کو یہ پیغام پہنچاؤ کہ وہ عثمانؓ کے قاتل ہمارے حوالے کر دیں اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوگی۔

معاویہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام اس کی پیش کش کو مسترد کر دیں گے اور یہ دونوں افراد واپس آ کر لوگوں میں یہ گواہی دیں گے کہ علیؑ خود ہی مصالحت نہیں چاہتے۔

یہ دونوں افراد امیرالمومنین علی علیہ السلام کے پاس آئے اور ابوہریرہ نے یہ کہا:

ابوالحسنؑ! خدا نے آپؑ کو اسلام میں بڑا شرف اور فضیلت دی ہے۔ آپؑ رسولِ خدا کے ابن عم ہیں۔ ہمیں معاویہ نے آپؑ کے پاس بھیجا ہے اور وہ یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ آپؑ عثمانؓ کے قاتل اُس کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد وہ آپؑ کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کرے گا۔

نعمان بن بشیر نے بھی وہی باتیں کیں جو کہ ابوہریرہ نے کی تھیں۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے نعمان سے فرمایا: نعمان! مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تمام انصار میں سے تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ تمھاری قوم میں ہدایت والے افراد نہیں ہیں؟ تین یا چار افراد کے علاوہ تمام انصار میرے حمایتی ہیں مگر تم معاویہ کے سفیر بنے ہوئے ہو۔ کیا یہ بات تمھیں زیب دیتی ہے؟

نعمان نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ میں شام سے نکل کر آپؑ کے پاس آنا چاہتا تھا، سو اسی بہانے میں آپؑ کے پاس آیا ہوں۔ اس کے بعد ابوہریرہ شام چلا گیا اور نعمان نے حضرت کے پاس رہائش اختیار کی۔ پھر چند دنوں بعد وہ بھاگ کر شام کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ ''عین التمر'' کے قریب سے گزر رہا تھا تو وہاں کے عامل مالک بن کعب ارحبی نے اُسے پکڑ لیا اور اسے زندان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

نعمان بن بشیر نے کہا کہ میرا کیا قصور ہے۔ میں تو بس ایک قاصد ہوں۔ میں پیغام پہنچا کر اپنے دوست کے پاس واپس جا رہا ہوں۔

مالک نے اُسے زندان میں ڈال دیا اور کہا کہ میں تیرے متعلق امیر المومنینؑ کو لکھوں گا وہاں سے جو حکم آئے گا میں اس پر عمل کروں گا۔

نعمان نے اُسے واسطے دیے کہ میرے متعلق امیر المومنینؑ کو کچھ نہ لکھیں۔ ادھر عین التمر شہر ہی میں قرظہ بن کعب انصاری کاتب کے عہدہ پر فائز تھا اور اس علاقہ کا تمام خراج اس کے پاس جمع ہوتا تھا۔ نعمان نے اس کی منت کی اور کہا کہ آپؑ میرے ہی ہم قبیلہ ہیں لہٰذا آپ ہی میری جان چھڑائیں۔

کاتب نے مالک کے پاس اپنے مجرم رشتہ دار کی سفارش کی اور اسے آزادی دلائی۔

مالک نے کہا کہ میں تجھے رہا کر رہا ہوں اور تجھے ایک شب و روز کی مہلت دیتا ہوں اور اگر اس عرصہ کے بعد بھی تو اس علاقہ میں نظر آیا تو میں تیری گردن اُڑا دوں گا۔

یہ مالک کی قید سے رہا ہوا اور گرتا پڑتا شام پہنچ گیا اور معاویہ کو حالات سے آگاہ کیا۔

چند دن گزرنے کے بعد معاویہ نے کہا کہ میں ایک فوجی دستہ فرات کے کنارے بھیجنا چاہتا ہوں جو علیؑ کے مقبوضات میں جا کر لوٹ مار کرے اور ہمارے مخالفین کو قتل کر کے پھر

جلد واپس شام لوٹ آئے۔

نعمان بن بشیر انصاری نے کہا کہ اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ معاویہ نے دو ہزار کا گھڑسوار دستہ تیار کیا اور نعمان کی قیادت میں اسے روانہ کیا۔ نعمان فرات کا کنارہ لے کر شام سے روانہ ہوا اور عین التمر کا رُخ کیا۔

مالک کے پاس پہلے ایک ہزار گھڑسواروں کا دستہ موجود تھا، لیکن اس نے دارالحکومت کوفہ کو خطرے میں پا کر نوسو سوار کوفہ روانہ کر دیے تھے۔ جب نعمان لشکر لے کر آیا تو اُس وقت مالک کے پاس صرف ایک سو سوار موجود تھے جن کے ذریعے سے عین التمر کی حفاظت ممکن نہیں تھی۔

مالک نے حضرت علی علیہ السلام کو خط بھیجا کہ نعمان بن بشیر ہم پر دو ہزار افراد کے ساتھ حملہ آور ہونے والا ہے، لہٰذا آپ فوجی کمک روانہ کریں، تاکہ شہر اور اہلِ شہر کا دفاع کیا جاسکے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے کوفہ میں خطبہ دیا، لیکن کوئی بھی جنگ کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ پھر آپؑ نے شہر کے معززین کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی اِقدام کریں لیکن کسی نے بھی اس مرحلہ پر کوئی مثبت جواب نہ دیا۔

بڑی مشکل سے تین سو اَفراد کا ایک دستہ تیار ہوا لیکن دشمنوں نے ان کے آنے سے پہلے پورے علاقہ کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور ویرانی کی داستانیں چھوڑ کر واپس جاچکا تھا۔

حضرت علیؑ اپنے خطوط اور خطبات کے آئینہ میں

ارشادِ خداوندی ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ○ (سورۂ قیامہ: آیت ۱۴)

"انسان اپنی ذات کو بہتر سمجھتا ہے"۔

برادرانِ عزیز! گزشتہ صفحات میں ہم نے امیرالمومنین علی علیہ السلام کا کچھ ایسا کلام آپ کے گوش گزار کیا جس میں آپؑ نے اپنے فضائل ومناقب اور خصائص کا تذکرہ کیا تھا اور آج رات ہم آپ کے سامنے حضرتؑ کا ایک خطبہ پیش کریں گے جو کہ آپؑ کے فضائل، فواضل، خصائص اور مکارمِ اَخلاق پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ ہم آپؑ کا وہ خطبہ بھی آپ حضرات کی سماعتوں کی نذر کریں گے جو کہ آپؑ کے اس وقت کے والی بصرہ عثمان بن حنیف کے نام تحریر کیا تھا۔ یہ خط آپؑ کے مشہور ومعروف خطوط میں سے ہے۔ یہ اس ہستی کا لکھا ہوا خط ہے جو کہ نصف کرۂ ارض کا بلاشرکت غیرے کا مالک تھا اور لوگوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ اُس کے لبوں پر منحصر تھا اور سونا چاندی سے بھرے ہوئے بیت المال کی چابیاں اُن کے ہاتھوں میں تھیں۔ الغرض ان تمام تر امکانات کے باوجود اُنھوں نے اپنے لیے خشک ترین زندگی کا انتخاب کیا تھا اور وہ زندگی اتنی خشک تھی جسے کوئی بھی شخص اپنانے پر آمادہ نہیں ہے۔ آپؑ کسی بھی شخص کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپؑ کی اور امیرالمومنینؑ کی زاہدانہ زندگی کے درمیان واضح فرق دکھائی دے گا۔

آیئے سب سے پہلے ہم آپ کو امیرالمومنین علی علیہ السلام کے چند خطبات سناتے ہیں۔ پھر حضرتؑ کا وہ مشہورِ زمانہ خط آپ کو پڑھ کر سنائیں گے۔

"اس میں ابتدائے آفرینش زمین و آسمان اور پیدائش آدمؑ کا ذکر فرمایا ہے۔ تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے، جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اُس کے کمالِ ذات کی کوئی حد معین نہیں، نہ اس کے لیے توصیفی الفاظ ہیں، نہ اس (کی ابتدا) کے لیے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جا سکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہو جائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا، تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں۔ دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے۔ کمالِ معرفت اس کی تصدیق ہے، کمالِ تصدیق توحید ہے، کمالِ توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمالِ تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اُس سے صفتوں کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس نے ذاتِ الٰہی کے علاوہ صفات مانے، اُس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اُس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا، اُس نے دوئی پیدا کی جس نے دوئی پیدا کی، اُس نے اس کے لیے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لیے اجزاء کا قائل ہوا وہ اُس سے بے خبر رہا اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اُس نے اس کی حد بندی کر دی اور جس نے اُسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا۔ جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز میں ہے اُس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز پر ہے اُس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں۔ وہ ہے، ہوا نہیں۔ موجود ہے مگر عدم سے وجود میں

نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے، نہ جسمانی دُوری کے طور پر، وہ فاعل ہے لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں۔ وہ اُس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی کہ وہ یگانہ ہے۔ اس لیے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اُسے کھو کر پریشان ہو جائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا۔ بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اُٹھانے کی اُسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اُس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بے تاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اُس کے وقت کے حوالے کیا۔ بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی۔ ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور طبیعتوں کے لیے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا۔ ان کی حدونہایت پر احاطہ کیے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضاء کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اُس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف و اکناف اور خلاء کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحرِ ذخار کی موجیں تہ بہ تہ تھیں۔ اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا۔ پھر اُسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اُسے اس کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور اُوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے مرکز پر قرار رکھا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دُور و دراز تک پھیلا دی۔ پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بے کراں کی موجوں کو اُچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے

مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے دھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی۔ جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصّے کیے۔ نیچے والے آسمان کو رُکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اُوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت۔ پھر اُن ستاروں کی سج دھج اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کی اور اُن میں ضو پاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا جو گھومنے والے فلک، چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کیے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ اُن میں سربسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے۔ کچھ رکوع میں ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزگی بیان کر رہے ہیں جو اُکتاتے نہیں، نہ اُن کی آنکھوں میں نیند آتی ہے، نہ اُن کی عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے، نہ اُن کے بدنوں میں سُستی و کاہلی آتی ہے نہ اُن پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین ہو، اُس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لیے زبانِ حق اور اُس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں، کچھ اُس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں، کچھ وہ ہیں جن کے قدم زمین کی تہہ میں جمے ہوئے ہیں اور اُن کے پہلو اطرافِ عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں۔ عرش کے سامنے اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اُس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں اور ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سراپردے حائل ہیں۔ وہ شکل و صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں۔

نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نہ اشباہ نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں فرمایا) پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں و شورہ زار زمین سے مٹی جمع کی۔ اُسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہو کر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اُس میں لس پیدا ہو گیا۔ اُس سے ایک ایسی صورت بنائی جس میں موڑ ہیں اور جوڑ اعضاء ہیں اور مختلف حصے۔ اُسے یہاں تک سُوکھایا کہ وہ خود تھم سکی اور اتنا سخت کیا کہ وہ کھنکھنانے لگی۔ ایک وقتِ معین اور مدتِ معلوم تک اُسے یونہی رہنے دیا۔ پھر اُس میں روح پھونکی تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہو گئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضاء و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شناخت کا مالک ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے اور مختلف مزوں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ خود رنگارنگ کی مٹی اور ملتی جلتی ہوئی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اُس کا خمیر ہوا ہے۔ یعنی گرمی، سردی، تری، خشکی کا پیکر ہے۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اُس کی سونپی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اُس کے پیمان وصیت کو پورا کریں۔ جو سجدۂ آدم کے حکم کو تسلیم کرنے اور اُس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لیے تھا۔ اس لیے اللہ نے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اُسے عصبیت نے گھیر لیا۔ بدبختی اُس پر چھا گئی۔ آگ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا اور کھنکھناتی ہوئی مٹی کی مخلوق کو ذلیل جانا۔ اللہ نے اُسے مہلت دی تاکہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے اور (بنی آدمؑ) کی آزمائش پایۂ تکمیل تک پہنچے اور وعدہ پورا ہو جائے۔ چنانچہ

اللہ نے اُس سے کہا کہ تجھے وقتِ معین کے دن تک کی مہلت ہے۔ پھر اللہ نے آدمؑ کو ایسے گھر میں ٹھہرایا جہاں اُن کی زندگی کو خوش گوار رکھا، انھیں شیطان اور اُس کی عداوت سے بھی ہوشیار کر دیا۔ لیکن اُن کے دشمن نے اُن کے جنت میں ٹھہرنے اور نیکوکاروں میں مل جل کر رہنے پر حسد کیا اور آخرکار انھیں فریب دے دیا۔ آدمؑ نے یقین کو شک اور ارادے کے استحکام کو کمزوری کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ مسرت کو خوف سے بدل لیا اور فریب خوردگی کی وجہ سے ندامت اُٹھائی۔ پھر اللہ نے آدمؑ کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی۔ انھیں رحمت کے کلمے سکھائے، جنت میں دوبارہ پہنچانے کا اُن سے وعدہ کیا اور انھیں دارِ ابتلا و محلِ افزائشِ نسل میں اُتار دیا۔ اللہ سبحانہ نے اُن کی اولاد سے انبیاء چنے۔ وحی پر اُن سے عہد و پیمان لیا۔ تبلیغِ رسالت کا انھیں امین بنایا، جبکہ اکثر لوگوں نے اللہ کا عہد بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ اُس کے حق سے بے خبر ہو گئے، اوروں کو اُس کا شریک بنا ڈالا۔ شیاطین نے اس کی معرفت سے انھیں روگرداں اور اُس کی عبادت سے الگ کر دیا۔ اللہ نے اُن میں اپنے رسولؐ مبعوث کیے اور لگاتار انبیاءؑ بھیجے تاکہ اُن سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کرائیں۔ اُس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سروں سے بلند بام آسمان، اُن کے نیچے بچھا ہوا فرشِ زمین، زندہ رکھنے والا سامانِ معیشت، فنا کرنے والی اجلیں، بوڑھا کر دینے والی بیماریاں اور پے در پے آنے والے حادثے۔

اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو بغیر کسی فرستادہ پیغمبر یا آسمانی کتاب یا دلیلِ قطعی یا طریقِ روشن کے کبھی یونہی نہیں چھوڑا۔ ایسے رسول، جنھیں تعداد کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت درماندہ و عاجز نہیں کرتی تھی۔ اُن میں کوئی سابق تھا جس نے بعد میں آنے والے کا نام و نشان بتایا۔ کوئی بعد

میں آیا، جسے پہلا پہنچا چکا تھا۔ اسی طرح مدتیں گزر گئیں، زمانے بیت گئے۔ باپ داداؤں کی جگہ پر اُن کی اولادیں بس گئیں۔ یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد و اتمامِ نبوت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا، جن کی علامات (ظہور) مشہور محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا، خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ کچھ اُسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انھیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انھیں جہالت سے چھڑایا۔ پھر اللہ سبحانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لقاء قرب کے لیے چُنا، اپنے خاص انعامات آپ کے لیے پسند فرمائے اور دارِ دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپ کے رُخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپ کو اُٹھا لیا۔ حضرت تم میں اسی طرح کی چیز چھوڑ گئے، جو انبیاءؑ اپنی اُمتوں میں چھوڑتے چلے آئے تھے۔ اس لیے کہ وہ طریق واضح و نشان محکم قائم کیے بغیر یوں ہی بے قید و بند انھیں پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو اُبھاریں چھوڑتے تھے۔ پیغمبرؐ نے تمھارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔ اس حالت میں کہ انھوں نے کتاب کے حلال و حرام، واجبات و مستحبات، ناسخ و منسوخ، رخص و عزائم، خاص و عام، عبرد امثال، مقید و مطلق، محکم و متشابہ کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی۔ اُس کی گتھیوں کو سلجھا دیا اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اُس کے بندے اُن سے ناواقف رہیں تو مضائقہ نہیں۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا

وجوب کتاب سے ثابت ہے اور حدیث سے اُن کے منسوخ ہونے کا پتا چلتا ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں جن پر عمل کرنا حدیث کی رُو سے واجب ہے لیکن کتاب میں اُن کے ترک کی اجازت ہے۔ اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں اُن کا وجوب برطرف ہوجاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے۔ کچھ کبیرہ ہیں، جن کے لیے آتشِ جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کی توقعات پیدا کی ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصّہ بھی مقبول ہے، اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی ہے۔

اسی خطبہ میں حج کے سلسلہ میں فرمایا: اللہ نے اپنے گھر کا حج تم پر واجب کیا، جسے لوگوں کا قبلہ بنایا ہے۔ جہاں لوگ اس طرح کھنچ کر آتے ہیں جس طرح پیاسے حیوان پانی کی طرف اور اس طرح وارفتگی سے بڑھتے ہیں جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب، اللہ جل شانہ نے اس کو اپنی عظمت کے سامنے ان کی فروتنی و عاجزی اور اپنی عزت کے اعتراف کا نشانہ بنایا ہے۔ اُس نے اپنی مخلوق میں سے سننے والے لوگ چُن لیے جنھوں نے اس کی آواز پر لبیک کہی اور اُس کے کلام کی تصدیق کی۔ وہ انبیاءؑ کی جگہوں پر ٹھہرے۔ عرش پر طواف کرنے والے فرشتوں سے شباہت اختیار کی۔ وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ میں منفعتوں کو سمیٹتے ہیں اور اس کی وعدہ گاہ مغفرت کی طرف بڑھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس گھر کو اسلام کا نشان پناہ چاہنے والوں کے لیے حرم بنایا ہے۔ اس کا حج فرض اور ادائگی حق کو واجب کیا ہے اور اس کی طرف راہ نوردی فرض کردی ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کا واجب الادا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کا حج کریں جنھیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو جان لے کہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے"۔

حضرتؑ کا ایک اور خطبہ

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اصحاب جو (احکامِ شریعت) کے امین ٹھہرائے گئے تھے وہ اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں نے کبھی ایک آن کے لیے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے سرتابی نہیں کی اور میں نے اس جواں مردی کے بل بوتے پر کہ جس سے اللہ نے مجھے سرفراز کیا ہے پیغمبرؐ کی دل و جان سے مدد ان موقعوں پر کی کہ جن موقعوں سے بہادر (جی چرا کر) بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ان کا سر (اقدس) میرے سینے پر تھا اور جب میرے ہاتھوں میں ان کی روحِ طیب نے مفارقت کی تو میں نے (تبرکاً) اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ میں نے آپؐ کے غسل کا فریضہ انجام دیا۔ اس عالم میں کہ ملائکہ میرا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ (آپؐ کی رحلت سے) گھر اور اس کے اطراف و جوانب نالہ و فریاد سے گونج رہے تھے۔ (فرشتوں کا تانتا بندھا ہوا تھا) ایک گروہ اُترتا تھا اور ایک گروہ چڑھتا تھا۔ وہ حضرتؐ پر نماز پڑھتے تھے۔ ان کی دھیمی آوازیں برابر میرے کانوں میں آ رہی تھیں یہاں تک کہ ہم نے انھیں قبر میں چھپا دیا۔ تو اب ان کی زندگی میں اور موت کے بعد مجھ سے زائد کون ان کا حق دار ہو سکتا ہے؟

(جب تمھیں میرا حق معلوم ہو چکا) تو تم بصیرت کے جلو میں دشمن سے جہاد کرنے کے لیے صدقِ نیت سے بڑھو۔

اس ذات کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ بلاشبہ مَیں جادۂ حق پر ہوں اور وہ (اہلِ شام) باطل کی ایسی گھاٹی پر ہیں کہ جہاں پھسلن ہی پھسلن ہے۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم سن رہے ہو۔ میں اپنے اور تمھارے لیے اللہ سے آمرزش کا طالب ہوں"۔

حضرتؑ کا ایک اور خطبہ اور عقیلؑ کا واقعہ

"خدا کی قسم! مجھے سعدان (ایک خاردار جھاڑی جسے اُونٹ چرتا ہے) کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنا اور طوق و زنجیر میں مقید ہو کر گھسیٹا جانا اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ اور رسولؐ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی بندے پر ظلم کیا ہو یا مالِ دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو۔

میں اس نفس کی خاطر کیوں کر کسی پر ظلم کر سکتا ہوں جو جلد ہی فنا کی طرف پلٹنے والا اور مدتوں تک مٹی کے نیچے پڑا رہنے والا ہے۔

بخدا! میں نے اپنے بھائی عقیلؑ کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا یہاں تک کہ وہ تمھارے (حصّہ کے) گیہوں میں ایک صاع (تین کلوگرام) مجھ سے مانگتے تھے اور میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے اور فقر و بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہو چکے تھے۔ گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کر دیے گئے ہیں۔ وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دہرایا۔ میں ان کی باتوں کو کان دے کر سنتا تو انھوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھ اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا۔

مگر میں نے یہ کیا کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو تپایا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تا کہ عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد و کرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا بدن اس داغ دینے سے جل جائے۔

پھر میں نے اُن سے کہا: اے عقیلؑ! رونے والیاں تم پر روئیں۔ کیا تم اس ٹکڑے سے چلا اُٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں (بغیر

جلانے کی نیت کے) تپایا ہے اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو
کہ جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے۔ تم تو اذیت سے
چیخو اور میں دوزخ کے شعلوں سے نہ چلاؤں؟!
اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص (اشعث بن قیس) رات کے
وقت (شہد میں) گندھا ہوا حلوہ ایک سر بند برتن میں لیے ہوئے ہمارے
گھر پر آیا جس سے مجھے ایسی نفرت تھی کہ جیسے وہ سانپ کے تھوک یا اس
کی قے میں گوندھا گیا ہو۔
میں نے اس سے کہا کہ کیا یہ کسی بات کا انعام ہے یا زکوۃ ہے یا صدقہ
ہے کہ جو ہم اہل بیتؑ پر حرام ہے۔ تو اس نے کہا کہ نہ یہ ہے اور نہ وہ
ہے بلکہ وہ تحفہ ہے تو میں نے کہا کہ پسر مردہ عورتیں تجھ پر روئیں کیا تو
دین کی راہ سے مجھے فریب دینے کے لیے آیا ہے؟ کیا تو بہک گیا ہے؟ یا
پاگل ہو گیا ہے یا یوں ہی ہذیان بک رہا ہے؟
خدا کی قسم! اگر ہفت اقلیم ان چیزوں سمیت جو آسمانوں کے نیچے ہیں مجھے
دے دیئے جائیں۔ صرف اللہ کی اتنی معصیت کروں کہ میں چیونٹی سے
جو کا ایک چھلکا چھین لوں تو کبھی ایسا نہ کروں گا۔ یہ دنیا تو میرے نزدیک
اس پتی سے بھی زیادہ بے قدر ہے جو کہ ٹڈی کے منہ میں ہو کہ جسے وہ چبا
رہی ہو۔ علیؑ کو فنا ہونے والی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے کیا
واسطہ؟ ہم عقل کے خواب غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیوں
سے خدا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اسی سے مدد کے خواستگار ہیں"۔

ایک اور خطبہ کا کچھ حصہ

"اے لوگو! میں نے فتنہ و شر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں اور جب اس کی
تاریکیاں (موجوں کی طرح) تہ و بالا ہو رہی تھیں اور (دیوانے کتوں کی

طرح) اس کی دیوانگی زوروں پر تھی تو میرے علاوہ کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ اس کی طرف بڑھتا۔ اب جو چاہو مجھ سے پوچھ لو اس سے پیشتر کہ تم مجھے نہ پاؤ۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت سے لے کر قیامت تک درمیانی عرصے کی جو بات مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا اور کسی ایسے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے کہ جس نے سو ہدایت کی ہو اور سو کو گمراہ کیا ہو تو میں اس کے للکارنے والے اور اسے آگے سے کھینچنے والے اور پیچھے سے دھکیلنے والے اور اس کی سواریوں کی منزل اور اس کے سازوسامان سے لدے ہوئے پالانوں کے اُترنے کی جگہ تک بتا دوں گا اور یہ کہ ان میں سے کون قتل کیا جائے گا اور کون اپنی موت مرے گا اور جب میں نہ رہوں گا اور ناخوش گوار چیزیں اور سخت مشکلیں پیش آئیں گی تو پھر بہت سے پوچھنے والے پریشانی سے سر نیچے ڈالیں گے اور بتانے والے عاجز و درماندہ ہو جائیں گے"۔

ایک اور خطبہ سے اقتباس

"اے لوگو! میں نے تمھیں اس طرح سے نصیحتیں کی ہیں جس طرح کی انبیاءؑ اپنی اُمتوں کو کرتے چلے آئے ہیں اور ان چیزوں کو تم تک پہنچایا ہے جو اوصیاء بعد والوں تک پہنچایا کرتے ہیں۔ میں نے تمھیں اپنے تازیانے سے ادب سکھانا چاہا مگر تم سیدھے نہ ہوئے اور زجروتوبیخ سے تمھیں ہنکایا لیکن تم یکجا نہ ہوئے۔

اللہ تمھیں سمجھے کیا میرے علاوہ تم کسی اور امام کے اُمیدوار ہو جو تمھیں سیدھی راہ پر چلائے اور صحیح راستہ دکھائے۔ دیکھو! دنیا کی طرف رُخ کرنے والی چیزوں نے جو رُخ کیے ہوئے تھیں پیٹھ پھرائی اور جو پیٹھ پھرائے ہوئے تھیں انھوں نے رُخ کر لیا۔ اللہ کے نیک بندوں نے دنیا

سے کوچ کرنے کا تہیہ کرلیا۔ اور فنا ہونے والی تھوڑی سی دنیا ہاتھ سے دے کر ہمیشہ رہنے والی بہت سی آخرت مول لے لی۔ بھلا ہمارے ان بھائی بندوں کو جن کے خون صفین میں بہائے گئے اس سے کیا نقصان پہنچا؟ کہ وہ آج زندہ موجود نہیں ہیں۔ یہی نہ کہ اگر وہ ہوتے تو تلخ گھونٹوں کو گوارا کرتے اور گندلا پانی پیتے۔

خدا کی قسم! وہ خدا کے حضور پہنچ گئے۔ اس نے ان کو پورا پورا اجر دیا اور خوف و ہراس کے بعد انھیں امن و سکون کے گھر میں اُتارا۔ کہاں ہیں میرے وہ بھائی کہ جو سیدھی راہ پر چلتے رہے اور حق پر گزر گئے؟ عمار کہاں ہیں اور ابن التیہان کہاں ہیں اور ذوالشہادتین کہاں ہیں؟ اور ہمارے وہ دوسرے بھائی کہاں ہیں جو مرنے پر عہدو پیمان باندھے ہوئے تھے اور جن کے سروں کو فاسقوں کے پاس روانہ کیا گیا؟

نوف کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرتؑ نے اپنا ہاتھ ریش مبارک پر پھیرا اور دیر تک روئے اور پھر فرمایا:

آہ! میرے وہ بھائی کہ جنھوں نے قرآن کو پڑھا تو اسے مضبوط کیا۔ اپنے فرائض میں غوروفکر کیا تو انھیں ادا کیا۔ سنت کو زندہ کیا اور بدعت کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ جہاد کے لیے انھیں بلایا گیا تو انھوں نے لبیک کہی اور اپنے پیشوا پر یقین کامل کے ساتھ بھروسہ کیا تو اس کی پیروی بھی کی۔ اس کے بعد حضرتؑ نے بلند آواز سے پکار کر کہا: جہاد! جہاد! اے بندگانِ خدا! دیکھو! میں آج ہی لشکر کو ترتیب دے رہا ہوں اور جو اللہ کی طرف بڑھنا چاہے تو وہ نکل کھڑا ہو۔

حضرتؑ کا ایک مختصر ترین خطبہ

"تم نے میری بیعت اچانک اور بے سوچے سمجھے نہیں کی تھی اور نہ میرا

اور تمھارا معاملہ یکساں ہے۔ میں تمھیں اللہ کے لیے چاہتا ہوں اور تم مجھے
اپنے شخصی فوائد کے لیے چاہتے ہو۔
اے لوگو! اپنی نفسانی خواہشوں کے مقابلہ میں میری اعانت کرو۔ خدا کی
قسم! میں مظلوم کا اس کے ظالم سے بدلہ لوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل
ڈال کر اسے سرچشمۂ حق تک کھینچ کر لے جاؤں گا۔ اگرچہ اسے یہ ناگوار
کیوں نہ گزرے"۔

عامل بصرہ عثمان بن حنیف کے نام حضرتؑ کا خط

جب حضرتؑ کو یہ خبر پہنچی کہ والی بصرہ عثمان بن حنیف کو وہاں کے لوگوں نے کھانے
کی دعوت دی ہے اور وہ اس میں شریک ہوئے ہیں تو آپؑ نے انھیں یہ خط تحریر فرمایا:

"اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے
ایک شخص نے تمھیں کھانے پر بلایا اور تم لپک کر پہنچ گئے کہ رنگا رنگ کے
عمدہ عمدہ کھانے تمھارے لیے چن کر لائے جا رہے تھے اور بڑے بڑے
پیالے تمھاری طرف بڑھائے جا رہے تھے۔ مجھے اُمید نہ تھی کہ تم ان
لوگوں کی دعوت قبول کرلو گے کہ جن کے یہاں سے فقراء و نادار
دھتکارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں جو لقمے چباتے ہو، انھیں
دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اسے چھوڑ دیا کرو اور جس کے
پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ۔
تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مقتدی کا ایک پیشوا ہوتا ہے جس کی وہ
پیروی کرتا ہے اور جس کے نُورِ علم سے کسبِ ضیا کرتا ہے۔
دیکھو! تمھارے امام کی حالت یہ ہے کہ اس نے دنیا کے ساز و سامان میں
سے دو پھٹی پرانی چادروں اور کھانے میں سے دو روٹیوں پر قناعت کرلی
ہے۔

میں مانتا ہوں کہ تمھارے بس کی یہ بات نہیں لیکن اتنا تو کرو کہ پرہیزگاری، سعی وکوشش، پاک دامنی اور سلامت روی میں میرا ساتھ دو۔ خدا کی قسم! میں نے تمھاری دنیا سے سونا سمیٹ کر نہیں رکھا اور نہ اس کے مال ومتاع میں سے انبار جمع کر رکھے ہیں اور نہ ان پرانے کپڑوں کے بدلہ میں (جو پہنے ہوئے ہوں) کوئی اور پرانا کپڑا میں نے مہیا کیا ہے۔

بے شک اس آسمان کے سائے تلے لے دے کر ایک فدک ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پرواہ نہ کی۔ بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔ بھلا میں فدک یا فدک کے علاوہ کسی اور چیز کو لے کر کیا کروں گا جب کہ نفس کی منزل کل قبر قرار پانے والی ہے کہ جس کی اندھیاریوں میں اس کے نشانات مٹ جائیں گے اور اس کی قبریں ناپید ہو جائیں گی۔ وہ تو ایک ایسا گڑھا ہے کہ اگر اس کا پھیلاؤ بڑھا بھی دیا جائے اور گورکن کے ہاتھ اسے کشادہ بھی رکھیں جب بھی پتھر اور کنکر اس کو تنگ کر دیں گے اور مسلسل مٹی کے جانے سے اس کی دراڑیں بند ہو جائیں گی۔ میری توجہ تو صرف اس طرف ہے کہ میں تقویٰ الٰہی کے ذریعے اپنے نفس کو بے قابو نہ ہونے دوں تاکہ اس دن کہ جب خوف حد سے بڑھ جائے گا وہ مطمئن رہے اور پھسلنے کی جگہوں پر مضبوطی سے جما رہے۔

اگر میں چاہتا تو صاف ستھرے شہد، عمدہ گیہوں اور ریشم کے بنے ہوئے کپڑوں کے لیے ذرائع مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشیں مجھے مغلوب بنالیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے چن لینے کی دعوت دے جب کہ حجاز ویمامہ میں شاید ایسے لوگ ہوں کہ جنھیں شاید ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو اور انھیں پیٹ بھر کر کھانا کبھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں شکم سیر ہو کر پڑا رہوں؟ درآنحالیکہ میرے گردوپیش

بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں یا میں ویسا ہو جاؤں جیسا کہنے والے نے کہا ہے: "تمھاری یہ بیماری کیا کم ہے کہ تم پیٹ بھر کر لمبی تان لو اور تمھارے گرد کچھ ایسے جگر ہوں جو سوکھے چمڑے کو ترس رہے ہوں؟"

کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے "امیر المومنین" کہا جاتا ہے مگر میں زمانے کی سختیوں میں مومنوں کا شریک و ہمدم اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لیے اچھا نمونہ نہ بنوں؟

میں اسی لیے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں۔ اس بندھے ہوئے چوپایہ کی طرح سے جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر لگی رہتی ہے یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے۔ وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے۔ کیا میں بے قید و بند چھوڑ دیا گیا ہوں؟ یا بیکار کھلے بندوں رہا کر دیا گیا ہوں کہ گمراہی کی رسیوں کو کھینچتا رہوں اور بھٹکنے کی جگہوں میں منہ اُٹھائے پھرتا رہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی کہے گا کہ جب ابن ابی طالبؑ کی خوراک یہ ہے تو ضعف و ناتوانی نے اسے حریفوں سے بھڑنے اور دلیروں سے ٹکرانے سے بٹھا دیا ہوگا۔ مگر یاد رکھو کہ جنگل کے درخت کی لکڑی مضبوط ہوتی ہے اور تر و تازہ پیڑوں کی چھال کمزور اور پتلی ہوتی ہے اور صحرائی جھاڑ کا ایندھن زیادہ بھڑکتا ہے اور دیر میں بجھتا ہے۔

مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ایک ہی جڑ سے پھوٹنے والی دو شاخوں کو ایک دوسرے سے اور کلائی کو بازو سے ہوتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تمام عرب ایکا کر کے مجھ سے لڑنا چاہیں تو میدان چھوڑ کر پیٹھ نہ دکھاؤں گا اور موقع پا کر ان کی گردنیں دبوچ لینے کے لیے لپک کر آگے بڑھوں گا اور کوشش کروں گا کہ اس اُلٹی کھوپڑی والے بے ہنگم

ڈھانچے (امیر شام) سے زمین کو پاک کردوں تاکہ کھلیان کے دانوں سے کنکر نکل جائے۔

اے دنیا! میرا پیچھا چھوڑ دے۔ تیری باگ ڈور تیرے کاندھے پر ہے۔ میں تیرے پنجوں سے نکل چکا ہوں۔ تیرے پھندوں سے باہر ہو چکا ہوں اور تیری پھسلنے کی جگہوں میں بڑھنے سے قدم روک رکھے ہیں۔

کہاں ہیں وہ لوگ جنھیں تُو نے کھیل تفریح کی باتوں سے چکمے دیئے تھے؟ کدھر ہیں وہ جماعتیں جنھیں تُو نے اپنی آرائشوں سے ورغلائے رکھا؟ وہ آج قبروں میں دبکے ہوئے اور خاکِ لحد میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر تُو دکھائی دینے والا مجسمہ اور سامنے آنے والا ڈھانچہ ہوتی تو بخدا میں تجھ پر اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں جاری کرتا کہ تُو نے بندوں کو اُمیدیں دلا دلا کر بہکایا اور قوموں کی قوموں کو (ہلاکت کے) گڑھوں میں لا پھینکا اور تاجداروں کو تباہیوں کے حوالے کر دیا اور سختیوں کے گھاٹ پر لا اُتارا جن پر اس کے بعد نہ سیراب ہونے کے لیے اُتارا جائے گا اور نہ سیراب ہو کر پلٹایا جائے گا۔

پناہ بخدا! جو تیری پھسلن پر قدم رکھے گا وہ ضرور پھسلے گا جو تیری موجوں پر سوار ہوگا وہ ضرور ڈوبے گا اور جو تیرے پھندوں سے بچ کر رہے گا وہ توفیق سے ہمکنار ہوگا۔ تجھ سے دامن چھڑا لینے والا پروا نہیں کرتا۔ اگرچہ دنیا کی وسعتیں اس کے لیے تنگ ہو جائیں۔ اس کے نزدیک تو دنیا ایک دن کے برابر ہے کہ جو ختم ہوا چاہتا ہے۔

اے دنیا! مجھ سے دُور رہ، میں تیرے قابو میں آنے والا نہیں کہ تو مجھے ذلتوں میں جھونک دے اور نہ میں تیرے سامنے اپنی باگ ڈھیلی چھوڑنے والا ہوں کہ تو مجھے ہنکا لے جائے۔

میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں ایسی قسم جس میں اللہ کی مشیت کے علاوہ کسی

چیز کا استثنا نہیں کرتا کہ میں اپنے نفس کو ایسا سدھاؤں گا کہ وہ کھانے میں ایک روٹی کے ملنے پر خوش ہو جائے اور اس کے ساتھ صرف نمک پر قناعت کرے اور اپنی آنکھوں کا سوتا اس طرح خالی کردوں گا جس طرح وہ چشمۂ آب جس کا پانی تہِ نشین ہو چکا ہو۔

کیا جس طرح بکریاں پیٹ بھر لینے کے بعد سینہ کے بل پر بیٹھ جاتی ہیں اور سیر ہو کر اپنے باڑے میں گھس جاتی ہیں، اسی طرح علیؑ بھی اپنے پاس کا کھانا کھالے اور لمبی سو جائے اس کی آنکھیں بے نُور ہو جائیں۔ اگر وہ زندگی کے طویل سال گزرنے کے بعد کھلے ہوئے چوپاؤں اور چرنے والے جانوروں کی پیروی کرنے لگے۔

خوش نصیبی اس شخص کے کہ جس نے اللہ کے فرائض کو پورا کیا اور سختی اور مصیبت میں صبر کیے پڑا رہا۔ راتوں کو اپنی آنکھوں کو بیدار رکھا اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو ہاتھ کو تکیہ بنا کر ان لوگوں کے ساتھ فرشِ خاک پر پڑا رہا کہ جن کی آنکھیں خوفِ حشر سے بیدار، پہلو بچھونوں سے الگ اور ہونٹ یادِ خدا میں زمزمہ سنج رہتے ہیں، اور کثرتِ استغفار سے جن کے گناہ چھٹ گئے ہیں۔ یہی اللہ کا گروہ ہے اور بے شک اللہ کا گروہ ہی کامران ہونے والا ہے۔ اے ابن حنیف! اللہ سے ڈرو اور اپنی ہی روٹیوں پر قناعت کرو، تاکہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا پاسکو"۔

انبیائے ماسبق پر حضرتؑ کی فضیلت

انوارِ نعمانیہ میں کتاب المناقب کے حوالے سے صعصعہ بن صوحان سے منقول ہے کہ جب حضرتؑ کو ضرب لگی تو میں آپؑ کی عیادت کے لیے گیا۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنینؑ! آپؑ افضل ہیں یا آدمؑ ابو البشر؟

آپؑ نے فرمایا: انسان کو خود ستائی نہیں کرنی چاہیے، لیکن سن لو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے فرمایا تھا کہ ساری جنت کے درخت تمھارے لیے مباح ہیں لیکن اس درخت کے پاس مت

جانا ورنہ ظالم بن جاؤ گے۔ مگر آدمؑ شجرۂ ممنوعہ کے پاس گئے تھے۔

اللہ نے میرے لیے بہت سی چیزیں مباح کی ہیں، لیکن میں ان مباح چیزوں کے قریب بھی نہیں گیا۔

میں نے کہا: آپؑ افضل ہیں یا حضرتِ نوحؑ؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو بددعا کی تھی جب کہ میں نے اپنے ظالموں کو بددعا نہیں کی۔ نوحؑ کا ایک بیٹا کافر تھا جب کہ میرے دو بیٹے جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

میں (راوی) نے عرض کیا: آپؑ افضل ہیں یا حضرتِ موسیٰؑ؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو اُنھوں نے کہا تھا: انی اَخاف ان یقتلون ''مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل ہی نہ کر دیں''۔

خدا نے تسلی دی کہ وہ تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، تب موسیٰؑ روانہ ہوئے تھے لیکن رسولِ خدا نے مجھے سورۂ برات دے کر فرمایا: اجتماعِ حج میں جاؤ اور مشرکین سے بیزاری کی ان آیات کی تلاوت کرو۔

اس وقت میں مشرکین کے سرداروں کو قتل کر چکا تھا مگر میں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے قتل ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں بے خوف ہو کر مکہ گیا اور سورۂ برأت کا پیغام پہنچایا۔

میں (راوی) نے کہا: آپؑ افضل ہیں یا عیسیٰؑ بن مریمؑ؟

آپؑ نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بیت المقدس میں تھیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو بی بی کو ہاتف کی آواز سنائی دی کہ یہاں سے باہر چلی جا یہ عبادت کا گھر ہے ولادت کا گھر نہیں ہے، لیکن جب میری ولادت کا وقت آیا تو اس وقت میری والدہ حرم میں تھیں اُنھیں ایک ہاتف کی آواز سنائی دی: فاطمہ بنت اسد! کعبہ میں داخل ہو جائیں۔

یہ آواز سن کر میری والدہ کعبہ میں داخل ہوئیں اور وہاں میری ولادت ہوئی۔ یہ وہ فضیلت ہے جو نہ تو مجھ سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی ہے اور نہ ہی میرے بعد کسی کو نصیب ہوگی۔

حضرتؑ اپنی شہادت کی خبر دیتے ہیں

ارشادِ خداوندی ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ (سورۂ احزاب: آیت ۲۳)

''مومنین میں کچھ ایسے مرد ہیں جنھوں نے خدا سے کیا ہوا عہد پورا کر دیا۔ ان میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اپنی منت پوری کر دی اور وہ بھی ہیں جو انتظار کر رہے ہیں۔ ان میں کسی طرح کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی''۔

ہماری آج کی گفتگو امیر المومنینؑ کی شہادت کے حوالے سے ہے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنینؑ کو راہِ خدا میں شہادت کی خبر دی تھی۔

جنگِ اُحد میں حضرت علی علیہ السلام شہید نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ نے رسولِ خدا کے سامنے اپنی اس حسرت کا اظہار کیا تھا اور عرض کیا تھا: یا رسول اللہ! میں شہادت کی نعمت سے محروم رہا ہوں اور میں اس محرومی پر غمگین ہوں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: یا علیؑ! شہادت تمھارے عقب میں ہے۔

جنگِ خندق میں عمر بن عبدود نے آپؑ کے سر پر تلوار کا حملہ کیا تھا جس سے آپؑ کے سر اطہر پر زخم آیا اور چہرہ خون آلود ہو گیا۔ رسولِ اکرمؐ نے آپؑ کا خون اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تھا اور آپؐ مسلسل یہ فرماتے تھے کہ نجانے اس دن میں کہاں ہوں گا جب کہ آخری زمانہ کا بدبخت ترین شخص تیری ریش کو تیرے سر کے خون سے خضاب کرے گا؟؟

رسول اکرم ﷺ نے ماہِ شعبان کے آخری جمعہ میں خطاب کیا تھا اور اس خطبہ میں آپؐ نے ماہِ رمضان کے فضائل بیان کیے۔

خطبہ کے آخر میں امیرالمومنینؑ اُٹھے اور عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! اس مہینے کا افضل ترین عمل کون سا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ابوالحسنؑ! اس مہینہ کا بہترین عمل محارمِ الٰہی سے پرہیز کرنا ہے۔ پھر آنحضرتؐ رونے لگے تھے۔

حضرت علیؑ نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا: میں اس لیے رو رہا ہوں کہ اس مہینہ میں تجھ پر بڑا ظلم کیا جائے گا۔ گویا میں یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ تم نماز ادا کر رہے ہو اور اوّلین و آخرین کا بدبخت جو کہ ناقۂ صالح کو پے کرنے والے بدبخت ترین شخص کے مانند ہے، وہ آگے بڑھ کر تمھارے سر پر حملہ کر رہا ہے جس سے تمھاری داڑھی رنگین ہو چکی ہے۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا اس وقت میرا دین سلامت ہوگا؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا: جی ہاں! تیرا دین سلامت ہوگا۔

امام علی علیہ السلام اکثر اوقات لوگوں کو اپنی یقینی شہادت کی خبر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک دن یہی داڑھی سر کے خون سے رنگین ہوگی۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن بن ملجم آپؑ کی بیعت کے لیے آیا تو آپؑ بڑی دیر تک اس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: میں تجھ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دینا۔

اس نے کہا کہ میں صحیح جواب دوں گا۔

آپؑ نے فرمایا: جب تو لڑکوں سے کھیلنے کے لیے جاتا تھا اور وہ تجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھتے تو کیا وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ کتے چرانے والی عورت کا بیٹا ہمارے پاس آ رہا ہے؟

ابنِ ملجم نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے۔

آپؑ نے فرمایا: جب تو جوان ہوا اور تیرا گزر ایک شخص سے ہوا تو اس نے تجھے گہری

نظروں سے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ تو قوم ثمود کے بدبخت ترین شخص سے بھی زیادہ بڑا بدبخت ہے۔

ابنِ ملجم نے کہا: جی ہاں، یہ سچ ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تجھے تیری ماں نے بتایا کہ وہ تیرے ساتھ حالتِ حیض میں حاملہ ہوئی تھی؟

ابنِ ملجم کچھ دیر کے لیے ہچکچایا، پھر کہا: جی ہاں! یہ درست ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کھڑا ہو۔ تو وہ کھڑا ہوا تو آپؑ نے فرمایا: انھوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرا قاتل یہودی کی مانند ہوگا بلکہ مکمل یہودی ہوگا۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام کا دستور تھا کہ آپؑ جب بھی ابنِ ملجم کو دیکھتے تو آپؑ یہ شعر پڑھتے تھے۔

اُرِیْدُ حَیَاتَہٗ وَیُرِیْدُ قَتْلِیْ

"میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے"۔

جب آپؑ کی زندگی کا آخری سال شروع ہوا اور بالخصوص ماہِ رمضان کا آغاز ہوا تو آپؑ نے کثرت سے اپنی شہادت کی خبر دینا شروع کر دی تھی۔ آپؑ نے لوگوں سے فرمایا تھا: "آئندہ برس تم ایک ہی صف میں حج ادا کرو گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تم میں موجود نہیں ہوں گا"۔

ان الفاظ سے لوگ سمجھ گئے تھے کہ آپؑ اپنی موت کی خبر دے رہے ہیں۔

آپؑ نے صرف انھی باتوں پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا۔ آپؑ کھل کر اللہ تعالیٰ سے اپنی وفات کی دُعا بھی کیا کرتے تھے اور آپؑ دعا مانگتے تھے کہ خدایا! مجھے جلد وفات دے دے۔

بعض اوقات آپؑ اپنے سر سے عمامہ اُتار کر قرآنِ کریم سر پر رکھتے اور یہ دُعا کرتے تھے: "خدایا! میں ان لوگوں سے ملول ہو چکا ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہو چکے ہیں۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جب اِس کو اُس سے خضاب کیا جائے"۔

یہ کہہ کر آپؑ اپنے سر اور ریش مبارک کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

آپؑ نے ضربت سے قبل اپنی دختر حضرت اُم کلثومؑ کو یہ خبر دی تھی کہ میں نے خواب

میں رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا، اُنھوں نے میرے چہرے سے غبار صاف کیا اور اُنھوں نے فرمایا: علیؑ! تمھارا کوئی قصور نہیں ہے، تم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

امام علیہ السلام تریسٹھ برس کے ہوئے۔ اس سال ماہِ رمضان میں حضرتؑ کا دستور یہ تھا کہ آپؑ اپنی اولاد کے پاس افطار کرتے تھے۔ ایک رات امام حسنؑ کے ہاں افطار کرتے اور دوسری رات امام حسینؑ کے ہاں افطار کرتے۔ ایک رات حضرت زینب کبریٰؑ کے ہاں افطار کرتے اور ایک رات زینب صغریٰؑ المکناۃ اُمِ کلثومؑ کے پاس افطار کرتے۔

انیس کی شب آپؑ کی افطاری حضرت اُمِ کلثومؑ کے پاس تھی۔ بی بیؑ نے افطاری کا سامان ایک پلیٹ میں پیش کیا۔ اس میں جو کی دو روٹیاں تھیں اور اس کے ساتھ ایک پیالہ دودھ کا تھا۔

آپؑ نے حکم دیا کہ دودھ اُٹھا لو۔ آپؑ نے نمک اور نانِ جویں سے افطار کیا۔ دودھ نہ پیا اور فرمایا کہ نمک کافی ہے۔ آپؑ نے ایک روٹی کھائی، پھر اللہ کی حمد و ثنا کی اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپؑ مسلسل رکوع، سجدہ اور مناجات میں مصروف رہے اور گھر کے کمرے سے نکل کر باہر جاتے اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہتے: ''یہ وہی رات ہے جس کا مجھ سے میرے حبیب اللہ کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا۔

کچھ دیر تک آپؑ سو گئے اور پھر گھبرا کر اُٹھے اور اپنے چہرے کو کپڑے سے صاف کرنے لگے اور اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: خدایا! اپنی ملاقات ہمارے لیے بابرکت بنا۔

اس کے ساتھ ہی آپؑ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم کا کثرت سے ذکر کرنے لگے۔ اس طرح سے رات کا کچھ حصہ گزر گیا۔ پھر آپؑ تعقیبات کے لیے بیٹھ گئے۔ اس دوران آپؑ کو بیٹھے بٹھائے نیند آ گئی۔ پھر آپؑ پریشان حالت میں نیند سے بیدار ہوئے۔

حضرتِ اُمِ کلثومؑ کا بیان ہے کہ آپؑ نے اپنی اولاد سے فرمایا: میں نے اس رات ایک خوف ناک خواب دیکھا ہے اور میں تمھیں وہ خواب سنانا چاہتا ہوں۔ مجھے ابھی خواب میں رسولِ اکرمؐ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا ہے:

''اے ابوالحسنؑ! آپؑ بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہو۔ دنیا کا

بدبخت ترین شخص تیرے پاس آئے گا اور تیری داڑھی کو تیرے خون سے خضاب کرے گا۔ خدا کی قسم! میں تمہارا مشتاق ہوں۔ آپ ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں ہمارے پاس ہوں گے۔ اب ہمارے پاس چلے آؤ، جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے"۔

جب آپؑ کی اولاد نے یہ خواب سنا تو اُن کی چیخوں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ حضرتؑ نے انھیں خدا کا واسطہ دے کر خاموش رہنے کو کہا۔ پھر آپؑ نے ان کو نصیحتیں کیں اور نیکی بجالانے اور برائی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔

بی بیؑ کا بیان ہے کہ وہ رات میرے والد نے قیام وقعود اور رکوع وسجود میں بسر کی۔ آپؑ ہر گھڑی کے بعد باہر جاتے اور آسمان اور ستاروں کو دیکھتے تھے اور یہ فرماتے تھے: خدا کی قسم! میں نے آج تک جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی۔ یہ وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ کہہ کر آپؑ مصلّٰی پر آجاتے اور یہ کہتے: خدایا! ہمارے لیے موت کو بابرکت فرما۔

اس کے بعد آپؑ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کا ورد کرتے تھے اور رسولِ خدا پر صلوات بھیجتے اور خدا سے استغفار کرتے۔

بی بیؑ فرماتی ہیں: اس رات میرے والد ماجد بے چین رہے۔ ان کی بے چینی کی وجہ سے میں سو نہیں سکی تھی۔ میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا: بابا جانؑ! آپؑ تو ساری رات نہیں سوئے۔

آپؑ نے فرمایا: اے میری پیاری دختر! تیرے والد نے بڑے بڑے دلیروں کو قتل کیا ہے اور ہولناک وادیوں کو عبور کیا ہے، لیکن میرے دل میں کبھی خوف محسوس نہیں ہوا۔ لیکن آج رات میرا دل گھبرایا ہوا ہے۔ پھر آپؑ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی آیت تلاوت کی۔

میں نے کہا: بابا جانؑ! آپؑ اس رات کے شروع ہونے سے ہی اپنی موت کی خبر دے رہے ہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: پیاری دخترؑ! موت کا وقت قریب آ چکا ہے اور اُمیدیں ٹوٹ چکی ہیں۔

یہ سن کر میں رونے لگی۔ میرے والد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا: بیٹی! گریہ نہ کرو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ وہی ہے جس کا رسولِ اکرمؐ نے مجھ سے عہد لیا تھا۔

اس کے بعد آپؑ کی آنکھ لگ گئی اور کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے۔ پھر بیدار ہو کر مجھ سے فرمایا: جب اذان کا وقت قریب آئے تو مجھے اس کی خبر دینا۔

اس کے بعد آپؑ رات کے پہلے حصّہ کی طرح سے رکوع و سجود اور مناجات میں محو ہو گئے۔ میں وقتِ اذان کا انتظار کرنے لگی۔ جب وہ وقت آیا تو میں ایک برتن میں پانی بھر کر آپؑ کے پاس لائی اور آپؑ کو بیدار کیا۔ آپؑ نے کامل وضو کیا۔ اُٹھے اور کپڑے پہنے۔ دروازہ کھول کر صحن میں آئے۔ صحن میں بطخیں تھیں وہ دوڑ کر آپؑ کے پیچھے آئیں۔ وہ بطخیں میرے بھائی حسینؑ کو کسی نے ہدیہ کی تھیں۔ بطخیں شور کرنے لگیں جب کہ اس سے پہلے بطخوں نے کبھی شور نہیں کیا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ۔ ابھی یہ چیخ رہی ہیں کچھ دیر بعد نوحہ کرنے والی خواتین کی آوازیں بلند ہوں گی۔ صبح ہوتے ہی قضا ظاہر ہو جائے گی۔

میں نے عرض کیا: بابا جانؑ! کیا آپؑ اس طرح سے فال لیتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: بیٹی! ہمارے گھر میں کوئی بھی فال نہیں لیتا اور نہ ہی کسی کے ذریعے سے فال لی جاتی ہے۔ یہ بات بے ساختہ طور پر میری زبان پر جاری ہو گئی۔

پھر آپؑ نے فرمایا: بیٹی! تمھیں میرے حق کا واسطہ! یہ بے زبان تمھاری قید میں ہیں۔ یہ بول نہیں سکتی، ان کے خورد و نوش کا خیال رکھنا۔ اگر نہ ہو سکے تو انھیں آزاد کر دینا۔ وہ زمین کے گھاس پھوس سے اپنا رزق حاصل کرتی رہیں گی۔

پھر آپؑ دروازے کی طرف بڑھے۔ اُسے کھولنا چاہتے تھے کہ زنجیر کپڑوں میں اُلجھ گئی جس سے آپؑ کی عبا گر پڑی۔ آپؑ نے عبا اُٹھائی اور کندھے پر ڈالی اور یہ اشعار پڑھے:

اُشْدُدْ حَیَازِیْمَکَ لِلْمَوْتِ فَاِنَّ الْمَوْتَ لَاقِیْکَا
وَلَا تَجْزَعْ مِنَ الْمَوْتِ اِذَا حَلَّ بِنَادِیْکَا
کَمَا اَضْحَکَ الدَّهْرُ کَذٰلِکَ الدَّهْرُ یُبْکِیْکَا

''موت کے لیے اپنی کمر کو مضبوطی سے کس لو، یقیناً موت تمھاری ملاقات کرنے والی ہے۔ جب موت تیری محفل میں اُترے تو جزع فزع نہ کرنا۔ جس طرح سے زمانہ نے تجھے ہنسایا ہے اسی طرح سے وہ تجھے رُلائے گا''۔

پھر آپؑ نے کہا: پروردگارا! ہمارے لیے موت کو بابرکت کرنا۔ پروردگارا! اپنی ملاقات کو میرے لیے بابرکت کرنا۔

بی بیؑ فرماتی ہیں کہ میں والد کے پیچھے چل رہی تھی، جب میں نے والد بزرگوار کی زبان سے یہ جملے سنے تو بین کر کے کہا:

وَاغَوْثَاہُ یَا اَبَتَاہُ اَرَاکَ تَنْعِیْ نَفْسَکَ مُنْذُ اللَّیْلَۃِ

''ہائے مددگارا! ہائے بابا جانؑ! آپؑ رات ہی سے موت کی خبر دے رہے ہیں''۔

آپؑ نے فرمایا: بیٹی! یہ سناؤنی نہیں ہے، البتہ یہ موت کی علامات و دلالات ہیں جو کہ ایک دوسرے کے بعد پیش آ رہی ہیں۔

پھر آپؑ نے دروازہ کھولا اور باہر روانہ ہو گئے۔ میں اپنے بھائی حسنِ مجتبیٰؑ کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ بابا جانؑ نے آج رات سے اپنی موت کی خبر دی ہے اور اس وقت وہ رات کی تاریکی میں گھر سے باہر گئے ہیں۔ آپؑ اپنے والد کے ساتھ جائیں۔

امام حسن علیہ السلام اُٹھے اور والد بزرگوار کے پاس پہنچ گئے۔ امام علیہ السلام نے آپؑ کو واپسی کا حکم دیا۔

دشمنِ خدا عبدالرحمٰن ابنِ ملجم خوارج کا نظریہ رکھتا تھا۔ اس کی قطام نامی عورت سے عشق و محبت چل رہی تھی۔ اس عورت کا باپ، بھائی اور شوہر نہروان میں قتل ہو چکے تھے۔ ابنِ ملجم اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

اس عورت نے اپنے نکاح کی یہ شرط پیش کی کہ وہ امیرالمومنینؑ کو قتل کردے۔

ابنِ ملجم نے کہا: یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔

اس بے حیا عورت نے کہا: میرا حق مہر یہ ہے کہ تم مجھے تین ہزار دینار دو گے اور ایک غلام اور کنیز فراہم کرو گے اور سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ کو قتل کرو گے۔

یہ اشعار ابنِ ملجم کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ۔

فَلَمْ اَرَ مَهْرًا سَاقَهُ ذُوْ سَمَاحَةٍ   كَمَهْرِ قَطَامٍ مِنْ فَصِيْحٍ وَّاَعْجَمَ

ثَلَاثَةُ آلَافٍ وَعَبْدٌ وَقَيْنَةٌ   وَضَرْبُ عَلِيٍّ بِالْحُسَامِ الْمُصَمَّمِ

"عرب وعجم میں قطام کے مہر سے زیادہ مہنگا مہر آج تک میں نے نہیں دیکھا۔ تین ہزار دینار، غلام اور کنیز اور تیز ترین تلوار سے علیؑ کا قتل کرنا"۔

اسی سلسلہ کی ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ تین خارجیوں نے آپس میں اجتماع کیا اور کہا کہ اس وقت علیؑ بن ابی طالبؑ، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص عالمِ اسلام میں فساد کی بنیاد ہیں اور اگر انھیں قتل کردیا جائے تو پورے عالمِ اسلام میں امن و سکون قائم ہوجائے گا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا: میں علیؑ کو قتل کروں گا اور برک بن عبداللہ نے کہا کہ میں عمرو بن العاص کو مصر پہنچ کر قتل کروں گا۔ تیسرے خارجی کا نام عنبری تھا اس نے کہا کہ میں شام پہنچ کر معاویہ کا کام تمام کروں گا۔

پھر ان تینوں نے انیس ماہِ رمضان کی نمازِ فجر کا وقت مقرر کیا۔ چنانچہ اس قرارداد کے تحت برک بن عبداللہ تمیمی عمرو بن العاص کو قتل کرنے کے لیے مصر گیا، لیکن عمرو العاص نمازِ فجر کے لیے نہ آیا۔ اُس نے خارجہ بن تمیم کو نماز کے لیے بھیجا۔ جب وہ محراب میں کھڑا ہوا تو برک نے یہ سمجھا کہ یہ عمرو بن العاص ہے۔ اس نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا اور اُس پر حملہ کیا اور اس ضربت کی وجہ سے خارجہ کی موت واقع ہوئی۔

عنبری شام گیا اور معاویہ کے دربار تک رسائی حاصل کی اور اس سے دوستی قائم کرلی۔ وہ روزانہ اس کے پاس جاتا اور اُسے اشعار سناتا۔ جب انیس رمضان کی فجر ہوئی اور معاویہ

نماز کے لیے آیا تو اُس نے معاویہ پر حملہ کیا۔ حملہ خطا ہوا اور تلوار معاویہ کی سرین پر لگی جس کی وجہ سے اُسے کچھ زخم آیا لیکن بعد میں علاج معالجہ سے ٹھیک ہو گیا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم اس رات مسجد میں آیا اور رات مسجد میں بسر کی اور طلوعِ فجر امام علیہ السلام کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ وہ ساری رات اس بدترین جرم کے ارتکاب کے متعلق سوچتا رہا۔ اس کی مدد کے لیے دو اور خارجی بھی موجود تھے، ایک کا نام شبیب بن بجرہ تھا اور دوسرے کا نام وردان بن مجالد تھا۔

امام علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے اور مسجد میں نماز پڑھی۔ پھر آپ گلدستہ اذان پر آئے کانوں میں انگشتِ سبابہ رکھی اور تھوڑا سا کھانسے، پھر اذان دی۔ آپؑ کی اذان کی صدا پورے کوفہ کے گھروں میں پہنچی۔

پھر آپ گلدستۂ اذان سے نیچے اُترے، آپؑ خدا کی تسبیح و تکبیر کر رہے تھے اور نبی اکرمؐ پر درود پڑھ رہے تھے۔ پھر آپؑ نے مسجد میں سوئے ہوئے افراد کو جگانا شروع کر دیا اور ہر سوئے ہوئے فرد سے کہتے کہ خدا تجھ پر رحم کرے اُٹھو نماز پڑھو۔ پھر آپؑ یہ آیت پڑھتے تھے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ (نماز بُرائی اور بے حیائی سے روکتی ہے)۔

آپ لوگوں کو جگاتے ہوئے ابنِ ملجم کے پاس آئے۔ وہ منہ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی تلوار چھپائی ہوئی تھی۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے شخص! نیند سے بیدار ہو جا، اس طرح سے سونے کو خدا ناپسند کرتا ہے۔ یہ شیطان کے سونے کا انداز ہے اور یہ اہلِ دوزخ کے سونے کا انداز ہے۔ داہنے پہلو کے بل سوؤ کیونکہ یہ علماء کی نیند ہے اور بائیں پہلو کے بل سونا حکماء کی نیند ہے اور پشت کے بل سونا انبیاءؑ کی نیند ہے۔

جی ہاں، سورج کی روشنی ہر ایک پر پڑتی ہے خواہ کوئی نیک ہو یا بد، پاک ہو یا پلید۔

امام علیہ السلام اپنے علم کا فیضان ہر نیک و بد پر کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ آپؑ نے کائنات کے بدبخت ترین شخص کو بھی اپنے علمی فیضان سے محروم نہیں رکھا تھا۔ پھر آپؑ نے اس لعین

سے فرمایا: تو جو ارادہ لے کر آیا ہے یہ اتنا خوفناک ہے کہ اس سے آسمان پھٹ سکتے ہیں اور زمین ریزہ ریزہ ہو سکتی ہے۔ اگر میں چاہوں تو میں تجھے یہ بتا سکتا ہوں کہ تُو نے کپڑوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔

یہ کہہ کر آپؑ چلے گئے اور محراب میں تشریف لائے اور نماز شروع کی۔ آپؑ نے نماز میں طویل رکوع و سجود کیے۔

ادھر وہ لعین تاریخ انسانیت کے بدترین جرم کے اقدام کی نیت سے اُٹھا اور چلتے ہوئے اس ستون کے قریب آیا جہاں آپؑ نماز میں مصروف تھے۔ آپؑ نے پہلی رکعت پڑھی اور پہلا سجدہ ادا کیا۔ پھر سر کو اُٹھایا۔ وہ لعین آگے بڑھا اور آپؑ کے سر اَطہر پر تلوار کا وار کیا۔ اس لعین کی تلوار وہاں پڑی جہاں عمرو بن عبدود عامری کی ضربت لگی تھی۔

امام علیہ السلام چہرے کے بل زمین پر گرے اور یہ کلمات فرمائے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

پھر آپؑ نے چیخ کر فرمایا: مجھے ابنِ ملجم نے قتل کیا ہے۔ مجھے فرزند یہودیہ نے قتل کیا ہے۔ ابن ملجم تمہارے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔

امام علیہ السلام نے لوگوں کو اپنے قاتل کا نام اس لیے بتایا کہ لوگ غصہ میں آ کر بے گناہوں کا قتلِ عام نہ کریں، جب کہ اس سے قبل عمر بن خطاب کے قتل کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے بیٹے عبیداللہ نے بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ اسی لیے آپؑ چاہتے تھے کہ ویسا حادثہ دوبارہ نہ ہونے پائے۔

امام علیہ السلام کی احتیاط اور حق پرستی ملاحظہ فرمائیں کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپؑ نظامِ حیات کو تباہ ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپؑ نے یہ سب کچھ اس وقت کیا جب آپؑ کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور چہرۂ اَطہر خون سے تر بہ تر تھا۔

آپؑ نے پیشانی پر پٹی باندھی اور زخم پر مٹی ڈالنا شروع کی، لیکن خون رُکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آپؑ کے سر کا خون آپؑ کے سینہ تک پھیل چکا تھا اور آپؑ کی برداشت کا یہ عالم تھا کہ چیخنے چلانے کی بجائے آپؑ بار بار یہ فرما رہے تھے:

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ هٰذَا مَا وَعَدَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

''ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔ یہ وہی کچھ ہے جس کا خدا اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اُس کے رسولؐ کا وعدہ سچا ثابت ہوا''۔

لوگوں پر دہشت اور حیرانی چھا گئی، بالخصوص وہ لوگ زیادہ پریشان ہوئے جو مسجد میں نماز کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اسی لمحے جبرئیل امینؑ کی صدا بلند ہوئی۔ آج تک تاریخ انبیاءؑ میں کبھی ایسی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ کسی نبیؑ یا کسی بھی وصی کی موت پر یہ آواز نہیں آئی تھی۔ یہ آواز اس وقت بلند ہوئی جب قاتل کی تلوار سر سے ٹکرائی تو جبرئیلؑ نے منادی کی۔ اس طرح کی منادی جبرئیلؑ پہلے بھی کر چکے تھے۔ اُنھوں نے جنگِ اُحد میں آپؑ کی جوانمردی کی خاطر ندا بلند کر کے یہ کہا تھا:

لَا فَتٰى اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ

جامع مسجد کے کواڑ آپس میں ٹکرائے اور آسمان پر ملائکہ کی چیخیں بلند ہوئیں اور سیاہ آندھی چلی۔ جبرئیل امینؑ نے زمین و آسمان کے درمیان آواز دی جسے ہر بیدار انسان نے اپنے کانوں سے سنا:

تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهِ اَرْكَانُ الْهُدٰى وَانْطَمَسَتْ وَاللّٰهِ نُجُوْمُ السَّمَآءِ وَاَعْلَامُ التُّقٰى وَانْفَصَمَتْ وَاللّٰهِ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى، قُتِلَ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى، قُتِلَ الْوَصِيُّ الْمُجْتَبٰى قُتِلَ عَلِيُّ الْمُرْتَضٰى، قُتِلَ وَاللّٰهِ سَيِّدُ الْاَوْصِيَآءِ قَتَلَهٗ اَشْقَى الْاَشْقِيَآءِ

''خدا کی قسم ہدایت کے ستون گر گئے۔ خدا کی قسم آسمان کے ستارے بجھ گئے اور تقویٰ کے ستون منہدم ہو گئے۔ خدا کی قسم! مضبوط رسی کے بَل کھل گئے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابن عم شہید ہو گئے، وصی مجتبیٰؑ شہید ہوگیا، علی مرتضیٰؑ شہید ہوگیا۔ خدا کی قسم! سیّدالاوصیاء شہید ہوگیا اور کائنات کے سب سے بڑے بدبخت نے اُنھیں شہید کیا''۔

جب حضرت اُم کلثومؑ نے یہ صدا سنی تو اپنے چہرے اور رخساروں کو پیٹنے لگیں

اور گریبان چاک کیا اور رو رو کر کہا:

وَا اَبَتَاهُ وَا عَلِيَّاهُ وَا مُحَمَّدَاهُ وَا سَيِّدَاهُ

حسنین کریمینؑ گھر سے باہر آئے۔ اس وقت لوگ نوحہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

وَ اِمَامَاهُ وَا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنَاهُ، قُتِلَ وَاللهِ اِمَامٌ عَابِدٌ مُجَاهِدٌ لَمْ يَسْجُدْ لِصَنَمٍ

"ہائے امامؑ، ہائے امیرالمومنینؑ، خدا کی قسم! عابد و مجاہد امامؑ مارا گیا، وہ مارا گیا جس نے کبھی بتوں کا سجدہ نہیں کیا تھا۔ وہ مارا گیا جو پوری دنیا میں سے رسولؐ خدا کے زیادہ مشابہ تھا"۔

جب حسنین کریمینؑ نے لوگوں کے یہ نوحے سنے تو انھوں نے رُو رُو کر کہا:

وَا اَبَتَاهُ وَا عَلِيَّاهُمْ لَيْتَ الْمَوْتَ اَعْدَمَنَا الْحَيَاةَ

"ہائے بابا جانؑ، ہائے علیؑ! کاش کہ ہم پر پہلے موت آ گئی ہوتی اور یہ دن نہ دیکھتے"۔

جب حسنینؑ مسجد میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ابوجعدہ بن ہبیرہ اور کچھ اور مسلمان کوشش کر رہے تھے کہ امامؑ کو محراب میں کھڑا کریں، تا کہ امامؑ جماعت کرا سکیں۔

آپؑ میں اُٹھنے کی طاقت نہیں تھی، اسی لیے آپؑ صف سے پیچھے ہو گئے اور اُن کی جگہ امام حسنؑ نے نماز پڑھائی۔ امیرالمومنینؑ نے اشاروں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس اثنا میں اپنے چہرے اور ریش اَطہر سے خون پونچھتے رہے۔ آپؑ نقاہت کی وجہ سے کبھی دائیں مڑ جاتے اور کبھی بائیں جھک جاتے تھے۔

نماز پڑھانے کے بعد امام حسنؑ نے یہ ندا دی:

وَا اِنْقِطَاعَ ظَهْرَاهُ يَعِزُّ وَاللهِ عَلَيَّ اَنْ اَرَاكَ هٰكَذَا

"ہائے میری کمر ٹوٹ گئی، آپؑ کو اس حالت میں دیکھنا میرے لیے سخت مشکل ہے"۔

امام علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا:

اے پیارے فرزند! آج کے بعد تیرے والد پر کوئی پریشانی نہیں ہے! یہ تیرے نانا محمد مصطفیٰؐ اور تیری نانی خدیجہ کبریٰؑ اور تیری ماں فاطمہ زہراؑ اور جنّت کی حوریں میرے پاس پہنچ گئی ہیں اور وہ میرے پہنچنے کی منتظر ہیں۔ حوصلہ بلند رکھو اور گریہ کو چھوڑ دو۔ تمہارے رونے کی وجہ سے ملائکہ کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔

چند لحات میں یہ خبر پورے کوفہ میں پھیل گئی۔ مرد و زن گھروں سے نکل کر جامع مسجد کی طرف دوڑ پڑے، تاکہ اپنے امامؑ کا دیدار کر سکیں۔

الغرض لوگ مسجد میں آئے۔ اس وقت امام حسنِ مجتبیٰؑ اپنے والد کا سر اپنی آغوش میں رکھے ہوئے تھے اور خون صاف کر رہے تھے۔ پھر آپؑ نے زور سے پٹی باندھی مگر زخم اتنا گہرا تھا کہ خون رُکنے میں نہیں آ رہا تھا اور آپؑ کے چہرے کی زردی اور سفیدی بڑھ رہی تھی اور آپؑ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے اور آپؑ کی زبان پر تسبیح جاری تھی اور آپؑ مسلسل اس جملے کا تکرار کر رہے تھے:

اَسْأَلُكَ يَا رَبِّ الرَّفِيْعُ الْاَعْلٰى

آپ کا سر امام حسنِ مجتبیٰؑ کی آغوش میں تھا۔ اس اثناء میں آپؑ پر غشی طاری ہوئی۔ امامِ حسنؑ یہ منظر دیکھ کر زور زور سے رونے لگے اور اپنے والد کے چہرے اور مقاماتِ سجود کو بوسے دینے لگے۔

امام حسن علیہ السلام کے گرم آنسو امیر المومنینؑ کے چہرے پر پڑے تو آپؑ نے آنکھیں کھول دیں اور امامِ حسنؑ کو روتے ہوئے پایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: حسنؑ! یہ گریہ کیسا ہے؟

آج کے بعد تیرے والد پر کوئی پریشانی نہیں ہے۔

فرزند! آج تو تم مجھ پر رو رہے ہو، جب کہ کل تجھے مظلومیت کے عالم میں زہر سے شہید کیا جائے گا اور تیرے بھائی کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور یوں تم اپنے نانا، والد اور والدہ سے ملاقات کرو گے۔

امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: بابا جان! ہمیں بتائیں کہ آپؑ کو کس نے زخمی کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: مجھے فرزندِ یہودیہ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے زخمی کیا ہے۔

امام حسنؑ نے پھر عرض کیا: بابا جانؑ! وہ کس راستے سے بھاگا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تمہیں اس کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ابھی اسی دروازے سے تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ آپؑ نے بابِ کندہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپؑ کے سر اور بدن میں زہر اثر کر رہی تھی۔ آپؑ ایک لمحے کے لیے بے ہوش ہو گئے۔ لوگ قاتل کا انتظار کر رہے تھے اور بار بار بابِ کندہ کی طرف اُن کی نظریں اُٹھ رہی تھیں۔ چند لمحات کے بعد شور و غوغا سنائی دیا۔ معلوم ہوا کہ دشمنِ خدا گرفتار ہو کر مسجد میں لایا جا رہا ہے۔

لوگوں نے اس پر حملہ کیا اور اپنے دانتوں سے لعین کو کاٹنے لگے اور اس سے کہتے تھے: اے دشمنِ خدا! تُو نے یہ کیا کام کیا ہے؟ تُو نے اُمتِ محمدؐ کو تباہ کیا ہے اور کائنات کے افضل ترین شخص کو قتل کیا ہے۔

وہ لعین خاموش تھا۔ اس کے آگے ایک شخص تھا جس کے ہاتھ میں بے نیام تلوار تھی۔ وہ لوگوں کو لعین کے قتل سے منع کر رہا تھا۔ وہ شخص حذیفہ نخعی تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! ہٹ جاؤ یہ امامؑ کا قاتل ہے۔ میں اسے مسجد میں امامؑ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اُس لعین کی آنکھیں دہشت سے اُوپر کو اُٹھی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے پر ایک ضربت کے نشان تھے جس کی وجہ سے اس کے چہرے کی ہڈی نمایاں ہو چکی تھی اور اس کی داڑھی اور سینے پر خون بہہ رہا تھا۔ اس کے سیاہ بال اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے اور وہ شیطان کی سی شکل بنائے ہوئے تھا۔

بہر نوع اس لعین کو امامؑ کے سامنے لایا گیا۔ امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تجھ پر ہلاکت ہو اے لعین! اے دشمنِ خدا! تجھ پر لعنت ہو۔ تُو نے امیرالمومنینؑ کو قتل کیا ہے اور پوری اُمتِ اسلامیہ کو تُو نے یتیم بنایا ہے۔ امیرالمومنینؑ نے تو تجھے پناہ دی تھی اور دوسروں پر تجھے فضیلت دی تھی کیا اس نیکی کا بدلہ یہی ہے جو تُو نے ہمیں دیا ہے۔

وہ لعین خاموش رہا۔ اس کے آنسو بہتے رہے۔ پھر کچھ لمحات کے بعد اس نے امام حسنؑ سے کہا: اے ابو محمدؑ! کیا آپؑ کسی دوزخ جانے والے کو چھڑا سکتے ہیں؟

اس کے بعد امامؑ حذیفہ کی طرف متوجہ ہوئے جو اسے گرفتار کر کے لایا تھا۔

آپؑ نے اُس سے فرمایا: تم نے اسے کیسے گرفتار کیا؟

حذیفہ نے جواب دیا کہ میں اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ میری بیوی نے ہاتف غیبی کی صدا سنی جو کہہ رہا تھا:

تَهَدَّمَتْ وَاللهِ اَرْكَانَ الْهُدیٰ وَانْطَمَسَتْ وَاللهِ اَعْلَامُ التُّقٰى قُتِلَ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى ، قُتِلَ عَلِيُّ الْمُرْتَضٰى قَتَلَهٗ اَشْقَى الْاَشْقِيَاءِ

میری بیوی نے مجھے بیدار کیا اور کہا کہ اُٹھو تیرا امام علیؑ بن ابی طالبؑ شہید ہو گیا ہے۔

میں گھبرا کر اُٹھا اور کہا کہ تیرے منہ میں خاک تُو یہ کیا کہہ رہی ہے؟ تُو نے کہیں شیطان کی آواز نہ سنی ہو؟ امیر المومنینؑ نے تو آج تک کسی پر ظلم نہیں کیا، بھلا اُنھیں کوئی کیوں قتل کرے گا اور امیر المومنینؑ شیرِ خدا ہیں بھلا اُنھیں کون قتل کر سکتا ہے؟

میری بیوی نے قسمیں کھا کر کہا کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ بالکل درست ہے۔ میں نے اچھی طرح سے وہ آواز سنی تھی۔ چنانچہ میں گھر سے تلوار بے نیام کر کے نکلا اور جب میں راستے کے درمیان میں آیا تو اس وقت یہ دشمنِ خدا دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن میں نے اُس کے دوڑنے کے تمام راستے بند کر دیے۔ جب میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو یہ شخص مجھے مشکوک لگا۔

میں نے پکار کر کہا کہ تُو کون ہے؟ تیرا کیا نام ہے اور تُو کہاں جانا چاہتا ہے؟ اس نے غلط نام لیا اور غلط قبیلہ کا نام لیا۔

میں نے پوچھا: تو اس وقت کہاں جا رہا ہے؟

اس نے کہا: میں "حیرہ" جا رہا ہوں۔

میں نے کہا: رُک جا اور امیر المومنینؑ کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر چلے جانا۔ اُس نے کہا: اگر میں کچھ دیر رُک گیا تو میرا کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔

میں نے کہا: میں نے ایک چیخ سنی ہے کہ امیر المومنینؑ مارے گئے تو کیا تُو نے بھی ایسی

کوئی آواز سنی ہے؟

اُس نے کہا: مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔

میں نے کہا: پھر تمہیں چاہیے کہ تم مسجد میں جاؤ اور خبر کی تحقیق کر کے پھر حیرہ چلے جاؤ۔

اس نے کہا: میں نے ضروری کام سرانجام دینا ہے جو اس سے کہیں اہم ہے۔

میں نے کہا: اے ذلیل شخص! تیری حاجت امیرالمومنینؑ کا حال دریافت کرنے سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے؟

میں نے تلوار بلند کی کہ اس پر حملہ کروں یہ ایک طرف ہو گیا۔ ہوا کا جھونکا آیا۔ اس کی چادر ہٹی تو میں نے دیکھا کہ اس نے چمکدار تلوار چھپائی ہوئی ہے۔

میں نے کہا کہ تُو نے بے نیام تلوار کیوں اُٹھا رکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تُو ہی امیرالمومنینؑ کا قاتل ہے۔

یہ انکار کرنا چاہتا تھا، لیکن خدا نے اُس کی زبان پر سچ جاری کر دیا اور اُس نے کہا: ہاں، میں نے تلوار بلند کی اور اُدھر اُس نے بھی تلوار اُٹھائی، لیکن اس سے قبل کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا میں نے اس کی پنڈلی پر تلوار ماری اور اُسے زمین پر گرا دیا۔ میں نے اس کو نہتا کرنا چاہا تو اُس نے مزاحمت کی۔ اسی اثناء میں محلہ دار باہر آئے اور اُنھوں نے میری مدد کی۔ میں نے اسے رسیّوں سے جکڑا اور یہاں لے آیا۔ اب مجرم آپؑ کے سامنے ہے جو جی میں آئے اس سے وہی سلوک کریں۔

امام حسن علیہ السلام نے کہا: خدا کا شکر ہے جس نے اپنے ولی کی مدد کی اور اپنے دشمن کو مغلوب کیا۔

پھر امام حسنؑ نے اپنے والد ماجد کو بوسے دیئے اور عرض کیا: بابا جانؑ! خدا اور آپؑ کا دشمن گرفتار ہو کر آ گیا ہے۔

آپؑ نے آنکھیں کھولیں اور آپؑ یہ کہہ رہے تھے: اے میرے رب کے فرشتو! مجھ سے نرمی کرو۔

امام حسنؑ نے دوبارہ عرض کیا: بابا جانؑ! آپؑ کا دشمن ابنِ ملجم آپؑ کے سامنے حاضر

ہے۔

آپؑ نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا وہ رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور اس کی تلوار اس کی گردن میں لٹک رہی تھی۔

امام علیہ السلام نے بڑی شفقت سے فرمایا: اے شخص! تُو نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ تو امرِ عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ کیا میں تیرا بُرا امامؑ تھا کہ تُو نے مجھے اس کا یہ بدلہ دیا ہے؟ کیا میں تجھ پر شفقت نہیں کرتا تھا؟ کیا میں نے تجھے اوروں پر برتری نہیں دی تھی؟ اور کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیے تھے؟ کیا میں نے تیرے وظیفہ میں اضافہ نہیں کیا تھا؟ کیا مجھے تیرے بارے میں پہلے سے اطلاعات نہیں ملی تھیں؟ مگر اس کے باوجود میں نے تجھے قید کیا تھا اور نہ ہی تادیبی سزا جاری کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ تُو ہی میرا قاتل ہے، لیکن اس کے باوجود تجھ پر شقاوت غالب آ گئی اور تُو نے مجھے قتل کیا ہے؟

ابنِ ملجم لعین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے کہا:

امیر المومنین أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ

"کیا آپؑ دوزخ جانے والے کو دوزخ سے بچا سکتے ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا: تُو نے سچ کہا ہے۔ پھر آپؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا:

بیٹا! اپنے قیدی سے نرمی کرنا، اس پر رحم کرنا اور شفقت کرنا۔ دیکھو! اس کی آنکھیں شدتِ خوف سے اُوپر کو اُٹھی ہوئی ہیں اور اس کا دل کانپ رہا ہے۔

امام حسنؑ نے عرض کیا: بابا جانؑ! اس فاجر لعین نے آپؑ کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے اور ہمیں غم میں مبتلا کیا ہے مگر آپؑ اس کے متعلق نرمی کا حکم دے رہے ہیں؟!

آپؑ نے فرمایا: ہاں میرے فرزند! ہمارا گھرانہ مجرم پر بھی رحم کرتا ہے اور رحمت و شفقت ہمارے گھرانے کی پرانی عادت ہے۔

آپؑ کو میرے حق کا واسطہ جو کچھ آپؑ خود کھائیں اُسے بھی کھلائیں اور جو کچھ خود پئیں اُسے بھی پلائیں۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں مت ڈالیں۔ اگر میں اس ضرب سے دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو پھر اُسے قصاص میں قتل کر دینا اور اسے ایک ہی

ضرب مارنا۔ اس کے جسم کو آگ میں نہ جلانا اور مرنے کے بعد اس کی لاش کا حلیہ نہ بگاڑنا۔ میں نے تمہارے نانا جانؐ سے سنا تھا وہ فرماتے تھے کہ کسی کی لاش کے اعضا نہ کاٹو اگرچہ وہ باؤلا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو مجھے معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ میں نے اس سے جو سلوک کرنا ہے اس سلوک سے میں خود زیادہ آگاہ ہوں۔

سید جعفر حلی نے امام علیہ السلام کا کیا ہی اچھا مرثیہ لکھا تھا۔

لبس الاسلام ابراد السواد   یوم ارادی المرتضیٰ سیف المرادی
ليلة ما اصبحت الا وقد   غلب الغی علی امر الرشاد
والصلاح قد تهدمت اعلامه   وعدت ترفع اعلام الفساد
ما رعى الغادر شهر الله فی   حجة الله على كل العباد
ياليال انزل الله بها   سور الذكر على اكرم هادی
محيت فيك على رغم العلى   آية فی فضلها الذكر ينادی
قتلوه وهو فی محرابه   طاوی الاحشاء عن ماء وزاد
سل بعينيه الدجیٰ هل جفتا   عن بكا او ذاقتا طعم الرقاد؟
وسل الانجم هل ابصرنه   ليلة مضطجعا فوق الرساد؟
وسل الصبح اهل صادفه   مل من نوم مذيب للجماد
عاقر الناقة مع شقوته   ليس بالاشقیٰ من الرجس المرادی
فلقد هم بالسيف فتیٰ   عم خلق الله طرا بالايادی
فبكته الانس والجن معا   وطيور الجو مع وحش البوادی
وبكاه اعلام الاعلى دما   وغدى جبريل بالويل يُنادی
هدمت والله اركان الهدیٰ   حيث لا من منذر فينا وهادی

"اسلام نے اس دن غم کا سیاہ لباس پہنا جس دن مرادی (ابنِ ملجم) کی تلوار نے مرتضیٰؑ کو شہید کیا۔ وہ ایسی رات تھی جس کی صبح کے وقت گمراہی ہدایت پر غالب آ گئی تھی۔ بہتری کے ستون گر پڑے اور فساد کے پرچم

بلند ہوئے۔ غدار نے خدا کی حجت کے لیے بھی خدا کے خاص مہینہ کا خیال نہیں رکھا تھا۔ یہ وہ راتیں تھیں جن میں اللہ نے عظیم ہادی پر قرآن کی سورتوں کو نازل کیا تھا۔ انھی راتوں میں اس پر ظلم ہوا، جس کی فضیلت کی قرآن منادی کرتا تھا۔ ظالموں نے انھیں محرابِ مسجد میں بھوکا پیاسا شہید کیا تھا۔ رات کی تاریکی سے پوچھو کہ کیا اس کی آنکھیں کبھی خوفِ خدا میں رونے سے خشک ہوئی تھی یا اس کی آنکھوں نے نیند کا ذائقہ چکھا تھا؟ ستاروں سے پوچھ لو کہ کیا اُنھوں نے علیؑ کو کبھی بستر پر سوئے ہوئے دیکھا تھا؟ صبح سے پوچھ لو کہ کیا کبھی علیؑ کو ایسی مناجات سے تنگ دل ہوتے بھی پایا جو کہ جمادات کو پگھلا دینے والی ہوتی تھیں؟

ناقۂ صالح کا قاتل اپنی تمام تر شقاوت کے باوجود نجس مرادی سے زیادہ شقی نہیں تھا۔ اس لعین نے اس ہستی کو تلوار کا نشانہ بنایا، جس نے خدا کی تمام مخلوقات پر احسان کیے تھے۔

انسان اور جنات اور طیور و حیوانات سب اُن کی شہادت پر روئے۔ ملاء اعلیٰ کے باسی ان پر خون روئے اور جبرئیلؑ نے اُن کی شہادت کی منادی کی تھی اور یہ کہا تھا: خدا کی قسم! ہدایت کے ستون گر گئے۔ اب نہ تو منذر رہا اور نہ ہادی رہا ہے"۔

علیؑ کا زخمی حالت میں گھر لایا جانا!

برادرانِ ایمان! ہم نے امیر المومنین علی علیہ السلام کی شہادت کے متعلق گزشتہ صفحات میں کچھ معروضات پیش کی تھیں۔ یقین فرمائیں کہ یہ واقعہ اتنا دل خراش اور اندوہناک ہے کہ قلم اور زبان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلات کو بیان کر سکیں۔

جیسے ہی ہاتف غیبی نے قَدْ قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی صدا دی تو یہ خبر پورے کوفہ شہر میں پھیل گئی۔ کوفہ کے مرد و زن تیزی سے مسجد کی طرف آئے اور انسانوں سے جامع مسجد بھر گئی۔ ہر شخص آنسو بہا رہا تھا اور سر پیٹ رہا تھا۔ ہر طرف گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی

تھیں۔ کوفہ کے لوگ اپنے اس امام کے دیدار کے خواہش مند تھے جس نے بے خطر موت کی گھاٹیاں عبور کی تھیں اور جس کے نام سے سورماؤں کے کلیجے دہل جاتے تھے اور جس کی ہیبت سے پہاڑ سست کر رائی دکھائی دیتے تھے اور جس کے نام سے شیر لرز اُٹھتے تھے۔ امام علی علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ خون بہنے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سفید ہو چکا تھا۔ آپ نے بیٹھ کر نماز ادا کی اور پھر فرمایا: مجھے میرے گھر لے چلو۔

حضرت کی اولاد نے آپ کو چارپائی پر اُٹھایا۔ ان کے عقب میں لوگ گریہ کناں چلنے لگے۔ حسنین کریمین پر سب سے زیادہ گریہ طاری تھا۔

امام حسین علیہ السلام رُو رُو کر کہہ رہے تھے:

يَا اَبَتَاهُ مَنْ لَنَا بَعْدَكَ؟ لَا يَوْمَ كَيَوْمِكَ اِلَّا يَوْمَ رَسُوْلِ اللهِ مِنْ اَجْلِكَ تَعَلَّمْتُ الْبُكَاءَ يَعِزُّ وَاللهِ عَلَيَّ اَنْ اَرَاكَ هٰكَذَا

"بابا جان! آپ کے بعد ہمارے لیے کون ہے۔ وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد سب سے بڑی مصیبت آپ کی ہی ہے۔ آپ کی خاطر میں نے رونا سیکھا ہے، میرے لیے یہ بات بڑی گراں ہے کہ آپ کو اس حالت میں دیکھوں"۔

امام علیہ السلام نے اپنے فرزند کو تسلی دی اور بیٹے کے آنسو پونچھے اور اپنا ہاتھ اپنے فرزند کے سینے پر رکھا اور فرمایا: فرزند! خدا تمھارے دل کو مستحکم بنائے اور تمھیں اور تمھارے بھائیوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

رسولؐ مقبول کی بھو بیٹیاں امام علیہ السلام کے بستر کے گرد جمع ہو گئیں اور وہ شیرِ خدا کو اس حالت میں دیکھ رہی تھیں۔ حضرت زینب کبریٰ اور اُن کی بہنوں نے بین کر کے کہا:

اَبَتَاهُ مَنْ لِلصَّغِيْرِ حَتّٰى يَكْبُرَ وَمَنْ لِلْكَبِيْرِ بَيْنَ الْمَلَايَا اَبَتَاهُ حُزْنُنَا عَلَيْكَ طَوِيْلٌ وَعَبْرَتُنَا لَا تَرْقَاُ

"بابا جان! اب چھوٹے بچوں کا محافظ کون ہوگا یہاں تک کہ وہ جوان ہوں اور بڑوں کا محفلوں میں ضامن کون ہوگا؟ بابا جان! ہمارا غم طویل ہے اور ہمارے آنسو کبھی نہ تھمیں گے"۔

آپؑ کے گھر کے باہر لوگوں کے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ لوگوں کا گریہ سن کر حضرتؑ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

اطباء اور جراح بلائے گئے۔ اُنھوں نے آپؑ کے لیے دودھ تجویز کیا، کیونکہ لعین کی تلوار زہر آلود تھی۔ ضربت کے بعد آپؑ نے صرف دودھ ہی استعمال کیا تھا۔

آپؑ نے اپنے دونوں فرزندوں کو بلایا اور اُنھیں پیار کیا کیونکہ آپؑ کو علم ہو چکا تھا کہ جدائی کے لحات قریب آ چکے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپؑ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے آپؑ کو دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ آپؑ نے اس میں سے تھوڑا سا دودھ نوش فرمایا۔ پھر پیالہ اپنے منہ سے ہٹایا اور فرمایا: یہ دودھ اپنے قیدی کے پاس لے جاؤ۔

پھر آپؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا: تمھیں میرے حق کا واسطہ! میری موت تک اس قیدی کو اچھا کھانا دینا اور اچھا پانی پلانا جو خود کھاؤ، اُسے بھی کھلاؤ اور جو خود پیو اُسے بھی پلاؤ۔

ابنِ ملجم گھر میں قید تھا۔ اس کے سامنے دودھ پیش کیا گیا اور اُسے آپؑ کی شفقت اور مہربانی کے متعلق بتایا گیا۔ اس نے دودھ پیا۔

حضرت محمد بن حنفیہؒ کا بیان ہے کہ ماہِ رمضان کی بیسویں رات ہم نے اپنے والد کے پاس بسر کی۔ زہر کا اثر آپؑ کے قدموں تک پہنچ چکا تھا۔ اس رات امیر المومنینؑ بیٹھ کر نمازیں پڑھتے رہے اور ہمیں کارآمد نصیحتیں کرتے رہے اور ہمیں اپنی موت کی تعزیت دیتے رہے اور طلوعِ فجر تک ہمیں اپنے احکامات کی خبر دیتے رہے۔

جب صبح ہوئی تو لوگ عیادت کے لیے آئے اور اُنھوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ امیر المومنینؑ نے اجازت دی۔ لوگ آئے، وہ سلام کرتے تھے اور حضرتؑ جواب دیتے تھے۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

اسألونی قبل ان تفقدونی وخففوا سؤالکم لمصیبة امامکم

''مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے کھو دو، البتہ سوال چھوٹے کرو کیونکہ تمھارا امامؑ مصیبت میں مبتلا ہے''۔

تمام حاضرین کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں اور کسی نے بھی اس حالت میں سوال کرنا

پسند نہ کیا۔ اسی اثنا میں حجر بن عدی الطائی اُٹھے اور اُنھوں نے کہا:

فَيَا اَسَفِیْ عَلَی الْمَوْلَی التَّقِیْ   اَبِی الْاَطْهَارِ حَیْدَرَةُ الزَّكِیْ

قَتَلَهٗ كَافِرٌ حِنْثٌ زَنِیْمٌ   لَعِیْنٌ فَاسِقٌ نَغْلٌ شَقِیْ

"مجھے دُکھ اور افسوس ہے اپنے پرہیزگار مولا، ابوالائمہ پاک و پاکیزہ حیدر پر جسے ایک کافر عہد شکن حرام زادہ لعین اور بدبخت نے قتل کیا ہے"۔

امام علیہ السلام نے اُن کی طرف دیکھا اور اُن کے جذبات سنے تو آپؑ نے فرمایا: حجر! یہ بتاؤ اس وقت تمھاری حالت کیا ہوگی جب تمھیں مجھ سے بیزاری کی دعوت دی جائے گی؟ بتاؤ اس وقت کیا کہو گے؟

حجر بن عدی نے عرض کیا: امیرالمومنینؑ! میں آپؑ سے برأت کی بجائے یہ پسند کروں گا کہ مجھے تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور مجھے آگ کے شعلوں میں ڈال دیا جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حجر! خدا تمھیں ہر بھلائی کی توفیق دے اور تیرے پیغمبرؐ کی اہلِ بیتؑ سے تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا کچھ دودھ موجود ہے؟

آپؑ کے فرزندوں نے دودھ پیش کیا تو آپؑ نے سارا دودھ پی لیا۔ پھر آپؑ کو آپؑ کا قاتل یاد آیا اور یہ دیکھا کہ دودھ باقی نہیں بچا۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے سارا دودھ پی لیا ہے اور میں نے تمھارے قیدی کے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ یہ دنیا سے میرا آخری رزق تھا۔

بیٹا! تمھیں خدا کا واسطہ اُسے بھی ویسے ہی دودھ پلاؤ جیسا کہ تم نے مجھے پلایا ہے۔

چنانچہ اس لعین کے پاس دودھ بھیجا گیا اُس نے پی لیا۔ لوگ دروازے پر جمع تھے اور اُن کی خواہش تھی کہ قاتل کو سزائے موت دی جائے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام مجمع کے پاس گئے اور اُنھیں والد کا یہ حکم سنایا کہ دروازے پر ہجوم نہ کریں اور واپس چلے جائیں۔ یہ حکم سن کر تمام افراد واپس چلے گئے، لیکن اصبغ بن نباتہ دروازے پر بیٹھے رہے، وہ واپس نہ گئے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام دوبارہ دروازے پر آئے اور اصبغ سے فرمایا: تُو نے امیرالمومنینؑ کا فرمان نہیں سنا؟

اصبغ نے عرض کیا: جی ہاں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ انھیں پھر دیکھ لوں اور ان سے حدیث سنوں۔ خدا کی آپؑ پر رحمت ہو، آپؑ والد ماجد سے میرے لیے اجازت طلب کریں۔

امام حسنؑ گھر گئے، پھر جلدی سے باہر آئے اور اصبغ سے فرمایا: داخل ہو جاؤ۔

اصبغ کا بیان ہے کہ جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ امیرالمومنینؑ کے سر پر زرد پٹی بندھی ہے۔ آپؑ کے چہرے کی زردی اس پٹی پر بھی غالب تھی۔ آپؑ درد اور زہر کی وجہ سے ایک پاؤں اُٹھا کر بلند کرتے پھر دوسرا پاؤں بلند کرتے تھے۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے حسنؑ کی زبانی میرا فرمان نہیں سنا تھا؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں لیکن میں چاہتا تھا کہ ایک بار آپؑ کو پھر دیکھ لوں اور آپؑ سے حدیث سنوں۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا بیٹھ جا۔ آج کے بعد تم مجھ سے کوئی حدیث نہ سن سکو گے۔

اصبغ! یاد رکھو جس طرح سے تم میری عیادت کے لیے آئے ہو میں بھی رسول اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام میں اُن کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا:

ابوالحسنؑ! باہر جاؤ اور الصلاۃ جامعۃ کہہ کر لوگوں کو بلاؤ۔ منبر پر چلے جاؤ اور میرا زینہ چھوڑ کر اس سے نچلے زینہ پر بیٹھو اور لوگوں سے کہو:

جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے تو اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو غلام اپنے آقاؤں سے دوڑ کر چلا جائے تو اُس غلام پر لعنت ہے، جو مزدور کی مزدوری میں ظلم کرے تو اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

اصبغ! مجھے میرے حبیب اللہ کے رسولؐ نے جو حکم دیا تھا میں نے اس کی تعمیل کی۔

مسجد کے آخری کنارے سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

ابوالحسنؑ! آپؑ نے تین جملے کہے ہیں لیکن اُن کی وضاحت نہیں کی؟

میں نے اس شخص کو کوئی جواب نہ دیا اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے اس شخص کی بات کو آپؐ کے سامنے نقل کیا۔

اصبغ کا بیان ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اپنا ہاتھ کھول دو۔ میں نے اپنا ہاتھ کھول دیا۔ آپؑ نے میری ایک انگلی پکڑی اور فرمایا: جس طرح سے میں نے تیری اُنگلی پکڑی ہے اسی طرح سے رسول اکرمؐ نے بھی میری انگلی پکڑی تھی۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا تھا:

ابوالحسنؑ! آگاہ رہو، میں اور تم اس اُمت کے (روحانی) باپ ہیں لہٰذا اس اُمت کا جو بھی فرد ہماری نافرمانی کرے گا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

میں اور تم اس اُمت کے جملہ افراد کے آقا و مولا ہیں اور جو شخص ہمارا دروازہ چھوڑ کر غیر کے دروازے پر بھاگے گا تو اُس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ میں اور تم دونوں اس اُمت کے مزدور ہیں اور جو ہماری مزدوری میں ہم پر ظلم کرے گا تو اُس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

پھر رسولؐ خدا نے فرمایا: آمین!۔ تو میں نے بھی آمین کہا۔

اصبغ کہتے ہیں کہ پھر آپؑ بے ہوش ہو گئے اور کچھ لمحات بعد آپؑ کو افاقہ ہوا اور مجھ سے فرمایا:

اصبغ بیٹھے ہوئے ہو یا چلے گئے ہو؟

میں نے عرض کیا: مولا! میں بیٹھا ہوا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: میں تمہیں ایک اور حدیث سنانا چاہتا ہوں۔

میں نے عرض کیا: ضرور سنایئے، اللہ آپؑ کو مزید بھلائیاں عطا کرے۔

آپؑ نے فرمایا: اے اصبغ! ایک دن مدینہ کی ایک گلی میں رسولؐ خدا سے میری ملاقات ہوئی۔ اس وقت میں مغموم تھا اور میرے چہرے پر بھی غم کے آثار ہویدا تھے۔ حبیبؐ خدا نے مجھ سے فرمایا: ابوالحسنؑ! تم مجھے مغموم دکھائی دیتے ہو کیا تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ اس کے بعد تم کبھی غمگین نہ ہو گے؟

جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک منبر نصب کرائے گا جو کہ انبیاءؑ و شہداء کے

منبر سے بلند ہوگا، پھر مجھے حکم دیا جائے گا کہ میں اس منبر پر بیٹھ جاؤں۔ پھر تمھیں حکم دیا جائے گا کہ تم ایک زینہ نیچے اس منبر پر بیٹھ جاؤ۔ پھر تمام اوّلین وآخرین کو جمع کیا جائے گا تو اس کے بعد ایک فرشتہ منادی کرے گا جو تم سے ایک زینہ نیچے ہوگا اور وہ یہ کہے گا:

"اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا میں اُسے اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں خازنِ جنان رضوان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل وکرم اور احسان کرتے ہوئے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں جنّت کی چابیاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کروں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ وہ چابیاں علیؑ بن ابی طالبؑ کے سپرد کردوں۔

لوگو! میری طرف سے اس بات کے گواہ بن جاؤ۔ اس کے بعد ایک اور فرشتہ جو کہ پہلے فرشتہ سے ایک زینہ نیچے ہوگا کھڑا ہوجائے گا اور وہ یہ منادی کرے گا: اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا تو میں اسے اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ میں "مالک" ہوں میں دوزخ کا داروغہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل وکرم اور احسان کرتے ہوئے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں دوزخ کی چابیاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کروں اور محمد مصطفیٰؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں وہ چابیاں علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سپرد کردوں۔

لوگو! میری طرف سے اس بات کے گواہ بن جاؤ۔ اس وقت تم جنّت ودوزخ لے لو گے۔ علیؑ! تم میرے دامن کو تھام لو گے اور تمھارے اہلِ بیتؑ تیرے دامن کو تھامیں گے اور تیرے شیعہ تیری اہلِ بیتؑ کے دامن کو تھامیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی اور کہا: یارسولؐ اللہ! جنّت کی طرف؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں رب کعبہ کی قسم!

علیؑ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں

عَظَّمَ اللّٰهُ اُجُوْرَكُمْ بِمُصِيْبَةِ سَيِّدِنَا وَ اِمَامِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِي اِبنِ اَبِي طَالِب

"اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمارے آقا و مولا امیرالمومنینؑ کی مصیبت پر اجرِعظیم عطا فرمائے"۔

اس جیسی رات تھی جب آپؑ نے اپنی شہادت کی نذر پوری کی تھی اور دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ آپؑ کی کتابِ زندگی کے روشن اَوراق بند ہوگئے اور امامؑ نے لوگوں کے ہاتھوں اوراُن کی زبانوں سے استراحت پائی اور آپؑ کی مسئولیت کے ایام تمام ہوئے۔

آپؑ کی اولاد نے آپؑ کے علاج معالجہ کے لیے کوفہ کے تمام نامور معالجوں کو جمع کیا اور ان میں اس دور کا مشہور معالج اثیر بن عمرو بن حانی السکونی بھی شامل تھا۔

اطباء نے حضرتؑ کے سر کے زخم کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اُنھیں آپؑ سے مایوسی ہوئی اور اُنھوں نے کہا: امیرالمومنینؑ! آپؑ نے جو آخری وصیت کرنی ہے وہ کرلیں۔ دشمنِ خدا کی تلوار کی ضربت بہت گہری ہے۔

محمد بن حنفیہؒ کا بیان ہے کہ جب اکیس ماہِ رمضان کی رات ہوئی تو میرے والد نے اپنی تمام اولاد اور خاندان کے افراد کو جمع کیا اور اُن سے الوداع کہا اور پھر فرمایا: خدا میری طرف سے تمہارا محافظ ہو، وہی مجھے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

امیرالمومنینؑ نے اپنی اولاد کو ایمان کے تقاضوں سے وابستہ رہنے کی وصیت کی۔ زہر کا اثر لحہ بہ لحہ بڑھ رہا تھا۔ ہم نے آپؑ کے قدموں کو دیکھا وہ سرخ ہو چکے تھے۔ اس سے ہمیں

آپؑ کی زندگی سے مایوسی ہوئی۔ پھر ہم نے آپؑ کی خدمت میں خورد و نوش کی اشیاء پیش کیں۔ آپؑ نے تناول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم نے آپؑ کے ہونٹوں کی طرف دیکھا تو وہ ذکرِ الٰہی میں مصروف دکھائی دیے۔ پھر آپؑ نے اپنی اولاد میں سے ایک ایک کا نام لے کر اُنھیں خدا حافظ کہا۔ اولاد رو رہی تھی۔

امام حسنؑ نے پوچھا: بابا جانؑ! آپؑ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: بیٹا! اس واقعہ سے ایک رات پہلے میں نے تیرے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو میں نے اُن سے اِس اُمت کے طرزِ عمل کی شکایت کی۔

اُنھوں نے فرمایا: ان پر بددعا کرو۔

میں نے کہا: پروردگار! اُنھیں میرے عوض بُرے حکام نصیب کر اور مجھے اُن کے بدلے اچھے رفیق عنایت کر۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے آپؑ کی بددعا قبول کر لی ہے اور تین دن کے بعد تجھے ہم سے ملحق کر دے گا۔

اب تین دن گزر گئے ہیں۔ اے ابو محمد حسنؑ! اور اے ابو عبداللہ حسینؑ! میں تم دونوں کو بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ تم دونوں مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ پھر آپؑ غیر فاطمی اولاد کی طرف متوجہ ہوئے اور اُنھیں وصیت کی کہ وہ اولادِ فاطمہؑ (حسنؑ و حسینؑ) کی مخالفت نہ کرنا۔

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: خدا تمھیں صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ میں تم سے رخصت ہونے والا ہوں اور میں آج رات تم سے جدا ہو جاؤں گا اور اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے والا ہوں۔

اے ابو محمد (حسنؑ) جب میری وفات ہو جائے تو تم مجھے غسل دینا اور کفن پہنانا اور اپنے نانا کے بچے ہوئے کافور سے مجھے حنوط کرنا۔ وہ جنت کا کافور ہے جسے جبرئیل امینؑ لے کر آئے تھے۔

پھر مجھے چارپائی پر لٹا دینا۔ چارپائی کا اگلا حصّہ نہ پکڑنا، اس کا پچھلا حصّہ پکڑنا جہاں

پہنچ کر اگلا حصّہ رُک جائے وہاں چارپائی کو روک دینا۔ پھر حسنؑ آگے بڑھ کر میری نمازِ جنازہ پڑھنا اور جنازہ میں سات تکبیرات کہنا اور یہ بھی جان لو کہ سات تکبیر نمازِ جنازہ میرے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ ایک اور شخص پر بھی سات تکبیریں پڑھی جائیں گی۔ وہ آخری زمانہ میں خروج کرے گا۔ اس کا نام قائم المہدیؑ ہوگا اور وہ تیرے بھائی حسینؑ کی نسل میں سے ہوگا۔ وہ ہر ٹیڑھے پن کو درست کرے گا۔ پھر جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاؤ تو چارپائی کو اس کے مقام سے ہٹا دینا اور اس جگہ کی مٹی ہٹانا۔ وہاں تمھیں تیار قبر دکھائی دے گی۔ مجھے اس میں لٹا دینا۔ جب مجھے لٹا لینا تو پھر میرے وجود کو قبر میں تلاش کرنا۔ تو مجھے وہاں نہیں پاؤ گے۔ میں تیرے نانا کے ساتھ ملحق ہو چکا ہوں گا۔

اے فرزند! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی نبیؑ مشرق میں مرے اور اس کا وصی مغرب میں مرے تو اللہ دونوں کے اَرواح اور اَجسام کو یکجا کر دیتا ہے۔ پھر وہ جدا ہو جاتے ہیں اور ہر ایک اپنی اصلی قبر کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ پھر لحد کو اینٹوں سے بند کرنا اور اس پر مٹی ڈالنا۔ پھر میری قبر کے نشان کو غائب کر دینا۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام کی ایک اور وصیت بھی ہے جو کہ آپؑ کی عظیم وصیتوں میں سے ہے۔ آپؑ نے وہ وصیت اپنی شہادت کی شب فرمائی تھی۔

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے الفقیہ میں سلیم بن قیس الہلالی کی زبانی اُسے نقل کیا ہے۔ سلیم بن قیس الہلالی کا بیان ہے کہ میں امیرالمومنین علی علیہ السلام کی اس وصیت میں موجود تھا جو اُنھوں نے اپنے فرزند حسن مجتبیٰؑ کو کی تھی اور حسینؑ، محمد بن حنفیہؒ اور اپنی جملہ اولاد اور اپنے اہلِ بیتؑ کے بزرگوں اور شیعوں کو اس پر گواہ مقرر کیا تھا۔

پھر آپؑ نے کتابیں اور ہتھیار امام حسنؑ کے سپرد کیے اور فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تجھے اپنا وصی مقرر کروں اور اپنی کتابیں اور ہتھیار اسی طرح سے تیرے سپرد کروں جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنا وصی بنایا تھا اور اپنی کتابیں اور ہتھیار میرے سپرد کیے تھے۔

رسولِ خداؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپؑ کا یہ پیغام بھی پہنچا دوں کہ جب تم پر موت

آئے تو یہ چیزیں اپنے بھائی حسینؑ کے سپرد کرنا۔

پھر آپؑ نے امام حسین علیہ السلام سے فرمایا: رسولؐ خدا نے حکم دیا ہے کہ آپؑ یہ چیزیں اپنے فرزند علی بن الحسینؑ کے سپرد کرو گے۔ پھر آپؑ نے علی بن الحسینؑ سے فرمایا: رسولؐ خدا نے تجھے حکم دیا ہے کہ آپ یہ چیزیں اپنے فرزند محمدؑ بن علیؑ کے سپرد کرو گے اور رسولؐ خدا اور میری طرف سے انھیں سلام کہنا۔

حضرتؑ کا وصیت نامہ

پھر آپؑ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے فرمایا:

بیٹا! تم میرے بعد میرے وارث اور خون کے ولی ہو۔ اگر معاف کر دو تو تمھیں اس کا حق حاصل ہے۔ اور اگر قصاص لینا چاہا تو پھر ایک ضرب مارنا، زیادتی نہ کرنا۔

پھر آپؑ نے فرمایا میرا وصیت نامہ لکھو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هٰذَا مَا اَوْصٰى بِهٖ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِىُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ:

اَوْصٰى اَنَّهٗ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ، اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ، ثُمَّ اِنَّ صَلَاتِىْ وَ نُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَ مَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

اُوْصِيْكُمَا بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاَنْ لَّا تَبْغِيَا الدُّنْيَا وَ اِنْ بَغَتْكُمَا وَلَا تَاْسَفَا عَلٰى شَىْءٍ مِّنْهَا عَنْكُمَا وَقُوْلَا بِالْحَقِّ وَاعْمَلَا لِلْاَجْرِ وَكُوْنَا لِلظَّالِمِ خَصْمًا وَلِلْمَظْلُوْمِ عَوْنًا اُوْصِيْكُمَا وَجَمِيْعَ وُلْدِىْ وَاَهْلَ بَيْتِىْ وَمَنْ بَلَغَهُمْ كِتَابِىْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَنَظْمِ اَمْرِكُمْ وَصَلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ جَدَّكُمَا صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ يَقُوْلُ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ اَفْضَلُ مِنْ

عَامَةِ الصَّلَاةِ وَالْقِيَامِ، وَإِنَّ الْمُبِيرَةَ الْخَالِقَةَ لِلدِّيْنِ فَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ ۔ اُنْظُرُوْا ذَوِى اَرْحَامِكُمْ فَصِلُوْهُمْ يُهَوِّنُ اللهُ عَلَيْكُمُ الْحِسَابَ، وَاللهَ وَاللهَ فِي الْاَيْتَامِ فَلَا تُغِبُّوْا اَفْوَاهَهُمْ وَلَا يُضِيْعُوْا بِحَضْرَتِكُمْ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ يَقُوْلُ مَنْ عَالَ يَتِيْمًا حَتّٰى يَسْتَغْنِيَ اَوْجَبَ اللهُ لَهُ الْجَنَّةَ كَمَا اَوْجَبَ لِاٰكِلِ مَالِ الْيَتِيْمِ النَّارَ وَاللهَ وَاللهَ فِي الْقُرْآنِ فَلَا يَسْبِقُكُمْ اِلَى الْعَمَلِ بِهٖ غَيْرُكُمْ وَاللهَ وَاللهَ فِي جِيْرَانِكُمْ فَاِنَّهُ وَصِيَّةُ نَبِيِّكُمْ مَا زَالَ يُوْصِيْ بِهِمْ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُمْ وَاللهَ وَاللهَ فِي الصَّلَاةِ فَاِنَّهَا خَيْرُ الْعَمَلِ وَ اِنَّهَا عَمُوْدُ دِيْنِكُمْ وَاللهَ وَاللهَ فِي بَيْتِ رَبِّكُمْ لَا تَخْلُوْهُ مَا بَقِيْتُمْ فَاِنَّهُ اِنْ تُرِكَ لَمْ تُنَاظَرُوْا، وَاللهَ وَاللهَ فِي صَوْمِ شَهْرِ رَمَضَانَ فَاِنَّ صِيَامَهُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ، وَاللهَ وَاللهَ فِي الْجِهَادِ فِي سَبِيْلِ اللهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ رَجُلَانِ، اِمَامُ الْهُدٰى وَمُطِيْعٌ لَهُ مُقْتَدٍ بِهُدَاهُ وَاللهَ اللهَ فِي ذُرِّيَّةِ نَبِيِّكُمْ فَلَا يُظْلَمَنَّ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ ۔ وَاللهَ اللهَ فِي اَصْحَابِ نَبِيِّكُمُ الَّذِيْنَ لَمْ يُحْدِثُوْا حَدَثًا وَلَمْ يُؤْوُا مُحْدِثًا فَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ اَوْصٰى بِهِمْ وَلَعَنَ الْمُحْدِثَ مِنْهُمْ وَمِنْ غَيْرِهِمْ وَالْمُؤْوِيَ لِلْمُحْدِثِ وَاللهَ اللهَ فِي الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ فَاَشْرِكُوْهُمْ فِي مَعَايِشِكُمْ، وَاللهَ اللهَ فِي النِّسَاءِ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاِنَّ آخِرَ مَا تَكَلَّمَ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله اَنْ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالضَّعِيْفَيْنِ نِسَائِكُمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ، وَلَا تَخَافُنَّ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ يَكْفِكُمْ مَنْ اَرَادَكُمْ وَبَغٰى عَلَيْكُمْ، قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا كَمَا اَمَرَكُمُ اللهُ وَلَا تَتْرُكُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيُوَلّٰى عَلَيْكُمْ اَشْرَارُكُمْ ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ بِالتَّوَاصُلِ وَالتَّبَاذُلِ وَ

إِيَّاكُمْ وَالتَّقَاطُعَ وَالتَّدَابُرَ وَالتَّفَرُّقَ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔ حَفِظَكُمُ اللّٰهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَحَفِظَ فِيْكُمْ نَبِيَّكُمْ وَأَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ خَيْرَ مُسْتَوْدَعٍ وَأَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُلْفِيَنَّكُمْ تَخُوْضُوْنَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ خَوْضًا تَقُوْلُوْنَ قُتِلَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَلَا لَا تَقْتُلُنَّ بِيْ إِلَّا قَاتِلِيْ، أُنْظُرُوْا إِذَا أَنَا مُتُّ مِنْ ضَرْبَتِهِ هٰذِهٖ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ وَلَا يُمَثَّلُ بِالرَّجُلِ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ إِيَّاكُمْ وَالْمُثْلَةَ وَلَوْ بِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ

"یہ وہ وصیت نامہ ہے جسے امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ نے لکھایا ہے۔ علیؑ نے وصیت کی ہے کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ کہ محمدؐ اس کے عبد اور اُس کے رسولؐ ہیں۔ خدا نے انھیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اُسے تمام اَدیان پر غالب کردے، اگرچہ مشرکین کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

میری نماز میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جوکہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا فرماں بردار ہوں۔

میں تم دونوں کو خدا کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ دنیا کے خواہش مند نہ ہونا، اگرچہ وہ تمھارے پیچھے لگی ہو اور دنیا کی کسی ایسی چیز پر نہ کڑھنا جو تم سے روک لی جائے۔ ہمیشہ حق بات کہنا اور ثواب کے لیے عمل کرنا اور ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔

میں تم دونوں اور اپنی تمام اولاد اور اپنے کنبہ کے افراد اور جن مومنین تک میرا یہ نوشتہ پہنچے سب کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے معاملات درست رکھنے اور آپس کے تعلقات سلجھانے کی وصیت کرتا ہوں۔

میں نے تمھارے نانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کی کشیدگیوں کو مٹانا نماز روزے سے افضل ہے اور باہمی انتشار ہلاک کنندہ اور دین کی جڑ کاٹنے والی چیز ہے۔

اپنے رشتہ داروں پر نظر کرو اور ان سے صلہ رحمی کرو۔ اللہ تم پر حساب آسان کردے گا۔ یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، ان کے کام و دہن کے لیے فاقہ کی نوبت نہ آئے اور وہ تمھاری موجودگی میں تباہ و برباد نہ ہونے پائیں۔ میں نے رسولؐ اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے جس نے یتیم کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ جوان ہوکر مستغنی ہوجائے تو خدا اُس کے لیے جنت واجب کردے گا اور جو یتیم کا مال ظلم سے کھائے گا تو اس پر دوزخ واجب کردے گا۔

قرآن کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ دوسرے اس پر عمل کرنے میں تم سے سبقت لے جائیں۔ اپنے ہمسائیوں کے لیے اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ اُن کے متعلق تمھارے پیغمبرؐ نے مسلسل ہدایت کی ہے اور آپؐ اُن کے لیے اس حد تک سفارش فرماتے رہے کہ ہم لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ آپؐ انھیں بھی ورثہ دلائیں گے۔

نماز کے لیے خدا سے ڈرتے رہنا کیونکہ وہ بہترین عمل ہے اور تمھارے دین کا ستون ہے۔ اپنے پروردگار کے گھر کے بارے اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ وہ دوزخ سے بچانے والی ڈھال ہیں۔ اور جان مال اور زبان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو نہ بھولنا، کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد صرف دو طرح کے انسان ہی کرسکتے ہیں:

① ہدایت یافتہ امامؑ ② اس کی اطاعت واقتدا کرنے والا شخص۔

اپنے نبیؐ کی ذریت کے متعلق خدا سے ڈرتے رہنا تمھاری موجودگی میں اُن پر ظلم نہ ہونے پائے۔

اپنے نبیؐ کے اصحاب کے متعلق خدا سے ڈرتے رہنا، جنھوں نے کوئی بدعت پیدا نہیں کی اور کسی بدعتی کو پناہ نہیں دی۔ رسولؐ خدا نے ایسے اصحاب کے متعلق وصیت کی تھی اور جس نے بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو پناہ دی تو رسولؐ خدا نے اُس پر لعنت کی ہے۔

فقراء ومساکین کے لیے اللہ سے ڈرتے رہنا، اُنھیں اپنے رزق روزی میں شریک کرنا۔ غلاموں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ڈرتے رہنا، کیونکہ رسولؐ خدا کا آخری کلام یہ تھا کہ تم دو کمزوروں کا خیال رکھنا اور وہ عورتیں اور غلام ہیں۔

خدا کے متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ خدا تمھیں تمھاری مخالفت کا ارادہ کرنے والے اور ظلم و زیادتی کرنے والے سے محفوظ رکھے گا۔

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا ورنہ تم پر بدترین لوگ حکومت حاصل کرلیں گے۔ تم دعائیں مانگو گے لیکن وہ قبول نہ ہوں گی۔ تمھارے لیے لازم ہے کہ ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھو اور ایک دوسرے کی اعانت کرو۔

خبردار! ایک دوسرے کی طرف پیٹھ پھیرنے اور تعلقات توڑنے اور تفرقہ بازی سے پرہیز کرنا۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی میں تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اللہ تم اہلِ بیتؑ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میں تمھیں خدا کے حوالے کرتا ہوں اور تم پر سلام اور خدا کی

رحمت کہتا ہوں۔

اے عبدالمطلب کی اولاد! ایسا نہ ہونے پائے کہ تم امیرالمومنینؑ قتل ہوگئے، امیرالمومنینؑ قتل ہوگئے کے نعرے لگاتے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دو۔ دیکھو میرے بدلے صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے۔ جب میں اسی ضرب سے شہید ہو جاؤں تو اس ایک ضرب کے بدلے میں صرف ایک ہی ضرب لگانا اور اس شخص کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: ”خبردار! کسی کے بھی ہاتھ پیر نہ کاٹو اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو“۔

امام علیہ السلام نے اپنے خاندان کو لوگوں کے قتلِ عام سے منع کیا جب کہ بنی اُمیہ نے عثمان کے خون کا نعرہ بلند کر کے بے تحاشا خلقِ خدا کو قتل کیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: میرے عوض میرے قاتل کو ہی قتل کرنا۔ آپؑ نے اپنے خاندان کو فتنہ کی تحقیق اور قتل کے پسِ پردہ افراد کو قتل کرنے سے منع کیا اور صرف یہ کہا کہ قاتل کو ہی قتل کیا جائے، اس کے کسی پشت پناہ پر ہاتھ نہ اُٹھایا جائے۔

آپؑ کے عدل کی انتہا یہ ہے کہ وصیت فرما رہے ہیں کہ قاتل نے ایک ضرب ماری تھی، لہٰذا اُسے بھی ایک ہی ضرب ماری جائے اور قتل کے بعد اس کے اعضا نہ کاٹے جائیں۔

اس کے بعد امامؑ کی پیشانی پر پسینہ آیا اور آپؑ نے اپنے ہاتھ سے پسینہ پونچھا۔ آپؑ کی صاحبزادی حضرت زینبِ کبریٰؑ نے عرض کیا: بابا جانؑ! آپؑ اپنی پیشانی کیوں پونچھ رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میں نے تمھارے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

جب مومن پر موت آتی ہے اور وفات کی گھڑی قریب آتی ہے تو اس کی پیشانی پر پسینہ آتا ہے جو کہ تر و تازہ موتیوں کی طرح سے ہوتا ہے اور مومن کی آہ و زاری ختم ہو جاتی ہے۔

اس وقت حضرت زینبؑ اُٹھیں اور اپنے آپ کو والد کے سینہ پر گرا دیا اور عرض کیا: بابا جانؑ! کربلا کے متعلق اُمِ ایمنؓ کی بیان کردہ حدیث مجھ سے بیان فرمائیں؟

آپؑ نے فرمایا: پیاری بیٹی! حدیث وہی ہے جو آپؑ سے اُم ایمنؓ نے بیان کی ہے۔ میں گویا یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ اور آپؑ کے خاندان کی دوسری مخدرات اسی شہر میں قیدی بنی ہوئی ہیں اور آپؑ سخت خوف زدہ ہیں اور آپؑ کو یہ خوف لاحق ہے کہ کہیں لوگ تمہیں اُچک نہ لیں۔

میری جانؑ! صبر کرنا! صبر کرنا۔

پھر امام علیہ السلام حسنین کریمینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابومحمدؑ (حسنؑ) اے ابوعبداللہ (حسینؑ) میں گویا یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد تمہارے خلاف اِدھر اُدھر سے فتنے اُٹھے ہوئے ہیں۔ تم صبر کرنا یہاں تک کہ خدا فیصلہ کرے۔ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اے ابوعبداللہؑ! آپؑ اس اُمت کے شہید ہیں۔ آپؑ کے لیے لازم ہے کہ خدا کا تقویٰ اختیار کریں اور اس کی آزمائش پر صبر کریں۔ پھر آپؑ مدہوش ہو گئے اور پھر افاقہ میں آئے تو فرمایا:

یہ رسولؐ خدا ہیں، یہ میرا چچا حمزہ ہے اور یہ میرا بھائی حمزہؓ ہے اور یہ میرا بھائی جعفرؓ ہے اور یہ رسولؐ اللہ کے احباب و اصحاب ہیں۔ وہ سب مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاس جلدی آؤ۔ ہم سب تمہارے مشتاق ہیں۔ پھر آپؑ نے اپنے خاندان کے تمام افراد پر نگاہ ڈالی اور فرمایا:

میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تم سب کی حفاظت کرے، میری طرف سے تمھارا خدا نگہبان ہو اور اللہ ہی بطور نگہبان کافی ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: وعلیکم السلام یا رسول اللہ میرے خدا کے نمائندو! تم پر سلام ہو۔

پھر آپؑ نے یہ آیات پڑھیں:

بِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ، اِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

پھر آپ مسلسل خدا کا ذکر کرتے رہے اور کلمہ شہادتین پڑھتے رہے۔ پھر آپؑ نے قبلہ

کی طرف رُخ کیا اور آنکھیں بند کیں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کیے اور کلمۂ شہادتین پڑھا۔ پھر آپؑ کی روح پرواز کر گئی۔

اس وقت سیدہ زینبؑ دختر علیؑ اور اُمِ کلثومؑ کی چیخیں بلند ہوئیں۔ خاندانِ عصمت کی خواتین نے اپنے گریبان چاک کیے اور چہرے پیٹے۔ آپؑ کے خانۂ کرامت آشیانہ سے چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اہلِ کوفہ کو معلوم ہو گیا کہ امیر المومنینؑ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

کوفہ کے مرد و زن گھروں سے باہر نکل آئے اور ہر طرف ماتم کا سماں تھا اور پورے کوفہ سے رونے اور آہوں اور سسکیوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ دن وفاتِ پیغمبرؐ کے دن کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ آفاق متغیر ہو چکے تھے۔ لوگوں کو ہوا میں آوازیں سنائی دیں اور پورا کوفہ آپؑ کے غم میں ڈوب گیا۔

آپؑ کی اولاد نے رات کے وقت ہی آپؑ کی تجہیز شروع کر دی۔ جب غسل کے لیے آپؑ کے کپڑے اُتارے گئے تو معلوم ہوا کہ آپؑ کے وجودِ اقدس پر ایک ہزار تلواروں، تیروں اور نیزوں کے زخم تھے۔ یہ وہ زخم تھے جو آپؑ کو جنگوں میں لگے تھے۔

امام حسنؑ نے آپؑ کو غسل دیا اور امام حسینؑ نے آپؑ پر پانی ڈالا۔ امامؑ کا پہلو بدلنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ غسل دینے والا جس طرف جسم کو پھیرنا چاہتا تھا آپؑ کا جسم خود بخود اُدھر پھر جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملائکہ آپؑ کے وجود کو پھیر دیتے تھے۔

غسل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد امام حسن علیہ السلام نے اپنی بہنوں حضرت زینبؑ اور حضرت اُمِ کلثومؑ کو آواز دی کہ میرے جدِ امجد رسولِ خداؐ کا کافور لائیں۔ حضرت سیدہ زینبؑ تیزی سے کافور لائیں۔ جب اُسے کھولا گیا تو پورے گھر اور پورے کوفہ میں اس کی خوشبو پھیل گئی۔

حنوط کے بعد آپؑ کو پانچ کپڑوں کا کفن دیا گیا اور آپؑ کے جسمِ اطہر کو چارپائی پر لٹایا گیا اور حسنین کریمینؑ نے چارپائی کے پچھلے حصّہ کو اُٹھایا۔ اگلا حصّہ خود بخود اُٹھ گیا جب کہ اُٹھانے والا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اگلے حصّہ کو جبرئیلؑ و میکائیلؑ نے اُٹھایا ہوا تھا۔ آپؑ کا جنازہ جہاں سے بھی گزرا وہ چیز جھک گئی۔

کوفہ شہر گریہ و بکا سے لرز اُٹھا۔ کوفہ کی خواتین نوحہ کناں حضرتؑ کے جنازے میں شریک ہوئیں۔ امام حسن علیہ السلام نے تمام خواتین کو واپس کیا۔ امام حسین علیہ السلام لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کا ورد کر رہے تھے اور اس کے ساتھ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کی آیت کی تلاوت کرتے رہے۔

آپؑ مسلسل یہ کہہ رہے تھے:

یَااَبَتَاهُ وَاانْقِطَاعَ ظَهْرَاهُ مِنْ اَجْلِكَ تَعَلَّمْتُ الْبُكَاءَ اِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى

"ہائے بابا جانؑ! ہائے میری کمر کا ٹوٹ جانا، آپؑ کی وجہ سے میں نے رونا سیکھا۔ خدا کے حضور ہی شکوہ کرتا ہوں"۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے مشایعت کرنے والے تمام افراد کو واپس جانے کا حکم دیا۔ جنازہ کے جلوس میں صرف امیرالمومنینؑ کی اولاد اور چند مخلص باوفا دوست ہی باقی رہ گئے۔ رات کی تاریکی میں جنازہ کو کوفہ سے دُور لے جا کر نجف لایا گیا۔ جب جنازہ نجف پہنچا تو چارپائی کا اگلا حصّہ وہاں رُک گیا۔ حسنین کریمینؑ نے چارپائی کا پچھلا حصّہ رکھ دیا۔

امام حسن مجتبیٰؑ نے امیرالمومنینؑ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور والدؑ کے فرمان کے مطابق جنازہ میں سات تکبیرات کہیں۔ جنازہ سے فراغت کے بعد اس جگہ سے چارپائی ہٹائی گئی تو وہاں تیار قبر برآمد ہوئی۔ وہاں ایک لوح ملی جس پر یہ عبارت کندہ تھی:

"یہ وہ قبر ہے جسے نوح نبی نے عبد صالح طاہر بن مطہر کے لیے بنایا تھا"۔

جب قبر میں اُتارنے کا ارادہ کیا گیا تو سب نے ایک ہاتف کی یہ آواز سنی:

"انھیں پاکیزہ تربت میں اُتارو۔ حبیب اپنے حبیب کا مشتاق ہے"۔

اس آواز کو سن کر وہ لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ تدفین کا عمل فجر سے پہلے مکمل ہو گیا اور آپؑ کی وصیت کے مطابق قبر کا نشان مٹا دیا گیا۔

آپؑ نے نشانِ قبر مٹانے کی وصیت اس لیے کی تھی کہ آپؑ جانتے تھے کہ آپؑ کے دشمن انتہائی بے ضمیر اور بے اُصول ہیں۔ کہیں وہ قبر کی بے ادبی نہ کریں اور آپؑ کے اس

خدشہ کی تصدیق منتخب التواریخ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حجاج بن یوسف نے نجف میں ہزاروں قبریں کھدوائی تھیں، لیکن کسی بھی قبر سے امیر المومنینؑ کا جسدِ مبارک برآمد نہیں ہوا تھا۔

ہارون الرشید کے دور تک آپؑ کی قبر عوام سے مخفی رہی۔ آپؑ کی اولاد اور چند خواصی کے علاوہ کسی کو آپ کی قبر کا علم نہ تھا۔

عبداللہ بن حازم بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن ہارون الرشید کے ساتھ شکار کے لیے کوفہ سے نکلے اور غربی (نجف) کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمیں کچھ ہرن دکھائی دیئے۔ ہم نے ان پر کتے اور باز چھوڑے۔ وہ کچھ دیر تک ہرنوں کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر ہرن ایک ٹیلے پر جا کر بیٹھ گئے۔

ہرن جیسے ہی وہاں بیٹھے تو کتے دُور رُک گئے اور باز بھی دُور جا کر پرواز کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ہرن ٹیلے سے اُترے تو کتے ان کے تعاقب میں دوڑنے لگے۔ ہرن پھر دوبارہ اسی ٹیلہ پر آکر بیٹھ گئے۔ کتے ٹیلے سے کچھ فاصلے پر رُک گئے۔ تین مرتبہ یہ اتفاق ہوا۔ ہر بار کتے اور باز اس ٹیلے سے دُور ہو جاتے تھے۔

ہارون ٹیلے پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم اِدھر اُدھر پھیل جاؤ، تمہیں اس علاقہ کا جو بھی فرد ملے اسے میرے پاس لے آؤ۔

ہارون کے ساتھی کچھ دیر بعد بنی اسد کے ایک بزرگ کو خلیفہ کے پاس لائے۔

ہارون نے کہا: یہ ٹیلہ کیسا ہے؟

بزرگ نے کہا: اگر تو مجھے امان دے تو میں بتاؤں گا؟

ہارون نے کہا: میں خدا کو ضامن بنا کر کہتا ہوں کہ میں تجھے کوئی اذیت نہیں دوں گا۔

بزرگ نے کہا: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا تھا اور اس سے اُس کے والد نے یہ بیان کیا تھا کہ اس ٹیلہ پر امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے حرم کا درجہ دیا ہے یہاں پہنچ کر جو پناہ لیتا ہے اُسے امن مل جاتا ہے۔

ہارون ٹیلے سے اُترا اور پانی طلب کر کے وضو کیا اور ٹیلہ کے پاس نماز پڑھی اور ٹیلے پر اپنے رُخسار لگائے اور رونے لگا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس پر قبہ تعمیر کیا جائے۔

ہارونؒ کے دور میں آپؑ کی قبرِ اطہر پر پہلا قبہ بنا تھا اور آج صدیوں بعد عظیم الشان روضہ کی صورت میں موجود ہے۔ آپؑ کے مزارِ اطہر پر سنہری قبہ ہے اور دو سنہری مینار ہیں۔

آپؑ کا مزار انجینئرنگ کا شاہکار ہے۔ آپؑ کا روضہ سلاطین وملوک کے ان ہدایا جات سے مزین ہے جو کہ مختلف اوقات میں اُنھوں نے پیش کیے تھے۔ آپؑ کے روضہ کی شان و شوکت دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔

امیرالمومنینؑ کے خزانے میں قیمتی اشیاء موجود ہیں۔ دنیا ان کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ہر سال کروڑوں انسان آپؑ کے سلام کے لیے نجف اشرف حاضری دیتے ہیں اور آپؑ کے حضور ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

امیرالمومنینؑ کے حضور خراجِ تحسین

جب امیرالمومنین علی علیہ السلام کی تدفین مکمل ہوگئی تو صعصعہ بن صوحانؓ قبرِ مبارک کے کنارے کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے آپؑ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ حضرت صعصعہؓ نے اپنا ہاتھ دل پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے مٹی اُٹھا کر اپنے سر پر ڈالی اور یوں گویا ہوئے:

''یا اباالحسنؑ! یا امیرالمومنینؑ! میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں آپؑ کی ولادت پاکیزہ تھی۔ آپؑ کا صبر انتہائی قوی تھا اور آپؑ کا جہاد عظیم تھا اور آپؑ کی رائے کامیاب تھی۔ آپؑ کی تجارت فائدہ مند تھی۔ آپؑ اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ آپؑ کے رب نے آپؑ کو بشارت دی اور ملائکہ آپؑ کے محافظ ہیں اور آپؑ کو رسولِ رحمت کے جوار میں جگہ ملی۔ اللہ نے اس جوار سے آپؑ کو مکرم بنایا اور آپؑ اپنے بھائی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ سے ملحق ہو چکے ہیں اور آپؑ اُن کے ہاتھوں سے بھرا ہوا جامِ کوثر نوش کر چکے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمیں آپؑ کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے ہم پر اِحسان فرمائے اور ہمیں آپؑ کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہمیں آپؑ کے دوستوں کا دوست اور آپؑ کے دشمنوں کا دشمن بنائے رکھے اور ہمیں قیامت کے دن آپؑ کے دوستوں میں محشور فرمائے۔

آپؑ نے وہ کچھ حاصل کیا جسے کوئی بھی حاصل نہ کرسکا اور آپؑ نے وہ کچھ پایا جسے کوئی نہ پاسکا۔ آپؑ نے اپنے بھائی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے پروردگار کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا اور آپؑ نے اللہ کے دین کو اچھی طرح سے قائم کیا۔ آپؑ نے سنتوں کو قائم کیا اور فتنوں کو مٹایا جس سے اسلام قائم ہوا اور ایمان کو نظم نصیب ہوا۔ میری طرف سے آپؑ پر افضل ترین صلوات وسلام ہوں۔

آپؑ کی وجہ سے اہلِ ایمان کی کمر سیدھی ہوئی اور راستوں کے نشانات واضح ہوئے، سنتیں قائم ہیں۔ خدا نے آپؑ کو جتنے مناقب وخصائل عطا کیے ہیں آج تک وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ آپؑ نے نبی اکرمؐ کی دعوت پر ساری دنیا سے سبقت حاصل کی اور اُن کی نصرت کے لیے جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان کے ذریعے سے اُن کی حفاظت کی اور آپؑ نے پُرہول مقامات پر ذوالفقار اُٹھائی۔ اللہ نے آپؑ کے ذریعے سے ہر سرکش وجابر کی گردن توڑی اور آپؑ کی وجہ سے بڑے طاقتور رُسوا ہوئے اور آپؑ کے وسیلہ سے اہلِ شرک و کفر کے قلعہ جات منہدم ہوئے اور آپؑ کے ذریعے سے ہی گمراہ دشمن قتل ہوئے۔

امیرالمومنینؑ! آپؑ کو مبارک ہو آپؑ رشتہ داری کے لحاظ سے رسولؐ خدا کے سب سے قریبی عزیز تھے اور آپؑ ہی اوّل المسلمین تھے اور آپؑ ہی سب سے بڑے صاحبِ علم وفہم تھے۔

ابوالحسنؑ! آپؑ کو مبارک ہو۔ اللہ نے آپؑ کا مقام بلند بنایا اور آپؑ ازلحاظ نسب رسولِ اکرمؐ کے قریبی ترین فرد تھے اور سب سے پہلے آپؑ نے اسلام کا اِظہار کیا تھا اور آپؑ یقین کے بلند ترین مقامات پر فائز تھے اور آپؑ مضبوط ترین دل رکھتے تھے اور میدانِ جہاد میں اپنی جان قربان کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے اور ہر بھلائی میں آپؑ کا حصّہ سب سے زیادہ ہوتا تھا۔

اللہ ہمیں آپؑ کے اجر سے محروم نہ رکھے اور آپؑ کے بعد ہمیں رُسوا نہ کرے۔ خدا کی قسم! آپؑ کی زندگی ہر بھلائی کی کلید اور ہر برائی کے لیے تالا تھی اور آج کا دن ہر شر کی کلید اور ہر نیکی کے لیے تالا ہے۔ اگر لوگ آپؑ کی تعلیمات کو قبول کر لیتے تو اُن پر آسمان سے رزق نازل

ہوتا اور قدموں کے نیچے سے اُنھیں رزق ملتا، لیکن لوگوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے۔

اس کے بعد صعصعہؓ نے آپؑ کا مرثیہ پڑھا، پھر بے تحاشا گریہ کیا اور اس کے ساتھ ہر شخص رونے لگا۔ پھر حاضرین حسنؑ و حسینؑ، محمد حنفیہؒ، جعفرؒ، عباسؒ، یحییٰ، عونؒ اور عبداللہؒ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُنھیں امام علیہ السلام کا پُرسہ دیا۔ بعدازاں یہ محزون قافلہ کوفہ واپس آ گیا۔

قم ناشد الاسلام عن حصابه — اصیب بالنبی اُمِ کتابه
بلی قطی نفس النبی المصطفی — و ادرج اللیلة فی اثوابه
فاصفر وجه الدین لاصفراره — وخُضِب الایمان لاختضابه
قتلتم الصلاة فی محرابها — یاقاتلیه وهو فی محرابه

"اُٹھو اسلام، نبی اکرمؐ اور کتابِ خدا سے پوچھو کہ ان پر کیسی مصیبت ٹوٹی؟ جی ہاں، نفسِ رسولؐ (علی مرتضیٰؑ) دنیا سے رخصت ہو گئے اور آج رات اُنھیں کفن پہنایا گیا۔
امیر المومنینؑ کے زرد چہرے کی وجہ سے دین کا چہرہ زرد ہو گیا اور آپؑ کے خونی خضاب سے ایمان کو بھی خون کا خضاب لگا۔ قاتلینِ علیؑ! تم نے نماز کو محراب میں قتل کیا ہے"۔

امام حسن علیہ السلام کا خطاب

بعدازاں لوگ ابنِ ملجم کی طرف متوجہ ہوئے اور اُسے قتل کر دیا۔ پھر لوگوں نے قطام کے گھر پر حملہ کیا اور تلواروں سے اس کے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیئے اور اس کا گھر لوٹ لیا اور اس کے اور ابنِ ملجم کے ناپاک جسموں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

ناسخ التواریخ میں منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کی شہادت اور ابن ملجم کے قتل کے بعد ابن عباسؓ لوگوں کے پاس آئے اور کہا: لوگو! امیر المومنینؑ شہید ہو چکے ہیں۔ اُنھوں نے اپنا جانشین تم میں چھوڑا ہے۔ اگر پسند کرو تو وہ تمھارے پاس آئے گا اور اگر تمھیں پسند نہ ہو تو پھر کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔

لوگ رونے لگے اور کہا کہ انھیں ہمارے پاس آنا چاہیے؟

امام حسن علیہ السلام سیاہ کپڑوں میں برآمد ہوئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپؑ نے خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

آج رات اس انسان کی وفات ہوئی ہے جس پر اوّلین میں سے کسی نے عمل میں سبقت نہیں کی اور نہ ہی آخرین عمل کے لحاظ سے اس کے مقام کو پاسکتے ہیں۔ وہ رسولؐ اللہ کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور اپنی جان کے ذریعے سے رسولؐ خدا کی حفاظت کرتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا پرچم دے کر انھیں روانہ کرتے تھے۔ جبرئیلؑ اُن کے دائیں طرف اور میکائیلؑ اُن کے بائیں طرف ہوتے تھے اور وہ فتح کے بغیر واپس نہیں آتے تھے۔

اُن کی وفات اس رات ہوئی جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا، اور اسی رات عیسیٰ بن مریمؑ کو اُٹھایا گیا اور اسی رات حضرت موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نونؑ کی وفات ہوئی تھی۔

امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کوئی سونا چاندی میراث میں نہیں چھوڑی۔ بس سات سو درہم چھوڑے ہیں جو کہ اُن کے وظیفہ سے بچ گئے تھے اور وہ اس رقم سے اپنے افراد خانہ کے لیے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے۔

یہ الفاظ کہے اور آپؑ پر گریہ طاری ہو گیا اور تمام حاضرین رونے لگ گئے۔

اختتام اور اعتذار

برادرانِ ایمانی!

ہم نے آپؑ کے ساتھ یہ قیمتی راتیں بسر کی ہیں اور ان راتوں میں ہم نے امیرالمومنین علی علیہ السلام کی ذات بابرکات پر گفتگو کی ہے اور ہم نے آپؑ کی زندگی کے کچھ پہلو اُجاگر کیے ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان راتوں میں ہم آپؑ کے فضائل و مناقب کا عُشرِ عشیر بھی بیان نہیں کر سکے۔

ہم نے آپؑ کے فیصلے اور آپؑ کے معجزات بیان نہیں کیے۔ اس کے علاوہ ہم نے آپؑ کی جنگی حکمت عملی اور حکیمانہ سیاست پر بھی گفتگو نہیں کی ہے۔

اس طرح سے ہم نے آپؑ کی اَزواج و اولاد اور آپؑ کے کلماتِ قصار اور آپؑ کے ہمیشہ رہنے والے آثار پر بھی بحث نہیں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ان مختصر اور ٹوٹے پھوٹے کلمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور تدارکِ مافات کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں ہم امیرالمومنین علی علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں۔

سلام اللہ علی امیرالمؤمنین یوم ولد فی الکعبۃ ویوم مات شہیدا فی سبیل اللہ ویوم یبعث حیا للشفاعۃ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والسلام علیکم